خطبات

حکیم العصر

۲

ضابطہ

نام کتاب:	خطبات حکیم العصر (جلد دوم)
خطیب:	حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ
اہتمام:	استاد العلماء مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
ترتیب:	مولانا مفتی سجاد حسین ظفر
تصحیح:	قاری محمد ادریس عباسی اسلام آباد
تخریج:	مولانا محمد عمران
ضخامت:	397 صفحات
تعداد	1100
اشاعت سوم:	جنوری 2008ء
قیمت:	200 روپے

انتساب

اس عظیم عمل کا انتساب......
میں اپنے ان عظیم اکابر علماء دیوبند کے نام کرتا ہوں کہ جنھوں نے انتہائی کٹھن حالات میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اٹھایا اور اپنے وقت کے انتہائی ظالم و جابر حکمرانوں سے ٹکرائے......
ظلم وستم برداشت کیے......
لیکن دین الٰہی پر آنچ نہ آنے دی!!
اور اپنے تمام اساتذہ کرام کے نام!
جن کی تربیت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ یہ عظیم سرمایہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

از ناشر

اجمالی فہرست

- تشکر و امتنان ۔تحریر: مولانا مفتی ابوطلحہ ظفر اقبال ....
- دور حاضر کی ایک جامع شخصیت ۔تحریر: مولانا منیر احمد منور ....
- اکابر کا تذکرہ ....
- مسلمانوں کے زوال کا سبب ....
- روشن خیالی کی حقیقت ....
- صحبت کا اثر ....
- تصور بخشش و سزا ....
- وسیلہ کا حکم ....
- فتنہ دجال اور سورہ کہف (بیان ۱) ....
- فتنہ دجال اور سورہ کہف (بیان ۲) ....
- سماع الموتی ....
- اولیاء کی گستاخی کا انجام ....
- فضیلت ذکر ....
- فلسفہ حج ....
- شیعہ سنی اختلاف کا حل ....
- شان اولیاء ....
- سنت و بدعت میں فرق ....
- معاشرے کی اصلاح کیسے ہو ....
- شان صحابہ رضی اللہ عنہم ....

تشکر وامتنان

اللہ کریم کے اس اُمت پر فضل وکرم کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ اُس نے ہر زمانے اور ہر وقت میں انسانیت کی ضروریات کو پورا کیا ہے اور اس کی رہنمائی کے اسباب بھی مہیا کیے ہیں عام طور پر انسانی ضروریات دو قسم پر ہیں جسمانی اور روحانی۔ اللہ تعالیٰ نے جسمانی ضروریات کے لئے غذا اور روحانی ضروریات کے لئے اپنے برگزیدہ پیغمبر کی لائی ہوئی تعلیمات کو مقرر فرمایا اور پھر اس روحانی مشن کو جاری وساری رکھنے کے لئے ایسے افراد کا انتخاب فرمایا جنہوں نے اللہ کی توفیق سے اس پیغمبرانہ مشن کو دیوانہ وار آگے بڑھایا اور اس کے لئے اپنی خداداد صلاحیتوں کو خوب خوب استعمال فرمایا، اور جہاد وتبلیغ، درس وتدریس، وعظ وارشاد اور تعلیم وتربیت کے ہر میدان میں انمول کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اِن میں میرے دور کی عظیم علمی، روحانی شخصیت میرے اُستاذ محترم رئیس المحدثین، حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں، اُنہیں اللہ نے بیان کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔

نطق کو سو ناز ہے تیرے لبِ اعجاز پر
محو حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

میرے لئے یہ سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت حکیم العصر کے خطبات کی جلد دوم شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مقامِ شکر ہے کہ جلد اوّل کی اشاعت کے وقت قارئین حضرات سے جلد دوم کو منصۂ شہود پر لانے کا جو وعدہ کیا تھا آج اللہ کے فضل وکرم سے اِس کی تکمیل ہو رہی ہے۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک۔**

یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ کسی شخصیت کے خطبات کو کتابی شکل مل جانا اور افرادِ اُمت تک پہنچ جانا کسی تحفہ سے کم نہیں ہوتا۔ خاص کر جبکہ وہ مفکر، محدث، فقیہہ بھی ہوں

،اکابر اُمت کی شفقتوں کا مرکز اور اپنے سینے میں سسکتی بلکتی زخم خوردہ پریشانیوں اور آزمائشوں سے چور چور انسانیت کے لئے گھلنے پگھلنے والے صاحب دِل ہوں اور اُن کی تقریر میں جوش کی بجائے درست ذہن سازی کا عنصر غالب ہو۔قارئین کرام جب اِن خطبات کا مطالعہ فرمائیں گے تو ان کے سامنے ان شاء اللہ بے شمار عقدے کھلتے جائیں گے۔

خطبات حکیم العصر جلد ثانی کے منظر عام پر آنے میں میرے اساتذہ ،رفقاء کار اور مخلصین کی دعاؤں اور کاوشوں کا گہرا دخل ہے۔انہیں حضرات کے جذبۂ خدمت اور حضرت اُستاذ محترم کے ساتھ عقیدت ومحبت کی برکت ہے کہ انتہائی مختصر وقت میں یہ شہ پارے آپ تک پہنچ رہے ہیں۔اللہ کریم ان سب کو اپنی عظمتِ شان کے شایانِ شان اجر عظیم سے نوازے۔ **واجرھم علی اللہ**

خاص طور پر میرے رفیقِ کار جواں سال عالم دین مولانا مفتی سجاد حسین ظفر صاحب جنہوں نے اس مجموعہ کی ترتیب کا کام سرانجام دیا اور برادرِ عزیز ،مخلص دوست ،بیدار مغز عالم قاری محمد ادریس عباسی صاحب جنہوں نے کئی راتیں آنکھوں میں کاٹ کر اس کتاب کی تصحیح وتحقیق کی ذمہ داری قبول کی اور بڑی محنت ودلچسپی کے ساتھ یہ کام کیا۔میں استاذِ محترم حضرت مولانا منیر احمد صاحب منور اُستاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کا بھی انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب پر عدیم الفرصتی کے باوجود ایک وقیع مقدمہ تحریر کیا اللہ تعالیٰ اُنہیں سعادت دارین سے نوازے اور لمبی عمر عطا فرمائے۔

آخر میں اس کتاب کے بارے میں یہی کہتا ہوں

مدتے در مثنوی تاخیر شد
فرصت باید کہ تا خوں شیر شد

والسلام

ابو طلحہ ظفر اقبال غفرلہٗ

ناظم اعلیٰ جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دورِ حاضر کی ایک جامع شخصیت

جب بندہ ناچیز ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم کبیر والا میں بسلسلہ تعلیم حاضر ہوا تو صرف نحو کے لئے جماعتِ اولیٰ میں داخلہ ملا اِس جماعت کے بظاہر دو سبق ہوتے تھے لیکن ارشادالصرف اور نحو میر کی فارسی عبارت مع مکمل تشریح حفظ کرنے نیز تمرین کے لئے صرف ونحو کے قواعد کے اِستحضار اور دریائے راوی ، ارے ، ارین ، لیا، مولیاں۔ کہ باشند۔ پتر الیاں، کولیاں جیسے پیچیدہ صیغہ جات حل کرنے کے حوالہ سے ہمارا ایک ایک سبق کئی اسباق کے قائم مقام ہوجاتا۔ دارالعلوم کبیر والا کے اِس دور میں صرفی جماعت فقط حضرت العلامہ مولانا منظورالحق رحمہ اللہ سے متعلق ہوتی تھی۔ اِس لئے اُستاذِ مکرم حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ اتنی وابستگی نہ ہوسکی البتہ یہ منظر ضرور دیکھتا کہ ایک خوبصورت ، خوبرو، میانہ جسامت، میانہ قامت، گندمی رنگ، متناسب الاعضاء، شیریں گفتار، دھیمی رفتار، صاف ستھرے، اُجلے نکھرے نوجوان اُستاذ ہیں۔ جن کی آنکھوں میں بلا کی چمک ہے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ہے وہی طلبہ کیلئے مرکز عقیدت ومحبت ہیں جوں ہی طلبہ کی ان پر نگاہ پڑتی ہے وہ پروانوں کی طرح ان کے اردگرد جمع ہوجاتے ہیں وہ بھی حسب عادت اپنی روایتی مسکراہٹ خندہ پیشانی اور شفقت ومحبت کے ساتھ ان کو اپنے سینہ کے ساتھ لگاتے ہیں نمازوں کے اوقات میں ہمیشہ یہ نوجوان استاذ صف اول میں نظر آتے ہیں مسجد میں سب سے پہلے آتے ہیں اور سب کے بعد جاتے ہیں ان میں اُستاذ کی عظمت شان بھی ہے اور ان میں ایک مخلص دوست جیسی باوقار بے تکلفی بھی ہے۔ وہ علم وعمل اور تعلیم وتربیت کے اعتبار سے استاذ ہیں تو بے تکلفی اور ہمدردی کے حوالے سے طلبہ کے دوست بھی ہیں اس لئے اُن کی مجلس میں دونوں

رنگوں کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں جب وہ استاذ ہونے کی حیثیت سے مجلس میں گفتگوفرماتے ہیں تو سب اہل مجلس باگوش وہوش ہمہ تن متوجہ ہوکر ایک ایک لفظ کو سننے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اور جب دوستانہ بے تکلفی کا رنگ غالب آتا ہے تو حسب موقع عجیب اشعار، لطیفے، مزاح چلتے ہیں کبھی استاذ کی طرف سے اور کبھی طلبہ کی طرف سے اگرچہ اس نوجوان استاذ کے پاس میرا سبق تو نہ تھا لیکن اندر ہی اندر ان کے ساتھ ایک عقیدت ومحبت کا تعلق جڑ گیا اس لئے میں بھی کبھی کبھار اُنکی درسگاہ کے باہر کھڑے ہوکر انکی باتوں کا مزہ لیتا اور جب کوئی خوش طبعی کی بات سناتے اور طلبہ ہنستے تو مجھے بھی بے اختیار ہنسی آجاتی لیکن فوراً دوڑ جاتا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں وہی طلبہ کے محبوب نوجوان اُستاذ ہیں آج دنیا اُن کو شیخ الحدیث اور حکیم العصر کے لقب سے یاد کرتی اور پہچانتی ہے جب دارالعلوم کبیر والہ میں میری تعلیم کا دوسرا سال شروع ہوا تو ہماری جماعت کی خوش نصیبی کہ ہمیں دوسبق حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کے پاس پڑھنے کی سعادت نصیب ہوگئی{ا} ''نورالایضاح''و''قدوری'' {۲} ''ایساغوجی''و''مرقات'' وغیرہ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ تعلق بڑھتا گیا حضرت کے ساتھ قلبی تعلق تو پہلے ہی جڑ چکا تھا جو اِن اسباق کی برکت سے مزید مستحکم ہو گیا۔لیکن حضرت والا کے ساتھ مزید قریبی تعلق کیسے پیدا ہوا؟ اور حضرت والا کی خدمت کی سعادت کیسے نصیب ہوئی اس کے پس منظر میں چند واقعات ہیں۔

ا۔ دارالعلوم کبیر والہ میں اساتذہ کی رہائش گاہوں میں پانی کا کوئی معقول انتظام نہ تھا بعض مکانوں میں نلکے لگے ہوئے تھے جبکہ بعض میں یہ سہولت بھی نہ تھی حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کے مکان پر ابھی تک نلکا نہ لگا تھا ایک طالب علم مولوی غلام محمد پانی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے خدمت پر مامور تھے،اِسی طرح مکانوں کے آگے پانی کی نکاسی کا انتظام بھی نہ تھا ہر مکان کے آگے گڑھے کھودے ہوئے تھے اسمیں استعمال شدہ پانی جمع ہوتا لیکن اس جمع شدہ پانی کے نکالنے کا بھی کوئی خاص

انتظام نہ تھا جس کی وجہ سے وہ متعفن گڑھے مچھروں کا مرکز تھے۔ اِسی طرح میں کبھی کبھی مولوی غلام محمد کا معاون بن کر پانی بھرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا، ایک دن دل میں یہ بات آئی کہ پانی تو غلام محمد صاحب بھرتے ہیں اگر میں گڑھے روزانہ صاف کر دیا کروں تو کتنا ثواب ہوگا اور اساتذہ کی کتنی دعائیں نصیب ہونگی۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا گھڑا خریدا اور یہ خدمت سرانجام دینا شروع کردی، مؤذن سے کہہ رکھا تھا کہ آپ اَذان سے پہلے مجھے جگا دیا کریں اللہ اس کا بھلا کرے وہ روزانہ مجھے جگا دیتا اور میں تقریباً پانچ چھ گڑھوں کا پانی نکال دیتا کئی دن گزر گئے اساتذہ کرام صبح دیکھتے کہ گڑھے صاف ہیں، لیکن یہ پتا نہ چل سکا کہ صاف کون کرتا ہے چنانچہ ایک روز جب میں گڑھے صاف کرنے والی اپنی خاص وردی پہن کر ڈیوٹی ادا کرتا ہوا حضرت حکیم العصر کے مکان پر پہنچا اور گڑھے سے پانی نکال ہی رہا تھا کہ اچانک اپنے سر پر ایک شفقت ومحبت والا ہاتھ محسوس کیا، دیکھا تو وہ حضرت حکیم العصر کا مشفقانہ ہاتھ تھا۔ حضرت نے بہت پیار کیا، دعائیں دیں۔ حضرت نے یہ دست شفقت کیا رکھا بس ہمیشہ کیلئے مجھے اپنا گرویدہ غلام بنا لیا۔ اس کے بعد پھر مجھے یہ خدمت نصیب ہوئی کہ اسباق کے اختتام پر حضرت والا کی کتب اور تپائی گھر تک پہنچانے کیلئے حضرت کے ساتھ جاتا۔

۲۔ میرے پھوپھا حضرت مولانا حکیم عبدالحق صاحب قاسمی جو قاسم العلوم ملتان میں حضرت والا کے ساتھ دو سال ہم سبق رہے ہیں اور دونوں حضرات کے درمیان بہت الفت ومحبت کا تعلق تھا ایک دن حضرت نے ان کے متعلق مجھ سے پوچھا کیونکہ ان دنوں میرے والدین کی رہائش بھی اسی کچا کھوہ کے علاقہ میں تھی اور مولانا عبدالحق بھی اسی علاقہ میں رہتے تھے جب میں نے بتایا کہ وہ میرے پھوپھا ہیں تو اس کے بعد حضرت والا کی مزید نظر شفقت ہوئی کچھ دنوں کے بعد گھر کے برتن دھونے کی خدمت بھی میرے سپرد ہوئی پھر چائے پکانے اور پلانے کی سعادت بھی نصیب ہوگئی۔

۳۔ میرے والد صاحب مرحوم حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ مرید

ہونے کی وجہ سے احراری مزاج تھے ، توکل و استغناء اور بہادری احرار کے مزاج میں ہے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ غریب ، غیرت منداور بہادر انسان تھے موروثی طور پر اس کا کچھ حصہ مجھے بھی ملا، اِس وجہ سے بھی شفقت نصیب ہوتی۔

۴۔ اس وقت طلبہ کو آزادی ہوتی تھی کہ جو اسباق چاہیں جتنے چاہیں شروع کرلیں باقاعدہ جماعت وار نصاب طے نہ تھا۔ اس لئے حضرت حکیم العصر نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اگر تو قدوری کے ساتھ ساتھ اصول الشاشی بھی پڑھ لے تو اگلے سال کنز کے ساتھ نور الانوار پڑھ سکے گا۔ میں نے کہا حضرت ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے جماعت سے علیحدہ مجھے اصول الشاشی پڑھادی جس کی وجہ سے میرے لیے اگلے سال نورالانوار کا سبق تجویز ہوگیا۔

۵۔ میں اپنے گھر کی مالی حالت سمجھتا تھا۔ اسی لیے میں اپنے والدین سے خرچہ کے مطالبہ کی بجائے اسی کو غنیمت سمجھتا تھا کہ والدین نے مجھے پڑھنے کیلئے فارغ کردیا ہے تاہم والدہ مرحومہ اپنی طرف سے جو کچھ ہوسکتا مدد دینے میں کمی نہ کرتی تھیں۔ ایک دفعہ والدہ مرحومہ نے مجھے پلاسٹک والی چپل لے کردی جس کو میں نے تین سال تک چلایا دو سال تو ٹھیک چلی اس کے بعد ٹوٹنا شروع ہوگئی تو میں جمعہ کو سوئی دھاگا لے کر باہر چلا جاتا اور اس کو ٹانکے لگا کر مرمت کر کے واپس آجاتا۔ ہفتہ گزر جاتا۔ جب دوسرا جمعہ آتا تو پھر اس کی دیکھ بھال کرلیتا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے دوسروں کے سامنے رونے دھونے کا یا قرض لے کر مانگ تانگ کر شو،شا بنانے کا مزاج نہیں بنایا۔ حضرت حکیم العصر بھی حالات پر نگاہ رکھتے تھے حضرت کو اندازہ ہوگیا تو حضرت نے مجھے پیسے دیئے اور فرمایا بازار جاکر اپنے پسند کی چپل لے لے۔

٦۔ قدوری والے سال کی بات ہے یعنی ۱۹٦۱ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہے حضرت الاستاذ زید مجدہ کی شفقت کہ وہ مجھے جنازہ کیلئے ساتھ لے گئے اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا آخری دیدار نصیب ہوا۔

۷۔ کنز والے سال کی بات ہے یعنی حضرت کے ساتھ وابستگی کے دوسرے سال کی بات ہے کہ مجھے سخت بخار ہوگیا۔ کئی دفعہ حضرت کمرہ میں پوچھنے کیلئے آتے رہے اور چار

پانچ دن تک صبح وشام دلیہ پکوا کر بھیجتے رہے اور ایسے غریب ونادار طلبہ کے ساتھ اعانت کا یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تھا جو تاحال قائم ہے اور جب خالہ جی گھر نہ ہوتیں تو پھر حضرت کے پاس گھر میں ہی رہنا سہنا، کھانا پینا ہوتا۔ یہ تعلق الحمد اللہ اتنا مضبوط ہو گیا اور حضرت کے پاس اس کثرت سے آتا جاتا رہتا کہ اکثر طلبہ سمجھتے کہ یہ حضرت کا اپنا کوئی عزیز ہے۔ میں نے بھی غلبہ محبت اور بے سمجھی سے اپنے آپ کو منیر احمد بن عبد المجید لکھنا شروع کر دیا جب آپ کو پتا چلا تو اس سے منع فرمادیا۔

بہر حال جوں جوں وقت گزرتا گیا توں توں یہ تعلق وقرب بڑھتا چلا گیا۔ اس تعلق کو تقریباً ۴۴ سال ہو چکے ہیں اس طویل عرصہ میں حضرت حکیم العصر زید مجدہ کے علم وعمل، تعلیم وتربیت، تقریر وتحریر، تدریس اور افراد سازی اکابر دیوبند کے ساتھ علمی وروحانی نسبت، ذکر وفکر۔ اخلاق وعادات، عبادات ومعاملات، شجاعت وشرافت، تواضع ومسکنت، توکل واستغناء، جود وسخا، حق گوئی وبے باکی، استقامت وپختگی، شفقت ومحبت، طنز ومزاح لطافت وظرافت، معاملہ فہمی، غرضیکہ ہر پہلو سے میں نے حضرت موصوف کو قریب سے قریب تر ہو کر بغور دیکھا ہے اور ان میں سے ہر شعبہ سے متعلق حضرت والا کے اصول اور آپ کے کمالات کا وسیع ذخیرہ موجود ہے لیکن سال کا اختتام ہے اسباق کی مصروفیت آڑے ہے اس لیے چند متفرق معروضات پیش خدمت ہیں۔

علم وحلم:

چھبیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دی تو فرمایا و بشر وہ بغلام علیم، اور تیئسویں پارے میں ہے **فبشر ناہ بغلام حلیم** اشارہ ہے کہ اس بیٹے میں دو صفتیں نمایاں ہونگی علم وحلم۔ ایک عالم کیلئے ضروری ہے کہ وہ علم وحلم کی دونوں صفتوں کے ساتھ متصف ہو۔ علم ذخیرہ معلومات کا نام نہیں بلکہ علمی مشکلات اور پیچیدگیوں کے حل کرنے کی قوت وصلاحیت اور استعداد کا نام ہے۔ البتہ معلومات اس علمی قوت اور اس میں نکھار پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں اور حلم ایک ایسی باطنی قوت کا نام ہے جو آدمی کو بے موقع و

بے محل جوش و جذبات کی رو میں بہنے اور متقضائے علم کے خلاف عمل کرنے سے باز رکھتی ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت حکیم العصر زید مجدہ کو ان دونوں لازم و ملزوم نعمتوں سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ ہر صفت کے کھلنے اور نمایاں ہونے کا ایک میدان ہوتا ہے۔

حضرت حکیم العصر زید مجدہ کا دارالعلوم کبیر والا کا پندرہ سالہ دور تدریس بڑے عجیب حالات پر مشتمل ہے حضرت والا نے اپنی ذاتی محنت سے دارالعلوم کی مالی اعانت کیلئے کراچی میں ایک ماحول ساز گار کیا۔ آپ کے ذریعے کراچی سے وقیع امداد ہوتی۔ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ دارالعلوم میں صبح کی نماز کے بعد سارا سال ترجمہ قرآن کا سبق ہو اور سال میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ وتفسیر پڑھائی جائے متعدد اساتذہ نے تجربہ کیا لیکن پارہ دو پارے سے آگے نہ جا سکے بالآخر حضرت حکیم العصر نے نماز صبح کے بعد ترجمہ و قرآن کا سبق شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے کامیاب کیا پھر جب تک آپ دارالعلوم میں رہے بڑی شان و شوکت اور کامیابی کے ساتھ یہ سبق چلتا رہا آپ نے معمول بنالیا تھا کہ صبح کی اذان ہوتے ہی طلبہ کو جگانا شروع کر دیتے ایک ایک کمرے میں جا کر جگاتے ۔اس میں دو فائدے مطلوب تھے طلبہ نماز باجماعت پڑھیں اور نماز کے بعد ترجمہ کے سبق میں شریک ہو جائیں۔ صدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ طرف سے تعاون یہ تھا آپ نے اساتذہ کو پابند کر دیا کہ سوائے دورہ حدیث کے اور کسی جماعت کا ترجمہ کے وقت میں سبق نہ ہو۔

حضرت حکیم العصر اسباق کے دوران خصوصاً ترجمہ قرآن کے سبق میں عقائد علماء دیوبند پر کھل کر گفتگو فرماتے اور بہت مدلل اور مؤثر طریقے سے مسلک دیوبند سمجھاتے۔ جس کے نتیجے میں دارالعلوم کبیر والا تعلیمی ماحول کے علاوہ مسلک دیوبند میں شعور اور پختگی پیدا کرنے کے اعتبار سے پورے ملک میں متعارف ہوا۔ اسی طرح اکابر دیوبند کا تعارف، ان پر اعتماد، ان کے ساتھ عقیدت ومحبت پیدا کرنا یہ بھی آپ کے درس کا حصہ ہوتا تھا پورے مدرسہ میں کوئی استاذ بھی سیر وافی الارض کا ذوق رکھنے والا نہ تھا

لیکن حضرت حکیم العصر کا سال کے دوران بھی اسفار کا سلسلہ جاری رہتا اور سال کے اختتام پر آپ اپنے طلبہ کے قافلہ کے ساتھ اہم مقامات کی طرف سفر کرتے اور جہاں جاتے دارالعلوم کبیر والا کا تعارف اور اُس کیلئے فضا بنانا آپ کی طبیعت کا لازمہ تھا۔ اس سے بھی دارالعلوم کی شہرت کو چار چاند لگے۔

آپ کبیر والا شہر کی نور مسجد میں 14 سال تک بلامعاوضہ خطبہ جمعہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے جس کی وجہ سے کبیر والا کے شہری حضرات کا تعلق آپ کے ساتھ جڑا اور آپ کے واسطہ سے دارالعلوم کے ساتھ جڑے۔ آپ نے اپنی خطابت سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کا فائدہ بھی دارالعلوم کو پہنچایا۔

تدریسی اور علمی قابلیت کے علاوہ یہ تمام امور ایسے تھے جنکی وجہ سے حضرت مولانا عبدالخالق صاحب کے دن بدن منظور نظر بنتے چلے گئے جبکہ کچھ حضرات کی نگاہ میں کھٹکنے لگے بلکہ کانٹے کی طرح چبھنے لگے۔ آپ کے خلاف طلبہ کو اکسایا جاتا۔ آپ کے ساتھ تعلق رکھنے والے طلبہ کو ستایا جاتا لیکن میں حیران ہوتا تھا کہ یہ ہمارے نوجوان استاذ کتنے حلیم الطبع اور کتنے کوہ استقامت ہیں کہ نہ کبھی جواب دیتے ہیں نہ طلبہ کو اکساتے ہیں نہ کبھی طیش میں آتے ہیں نہ وقار و متانت میں فرق آتا ہے بلکہ اپنے متعلقین طلبہ کو ان حضرات کا ادب کرنے اور نظم مدرسہ میں تعاون کرنے کا درس دیتے ہیں اور اگر کوئی طالب ان حضرات کے بارے میں خلاف ادب کوئی لفظ بولتا تو حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے وہ زجر و توبیخ کرتے کہ وہ دوبارہ کبھی جسارت نہ کرتا۔

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں علمی و انتظامی صلاحیتوں کا اندازہ لگا چکے تھے دارالعلوم کی ترقی کے بارے میں آپ کے جذبات بھی پڑھ چکے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کی علمی کوششیں اور کاوشیں بھی ان کے سامنے تھیں۔ اس لیے انہوں نے ایک موقع پر شوریٰ کا اجلاس بلایا اور حضرت حکیم العصر کو شوریٰ میں بلا کر حضرت والا کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ مولانا عبدالمجید ہیں ان میں انتظام سنبھالنے کی پوری پوری صلاحیت ہے آپ لوگ ان کے ساتھ بات کرلیں۔ جب شوریٰ والوں نے آپ کو

اہتمام کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا کہ میرا چھوٹا سا گھر ہے اس کا پورا نظم نہیں کر سکتا۔ ہم یہاں میاں بیوی دو ہیں ہر روز صبح کو ہانڈی کے پیچھے لڑتے ہیں جب اپنے گھر کی ہانڈی کا نظم بھی صحیح نہیں کر سکتا تو اتنے بڑے ادارے کا نظم کیسے سنبھالوں گا۔ بہرکیف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اپنی کمزوری کا عذر کر کے اپنی علمی زندگی کو محفوظ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبدالخالق صاحب حاجی طفیل کو ساتھ لے کر حضرت کے پاس مکان پر گئے اور فرمایا مولانا! آپ میں انتظام کی صلاحیت ہے آپ اِسے سنبھال لیں ورنہ میں اہتمام منظور (مولانا منظور الحق) کو دے دوں گا پھر آپ ہی روئیں گے۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا حضرت مولانا منظور الحق اس علاقہ میں کافی وقت گزار چکے ہیں اس لئے وہ اہتمام کے لئے زیادہ موزوں ہیں یہ بھی فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں جب قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مہتمم بنانے لگے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی کے پوتے ہیں جتنی اِن کو مدرسہ کے ساتھ خیر خواہی ہوسکتی ہے کسی اور کو نہیں ہوسکتی چنانچہ قاری محمد طیب کو مہتمم بنا دیا گیا۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ مولانا منظور الحق آپ کے بھتیجے ہیں اِس لئے دارالعلوم کے ساتھ جتنی اُن کو ہمدردی ہوسکتی ہے کسی اور کو نہیں۔ رہی بات میرے رونے کی تو مجھے رونے کی عادت نہیں، جب تک نبھے گی نبھاؤں گا جب دیکھوں گا نبھا نہیں ہوسکتا تو چپکے سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ اگر آپ میں حب جاہ ہوتی یا انتقامی جذبہ ہوتا تو آج دارالعلوم کا اہتمام آپ کی مٹھی میں تھا۔ آپ اہتمام سنبھال کر حب جاہ کے جذبات کو تسکین پہنچا سکتے تھے اور اپنے ستانے والوں سے انتقام بھی لے سکتے تھے لیکن علم و حلم کے غلبہ نے آپ کو ان دونوں آفتوں سے محفوظ رکھا۔

علمی رسوخ و کمال کے اسباب:

آپ کے علمی رسوخ میں کئی چیزوں کا دخل ہے تقوی و طہارت، عمیق مطالعہ، نہایت اعلیٰ حافظہ، مطالعہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات اور علمی تحقیقات کو حلقہ

درس اور عمومی مجالس میں بیان کرنا۔ اکثر مدرسین حضرات کے پاس اپنے اساتذہ کی املائی تقریریں ہوتی ہیں وہ اکثر و بیشتر ان کی مدد سے تدریسی فرائض سرانجام دیتے ہیں اور ان پر ہی اکتفاء کرتے ہیں لیکن میں نے حضرت حکیم العصر کو دیکھا ان کے پاس ایسی املائی تقریریں نہ تھیں وہ اصل کتابوں کا مطالعہ کر کے بڑے اعتماد و وثوق کے ساتھ اسباق پڑھاتے آپ گرمیوں، سردیوں میں تہجد کے وقت جاگ جاتے پہلے تہجد ادا کرتے پھر صبح کی نماز تک تقریباً دو گھنٹے لگا تار مطالعہ کرتے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب وہ ۳۰،۳۵ سال کے جواں سال عالم تھے۔ آپ شروع ہی سے اپنی ذاتی تحقیقات اور اپنی آراء بکھیرنے کی بجائے اکابرین کی کتب کا مطالعہ کر کے اکابرین کی تحقیقات کو پورے حوالے کے ساتھ عام فہم انداز میں بیان کرنے اور عام مثالوں کے ذریعے سمجھانے کا ذوق رکھتے ہیں۔ آپ میں سلامتی فہم اور اکابر کے ساتھ علم و فہم میں توافق اس میں آپ کی اپنی خاص دعاؤں کا اثر اور دخل ہے ذیل میں ایک دعا اور خواب ملاحظہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب مدینہ طیبہ جاتا تو مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے منبر کے سامنے بیٹھ کر عرض کرتا تھا کہ یا اللہ اس منبر سے جس علم کی اور دین کی اشاعت ہوئی ہے وہ دین صحیح صحیح مجھے عطا فرما میں کثرت سے یہی دعا کیا کرتا تھا نیز فرمایا کہ میرے پاس شمائل کا ایک نسخہ بغیر ترجمے کے موجود ہے وہ میں ساتھ رکھتا تھا اور کثرت سے اس کی تلاوت کرتا تھا اس حج کے موقع پر مزدلفہ میں صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری قمیص پاؤں تک لمبی ہے اور میں اپنے دوستوں کو کہہ رہا ہوں کہ مجھے لمبی قمیص پہننے کی پہلے سے عادت ہے جب خواب سے بیدار ہوا تو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میری دعا کا جواب مجھے مل گیا ہے اور مجھے وہ حدیث یاد آگئی جس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خواب دیکھا کہ کچھ صحابہ کرام کی قمیص گھٹنوں سے اوپر تک ہے اور کچھ کی گھٹنوں تک اور عمرؓ کی قمیص پاؤں تک لمبی ہے تو حضور ﷺ نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ عمر کو سب سے زیادہ علم نصیب ہوگا تو اس وقت میرا یقین بالکل پختہ ہوگیا کہ میرے اکابر

سے جو علم مجھے ملا ہے وہ بالکل صحیح ہے اب میں اس سے نہ ادھر ہوں گا نہ ادھر۔ یہی وجہ ہے کہ اب میں (اللہ کا شکر ہے) اپنے بزرگوں سے حاصل کردہ دین کے خلاف کسی عالم یا کسی پیر کی بات کو برداشت نہیں کرتا اور ایسے موقع پر میں چپ نہیں رہ سکتا فوراً بول پڑتا ہوں۔

علمی جواہر پارے:

۱۔ ایک دن عصر کے بعد مجلس میں کسی طالب نے کہا آج کل گرمی بہت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت والا نے فرمایا حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی دنیا کو جہنم بنا دیں گے۔ پھر اس کی وضاحت میں فرمایا کہ دیکھو یہ مشینی دور ہے جتنی مشینیں زیادہ چل رہی ہیں اتنی آگ زیادہ جل رہی ہے اسی لئے دن بدن حرارت بھی بڑھتی جا رہی ہے اور جب یہ حرارت انتہاء کو پہنچے گی تو یہی دنیا جہنم بن جائے گی۔

۲۔ ایک دن فرمانے لگے اب جتنی ٹیکنالوجی ترقی کر چکی ہے اور کفار جس قدر وسائل پر قابض ہو چکے ہیں وسائل کے ذریعے ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ ان کا مقابلہ اگر ہو سکتا ہے تو روحانی طاقت کے ذریعے۔ عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو وہ بھی روحانی طاقت سے مقابلہ کریں گے وہ پھونک ماریں گے جہاں تک ان کی پھونک کا اثر جائے گا وہاں تک کافر مر جائیں گے اور پھونک کا اثر کہاں تک جائے گا؟ جہاں تک نظر جائے گی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کا مقابلہ مادی طاقت اور مادی وسائل کے ذریعے نہیں کریں گے بلکہ روحانی طاقت سے کریں گے حدیث میں ہے **فلایحل لکافر یجدریح نفسه الا مات و نفسه ینتهی حیث ینتهی طرفه**، جس کافر تک عیسیٰؑ کے سانس کا اثر پہنچے گا وہ مر جائیگا اور سانس کا اثر وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے گی۔

۳۔ **وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اب موجودہ ٹیکنالوجی، سائنسی ترقی نے لمح البصر کو سمجھنا بہت آسان کر دیا ہے اس وقت پوری دنیا کی آمد و رفت کا ذریعہ پٹرول ہے اسی کے ذریعے موٹر سائیکل سے جہاز تک چلتے ہیں، اگر

پٹرول کے کنوؤں کو آگ لگ جائے تو پوری دنیا کی آمدورفت ختم ہو جائے گی موٹر سائیکل تک کھڑا ہو جائے گا باقی رہا گیس یہ تو پٹرول کی پیداوار ہے پٹرول سے ہی بخار اٹھتا ہے یہ گیس کہلاتا ہے جب پٹرول ختم ہوا تو گیس بھی ختم ہو جائے گی۔ اور پوری دنیا کے رابطے کا ذریعہ سٹیلائٹ سیارہ ہے اس کو تباہ کر دیا جائے تو پوری دنیا کا رابطہ منقطع ہو جائے گا ایک سیکنڈ میں یہ دونوں کام مشکل نہیں ایک سیکنڈ کی بات ہے پوری دنیا میں قیامت برپا ہو جائے گی یہ ہے **کلمح البصر** ......

۴۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: میں مولوی عبیداللہ کے ساتھ مسجد نبوی میں افطار کے وقت بیٹھا تھا۔ مولوی عبیداللہ کا ایک عربی دوست بھی ساتھ آ گیا۔ مولوی عبیداللہ نے میرا تعارف کروایا کہ پاکستان کے ایک بڑے مدرسے کے شیخ الحدیث ہیں وغیرہ وغیرہ جب عربی نے تعارف میں سنا کہ یہ عالم ہیں تو کہنے لگا "**أ أنت تقرأ فاتحة الكتاب خلف الا مام**" (کیا تو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتا ہے) میں نے کہا "**لا**" (نہیں) وہ کہنے لگا "**لا وقد قال رسول اللهﷺ لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب**" (نہیں! حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ہی نہیں؟) میں نے کہا "**و انت تقرء بها خلف الامام**" (اور آپ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں؟) اُس نے کہا "**نعم**" (جی ہاں) میں نے کہا "**نعم وقد قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة**" (جی ہاں! حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے) اُس نے کہا "**نحن نقرء بين سكتات الامام**" (ہم امام کے سکتوں کے درمیان قرأت کرتے ہیں، یعنی جب امام ایک آیت فاتحہ پڑھ کر سانس لیتا ہے ہم اس میں وہی آیت پڑھ لیتے ہیں) میں نے کہا "**أقال رسول الله ﷺ اقرء و افاتحة الكتاب خلف الامام بين سكتات الامام**" (کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے امام کے سکتوں کے درمیان پڑھا کرو) اُس نے کہا "**لا**" (نہیں) میں نے کہا "**هذا اجتهاد امامكم وهذا اجتهاد امامنا**

فنحن و انتم سواء'' (یہ تمہارے امام کا اجتہاد ہے اور وہ ہمارے امام کا اجتہاد ہے پس ہم اورتم اس میں برابر ہیں)

۵۔ حدیث شغار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا شغرالکلب کا لغوی معنیٰ ہے کتے کا پیشاب کرنے کیلیئے ٹانگ اُٹھانا۔اورشغار باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور باب مفاعلہ میں مشارکت کا معنی پایا جاتا ہے اوراس کا معنی ہے ایک دوسرے کی ٹانگ اُٹھانا اوراس نکاح شغار کی حقیقت یہ تھی کہ ایک آدمی دوسرے کو اپنی بیٹی دیتا ہے اس شرط پر کہ وہ بھی اس کو اپنی بیٹی دے (یعنی ہر ایک نے اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کو مشروط کیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ بھی اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرے چونکہ اس نکاح میں ''حق مہر'' فرج کے مقابلے میں فرج ہوتی ہے جو کہ مال متقوم نہیں اس لیے یہ ممنوع تھا اوراس کی قباحت و مذمت ظاہر کرنے کیلیئے اس نکاح کو لفظ شغار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ لفظ شغار سے اس کی مذمت معلوم ہوتی ہے ذرا اس کے لغوی معنی پر غور کرو! مگر آج کا جو وٹہ سٹہ ہے وہ شرعاً درست ہے اس لیے کہ اس میں ہر بچی کا مہر علیٰحدہ علیٰحدہ ہوتا ہے لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں اور مفاسد بہت سے ہیں جن کا مشاہدہ ہے مثلاً ایک خاندان کے اجڑنے پر دوسرے کا اجڑنا ایک طرف کی غلطی کا انتقام دوسری طرف سے لیا جاتا ہے بہرحال ایسا نکاح درست ہے۔

۶۔ آج سے چندسال قبل رائیونڈ کے اجتماع کے بعد متصل ہی جامعہ اشرفیہ لاہور میں مجاہدین کی کسی تنظیم کا اجلاس تھا انہوں نے بڑے علماء کو مدعو کیا ہوا تھا اور حضرت حکیم العصر فرماتے ہیں مجھے بھی مدعو کیا ہوا تھا اس اجلاس میں قاضی عبداللطیف کے بڑے بھائی قاضی عبدالکریم صاحب تقریر کررہے تھے انہوں نے دوران تقریر افغانستان کے مجددی خاندان کے ایک بزرگ جن کا نام نورالمشائخ تھا جو صبغتہ اللہ مجددی کے دادا تھے ان کے متعلق فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوچکی ہوتی تو اس شخص میں نبیوں والی صفات تھیں یہ نبی ہوتا۔حضرت والا فرماتے ہیں میں یہ لفظ سنتے ہی فوراً طیش میں آگیا اور اٹھ کھڑا

ہو گیا اور کہا کہ اپنے الفاظ واپس لو یہ کیا کہہ رہے ہو حضور ﷺ کے بعد یہ مرتبہ صرف فاروق اعظم کیلئے ہے اور کسی کیلئے نہیں ہم تو ابو بکر کیلئے بھی یہ بات سننے کیلئے تیار نہیں قاضی عبدالکریم نے کہا حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ تے تھے حضرت والا نے فرمایا حضرت بنوری کو کیا پتہ کہ نبوت کی استعداد کس میں ہے یہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں اس مجلس میں مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان بھی موجود تھے اور انڈیا سے مدرسہ مظاہر العلوم کے مفتی صاحب بھی موجود تھے ان حضرات نے مجھے بعد میں بڑی دعائیں دیں کہ تو نے بڑے موقع پر گرفت کی ہے یہی ہماری تقریری غلطیاں اور زبان وقلم کی بے احتیاطیاں آنے والے وقت میں ہمارے لیے مصیبت بن جاتی ہیں۔

۷۔ حضرت حکیم العصر جب انڈیا کے سفر (جو ۱۴۲۷ھ میں ہوا) سے واپس تشریف لائے تو فرمانے لگے جب ہم بزرگوں (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ) کے مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر واپس آکر بیٹھے تو سارے وفد کے علماء متفکر تھے کہ یہ ہم نے کونسی غلطی کر لی وہاں تو شرک ہو رہا تھا قبروں کی پوجا ہو رہی تھی ہم وہاں کیوں گئے تو مجھے وہاں ان کو ایک گھنٹہ سمجھانا پڑا جس کا خلاصہ یہ ہے میں نے کہا کہ کیا حضور ﷺ کعبہ کا طواف اور مسجد حرام میں کعبہ کے پاس عبادت نہیں کرتے تھے؟ حالانکہ وہاں تین سو ساٹھ بت تھے وہاں صبح شام شرک ہوتا تھا۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے اپنی عبادت نہیں چھوڑی مگر بتوں کو چھیڑا تک نہیں۔ پھر عمرۃ القضاء کرنے گئے تو بت موجود تھے انہیں کچھ نہیں کہا صرف عمرہ کر کے واپس آگئے۔ لیکن جب فتح مکہ کا موقع تھا تو اس وقت تک بیت اللہ میں داخل ہونا گوارا نہ کیا جب تک تمام بتوں کو ختم نہ کر دیا پہلے بتوں سے بیت اللہ و مسجد حرام کو پاک کیا پھر وہاں عبادت کی۔ طواف کیا۔ کیوں؟ وجہ فرق یہ ہے پہلے حضور ﷺ کو قدرت و طاقت حاصل نہ تھی کہ بتوں کو گراتے اس وقت اپنا کام کرتے رہے مگر ان کو چھیڑا تک نہیں۔ جب فتح مکہ والے سال فاتحانہ انداز میں گئے تو

سب سے پہلے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اسی طرح ہمیں ابھی قدرت نہیں ہم مزاروں پر جائیں گے شرک کی وجہ سے جانا نہیں چھوڑیں گے اپنا کام کر کے واپس آ جائیں گے ان کو نہیں چھیڑیں گے ہاں جب قدرت ہوگی تو سب سے پہلے ان مزاروں کو شرک سے پاک کریں گے پھر فاتحہ پڑھیں گے۔

ظرافت و ذہانت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت الشیخ دامت برکاتہم العالیہ کو جیسے نہایت مضبوط حافظہ عطاء کیا ہے اور نقلی دلائل پیش کرنے کی قوت و استعداد عطاء کی ہے ایسے ہی ظرافت و ذہانت بھی بلا کی عطاء کی ہے اس لیے آپ موقع محل کے لحاظ سے عقلی دلائل اور ظریفانہ جوابات دینے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ جب بھٹو صاحب نے قوم کو سوشلزم کی نوید سنائی تو اس وقت حضرت الشیخ دارالعلوم کبیر والا میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے کبیر والا میں ایک ہومیو پیتھی ڈاکٹر محمد صدیق صاحب تھے جو حضرت الشیخ کے مداحین میں سے تھے اور سیاسی طور پر پی پی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سوشلزم کے گن گاتے ایک دن ملاقات میں حضرت نے اس سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک گدھے اور انسان میں کیا فرق ہے؟ گدھا بھی سارا دن کام کرتا ہے اور شام کو پیٹ بھرنے کیلئے اس کو چارا مل جاتا ہے اسی طرح تمہارے نظریے کے مطابق انسان بھی محنت کرتا ہے اور محنت کے عوض اس کو بھی اپنی ضرورتیں مل جاتی ہیں۔ ضرورت سے زائد نہ گدھا کسی چیز کا مالک نہ انسان۔ محنت کر کے دونوں پیٹ پال رہے ہیں وہ بہت پریشان ہوا حضرت نے فرمایا اس بات پر ذرا غور کرنا۔

۲۔ ملتان میں حضرت کے رشتہ داروں میں ایک صاحب باطنی فرقہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے جو سارے دین پر اپنے باطن سے عمل کرتے ہیں۔ ظاہری نماز، روزہ کے قائل ہی نہیں۔ ایک دن ان کے ہاں حضرت نے کھانا کھایا۔ کھانے میں سوجی کا حلوہ بھی پکا ہوا تھا اس نے حلوہ کھایا اور حضرت کو دکھا دکھا کر پلیٹ صاف کی اور حضرت نے حلوہ

کھایا مگر خلاف معمول پلیٹ صاف نہ کی۔ اس نے فوراً اعتراض کیا مولوی صاحب ویسے تو آپ شریعت کے پابند بنتے ہیں پلیٹ صاف ہی نہیں کی۔ حضرت نے فرمایا میں نے اپنے باطن سے پلیٹ صاف کردی ہے اس نے دوبارہ کہا مولوی صاحب پلیٹ صاف کرنی چاہیئے حضرت نے فرمایا میں نے اپنے باطن سے پلیٹ صاف کردی ہے اگر تمہارا باطن نماز پڑھ سکتا ہے نماز کی ساری حرکات کرسکتا ہے تو میرا باطن اتنا کمزور ہے کہ پلیٹ بھی صاف نہیں کرسکتا۔

۳۔ جب ایوب خاں اور مادر ملت فاطمہ جناح کا صدارتی الیکشن ہوا تو ایوب خاں کا نشان پھول تھا اور مادر ملت کا لالٹین۔ کسی نے حضرت الشیخ سے پوچھا مولانا کس کو ووٹ دینے کا ارادہ ہے حضرت نے فرمایا بھائی کیا کریں ایوب خاں کا پھول ٹہنی سے کٹا ہوا ہے وہ جلد مرجھا جائے گا اور مادر ملت کے لالٹین میں تیل نہیں وہ بن تیل جلے گا نہیں۔

۴۔ ایک مولوی صاحب کو رائیونڈ کے اجتماع پر جانے کی دعوت دی گئی چونکہ اس وقت بیت الخلاؤں کا اتنا وسیع نظم نہ تھا اکثر لوگ نشیبی جگہ یا کھیت وغیرہ کی آڑ تلاش کرتے۔ اس لئے نازک طبع مولوی صاحب نے بڑا کرخت جواب دیا پنجابی میں عضو مخصوص کا نام لے کر کہا وہاں جا کر یہ دیکھنے ہیں؟ حضرت الشیخ کے سامنے اس مولوی صاحب کا یہ جواب نقل کیا گیا تو برجستہ فرمایا لکل امری مانوی (ہر آدمی کیلئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی)

۵۔ کمالیہ میں ایک دکاندار تھا جس کو سوال و جواب سے بڑی دلچسپی تھی ایک دن حضرت الشیخ گئے تو وہ بڑا پریشان بیٹھا تھا حضرت والا نے جا کر پوچھا خیر تو ہے؟ پریشان نظر آرہے ہو؟ اس نے کہا آج ایک غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے جس کا جواب بڑا مشکل ہے حضرت والا نے پوچھا کیا اعتراض ہے اس نے کہا کہ ایک غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے کہ جتنے مزاروں پر شرک ہو رہا ہے وہ بزرگ سارے حنفی تھے اہلحدیث کی قبر پر کبھی شرک نہیں دیکھا گیا معلوم ہوتا ہے کہ حنفی حق پر نہیں ہیں اہلحدیث حق پر ہیں تو حضرت والا نے کہا یہ حنفیوں کے حق ہونے کی دلیل ہے اس نے پوچھا وہ کیسے؟ حضرت

والا نے کہا حضور نے مرض الوفات میں فرمایا تھا میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا۔ اللہ یہود و نصاری پر لعنت کرے انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی قبروں پر بھی شرک ہوتا رہا ہے تو کیا وہ بھی حق پر نہیں تھے۔ یقیناً وہ حق پر تھے اس کے باوجود ان کی قبروں پر شرک ہوتا رہا تو انبیاء کے وارث حنفی ہوئے نہ کہ غیر مقلد لہذا حنفی حق پر ہیں۔

تصوف وسلوک:

حضرت والا کا طالب علمی میں نیکی وتقوی کی وجہ سے صوفیوں میں شمار ہوتا تھا ایک مرتبہ حضرت نے خود یہ واقعہ سنایا کہ دورہ حدیث والے سال حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سبق میں محبت الٰہیہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صوفیاء کرام کے سینہ میں (محبت الٰہیہ) کی اتنی حرارت ہوتی ہے کہ اس پر گھی کا ٹین گرم ہوسکتا ہے، اُستاذ محترم نے فرمایا کہ حضرت مولانا ضیاء القاسمی رحمہ اللہ اور میں اکٹھے بیٹھتے تھے ضیاء القاسمی مرحوم نے استاذ محترم کے سینہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا میں تو اپنا اسٹوپ بیچتا ہوں اور چائے اس کے سینہ پر پکایا کروں گا۔ اس کے باوجود حضرت والا نے اپنا روحانی تعلق حضرت اقدس حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ساتھ قائم کیا حضرت رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبدالعزیز سرگودھوی جانشین حضرت رائے پوری کے ساتھ روحانی نسبت قائم ہوئی جو حضرت کی زندگی کے اخیر تک قائم رہی۔ آپ کو اپنے شیخ سرگودھوی کے ساتھ کتنی محبت ومناسبت تھی اور حضرت شیخ کو بھی کس قدر آپ پر توجہ' شفقت اور اعتماد تھا اس کا کچھ اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن لوگوں نے حضرت الاستاذ کو حضرت الشیخ کی مجالس میں دیکھا ہے حضرت الاستاذ حضرت الشیخ کے ہاں اکثر تو خود تشریف لے جاتے اور اگر کبھی جانے میں دیر ہوجاتی تو حضرت پیغام بھیج کر بلا لیتے اور مجلس میں اکثر حضرت الشیخ' حضرت الاستاذ کو بلا کر اپنے قریب بٹھاتے اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ کبھی اپنے ہاتھ سے لقمہ کھلاتے۔ باہمی اعتماد کا یہ عالم تھا کہ

خانقاہی امور کے علاوہ بعض دفعہ اپنے ذاتی امور میں حضرت الاستاذ سے مشورہ لیتے۔ حضرت الشیخ کو حضرت الاستاذ کے علم وتقوی پر بہت زیادہ اعتماد تھا شیخ و مرید کی باہمی مناسبت، الفت و محبت پورے حلقہ میں مشہور تھی اور بعض نے تو جانشینی کیلئے قیاس آرائیاں شروع کر دیں۔ حضرت بھی چاہتے تھے کہ حضرت الاستاذ علمی مشاغل کم کر کے سلوک کی لائن کو اختیار کر لیں لیکن حضرت الاستاذ پر علمی نسبت اتنی غالب تھی کہ وہ اپنے آپ کو تصوف وسلوک کے مشاغل کیلئے فارغ نہ کر سکے۔ اگرچہ حضرت الاستاذ کا بیعت کا تعلق تو حضرت سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا لیکن ادب و محبت کا تعلق سب مشائخ کے ساتھ رہا ہے اس لیے وقت کے سب اکابرین کی دعائیں اور توجہات آپ کے ساتھ رہی ہیں اور اب تک یہ صورت حال قائم ہے اس لئے اگر آپ کو محبوب العارفین کہا جائے تو بجا ہے حضرت الشیخ سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کا روحانی تعلق سید السادات حضرت مولانا السید نفیس الحسینی خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ساتھ قائم ہوا جو تا حال قائم ہے اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے حضرت شاہ صاحب زید مجدہ کو بھی آپ کے علم و تقوی علمی و روحانی نسبت کی پختگی پر پورا پورا اعتماد ہے اسی روحانی نسبت کی پختگی کا ثمرہ ہے کہ ۱۴۰۳ھ میں حضرت مولانا جمیل احمد میواتی خلیفہ مجاز حضرت رائپوری کی طرف سے مسجد نبوی میں اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مسجد حرام میں خلافت کی نعمت نصیب ہوئی۔

خلافت کیا ہے؟ بزرگوں کی طرف سے روحانی نسبت کے کامل و پختہ ہونے پر شہادت ہے اور اس پر اعتماد کا اظہار دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ تصوف وسلوک کے راستہ میں فیضیاب ہونے کے بعد اب اس میں فیض رسانی کی قوت پیدا ہو چکی ہے اب یہ کامل بھی ہے اور مکمل بھی۔ حضرت الاستاذ کی کتنی اعلیٰ قسمت، کتنی خوش نصیبی اور اعلیٰ روحانیت اور کمال نسبت کی کتنی واضح دلیل ہے کہ علوم ظاہرہ و باطنہ کے اولین مراکز، تجلیات و انوارات الٰہیہ کے مراجع یعنی مسجد نبوی اور مسجد حرام میں یہ نعمت نصیب ہو رہی ہے۔

میں حضرت الاستاذ کے کمال علم وتقوی اور کمال روحانیت کا تو پہلے سے ہی معترف تھا لیکن حضرت الاستاذ کے بارے میں شیطان نے میرے دل میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کردیئے باوجود کوشش کے وہ دور نہ ہوسکے اپنے دل کو بہت سمجھایا۔ شکوک وشبہات کو توجیہات وتاویلات کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش بھی کی مگر ناکام آپ کے کمالات واحسانات پر دل ودماغ کو لگاتا مگر بے سود۔ کبھی دل میں خیال آتا کہ میں اپنی اس بے یقینی بلکہ پریشانی اور بے چینی کا حضرت الاستاذ کے سامنے کھل کر اظہار کروں لیکن اس سوچ کے راستے میں بھی دوسرے وساوس اور شبہات حائل ہوجاتے اور چونکہ میرے علمی، روحانی دونوں تعلق حضرت سے وابستہ ہیں یہ سوچ کر میں اور بھی پریشان ہوتا۔ رو رو کر اللہ تعالی سے دعائیں بھی کرتا رہا۔ آخر ایک دن دل میں یہ بات آئی کہ میں کچھ دن حضرت کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا التزام کروں الحمد للہ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ بس دو چار نمازیں حضرت کے ساتھ کھڑے ہوکر پڑھیں تو ازخود سارے وساوس اور شبہات دور ہوگئے اور نماز میں ایک خاص لذت محسوس ہونے لگی اور دل بھی الحمد اللہ ذکر وفکر کی طرف مائل ہوگیا۔

روحانی ترقی کے اسباب:

میں سوچتا ہوں کہ جب ہم حضرت سرگودھوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت الاستاذ باقی ذاکرین کی طرح ذکر وشغل کی کوئی خاص محنت نہ کرتے۔ نہ ہی میں نے دارالعلوم اور باب العلوم میں حضرت الاستاذ کو صوفیاء کرام کے مروجہ ذکر وشغل کے طریقہ کے مطابق محنت کرتے دیکھا اور ذکر وشغل ہی روحانیت کے اوج کمال تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ پھر آپ کو شہادت الحرمین کی مصدقہ روحانی نسبت کیسے حاصل ہوئی؟ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ

داد او را محنت شرط نیست
بلکہ محنت راداد او شرط است

تاہم اسباب کے درجہ میں چوالیس سال کے عرصہ میں جو کچھ میں نے دیکھا اس کا مختصر

تذکرہ یہ ہے:

۱۔ تہجد و نوافل کی پابندی۔

۲۔ سفر و حضر میں ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ پر دوام اور بے توجہی کے ساتھ صرف زبان سے تلفظ کرنا نہیں بلکہ ادعیہ ماثورہ کے ایک ایک لفظ کو صحیح طور پر محبت کے ساتھ زبان سے ادا کرنا اور اس کے معنی پر تدبر کرنا ایک دن میں مسجد میں مغرب کی نماز کیلئے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا آپ بھی مسجد میں تشریف لارہے ہیں اور کچھ پڑھتے ہوئے آرہے ہیں میں مسجد کے دروازہ میں کھڑا ہوگیا جب آپ دروازہ میں پہنچے تو اندازہ ہوا کہ آپ سید الاستغفار پڑھ رہے ہیں۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا مولوی منیر! اور تو مجھ سے کچھ ہوتا نہیں بس صبح و شام اللہ کے سامنے تجدید عہد کر لیتا ہوں پھر آپ نے سید الاستغفار اس انداز سے پڑھا کہ ایک ایک جملہ کو جما جما کر پڑھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ صرف الفاظ ہی زبان سے ادا نہیں کرتے بلکہ ان کے معانی کو بھی دل میں اتارتے اور راسخ کرتے ہیں آپ نے سید الاستغفار کے الفاظ اتنے ٹھہراؤ' جماؤ اور توجہ کے ساتھ پڑھے کہ میرے اوپر بھی رقت طاری ہوگئی اور قلبی کیفیت بھی کچھ سے کچھ بن گئی اگر آدمی ان ادعیہ ماثورہ کو پورے غور و فکر اور تدبر کے ساتھ پڑھے اور ان پر دوام اختیار کرے تو روحانی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

۳۔ خاص خاص قرآنی آیات' سورتوں کا ورد اور ان پر دوام

۴۔ الحزب الاعظم اور دلائل الخیرات پر دوام

۵۔ مجھے یاد پڑتا ہے دارالعلوم کبیر والا کے دور کی بات ہے حضرت استاذ محترم نے فرمایا کہ ہمارے حضرت سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ کچھ وظائف بتائے تھے جن کو میں پابندی کے ساتھ عید قربانی تک پڑھتا رہا ہوں اگر صحت مند آدمی ہو تو صحت کے مزید استحکام کیلئے چند خوراکیں بھی کفایت کر جاتی ہیں غالباً یہاں یہی صورت ہے۔

۶۔ اکابرین دیوبند کا کثرت کے ساتھ مطالعہ اور کثرت کے ساتھ ان کے احوال کا تذکرہ

اور ان کے ساتھ بے حد عقیدت و محبت کا اظہار کرتے خاص طور پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اور فرماتے ہیں کہ اصل میں دیوبندی نسبت گنگوہی نسبت کا دوسرا نام ہے کیونکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وفات ۱۲۹۷ھ میں ہے اور حضرت گنگوہی کی ۱۳۲۳ھ میں ہے حضرت نانوتوی کے بعد چھبیس سال حیات رہے اور مسلک دیوبند کا مدار بن گئے۔ حضرت تھانوی، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا حسین مدنی، حضرت سید انور شاہ وغیرہ تقریباً سب بڑے بڑے حضرات، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ متعلق ہو گئے۔

مسئلہ وحدت الوجود:

دار العلوم کبیر والہ کے زمانہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب بھی آپ سے کسی نے کوئی علمی سوال کیا ہے تو آپ اس کو جچے تلے لفظوں میں اس طرح باحوالہ مدلل جواب دیتے ہیں کہ جیسے اس پر تازہ مطالعہ کر کے آئے ہیں۔ پھر اس مسئلہ کی مناسبت سے اکابر کے واقعات اس بات کو اور بھی آسان کر دیتے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے مشکوۃ شریف اور صحاح ستہ کا اتنا استحضار ہے کہ جب میرے پاس وقت کم ہوتا ہے اور کسی حدیث کی تلاش ضروری ہوتی ہے تو میں حضرت سے رابطہ کرتا ہوں آپ انہی قدموں پر فرماتے ہیں کہ فلاں کتاب کے فلاں باب میں دیکھ لو۔ آپ حافظ نہیں لیکن قرآنی آیات اور مفردات قرآن کا حافظوں سے زیادہ استحضار ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے حضرت کے کثرت مطالعہ اور بے مثال حافظہ کا۔ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ میرے پاس اتحاد اہلسنت کے کئی علماء کے فون آئے کہ آج کل غیر مقلدین نے وحدت الوجود کے مسئلہ کو اٹھایا ہوا ہے لہذا اس کی وضاحت ہونی چاہیئے۔ میں نے اپنے علمی مرکز یعنی حکیم العصر کے ساتھ رابطہ کیا تو حضرت نے اسی وقت وحدت الوجود کے مسئلہ پر بوستان کے باب عشق سے تین مثالیں سنا کر پیچیدہ مسئلہ کو چند منٹوں میں حل کر دیا وہ تین مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

۱۔مگر دیدہ باشی کہ در باغ وراغ
بتابد بشب کر مکے چوں چراغ

۲۔یکے گفتش اے کرمک شب فروز
چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز

۳۔ ببین کاتشیں کرمک خاک زاد
جواب از سراوشنائی چہ داد

۴۔ کہ من روز و شب جز بصحرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

(بوستان۲۱۲)

ترجمہ:

۱۔ شاید تو نے نہیں دیکھا کہ باغ اور سبزہ زار میں
رات کو ایک چھوٹا سا کیڑا چراغ کی طرح چمکتا ہے (جگنو)

۲۔ایک آدمی نے اس سے کہا اے رات کو چمکنے والے کیڑے
تجھے کیا ہے کہ دن کو باہر نہیں آتا

۳۔ تو دیکھ مٹی سے بنے ہوئے اس چمکیلے کیڑے نے
روشن خیالی سے کیا ہی خوب جواب دیا

۴۔ کہ میں تو رات دن جنگل کے سوا نہیں ہوتا
لیکن سورج کے سامنے نظر نہیں آتا

۞

۱۔پسر گفت آخر بزرگ دہی
بسرداری از سربزرگاں مہی

۲۔چہ بودت کہ ببریدی از جاں امید
بلرزیدی از بادشاہ چوں بید

۳۔ بلے گفت سالار و فرماندھم
ولے عزتم ہست تا در دہم

٤۔ بزرگاں ازاں دہشت آلودہ اند
کہ دربار گاہِ ملک بودہ اند

۵۔ تو اے بے خبر ہمچناں در دہی
کہ برخویشتن منصبے می دہی

(بوستان ص ۲۱۱)

ترجمہ:

۱۔ لڑکے نے کہا آخر آپ بھی گاؤں کے نمبر دار ہیں
سرداری میں دوسرے سرداروں سے بڑھ کر ہیں

۲۔ تجھے کیا ہوا کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے
اور ایک بادشاہ سے بید کی طرح لرز رہا ہے

۳۔ اس نے کہا ہاں میں سردار اور حکمران تو ہوں
لیکن میری عزت اس وقت تک ہے جب تک دیہات میں ہوں

٤۔ بڑے لوگ اسی وجہ سے خوف زدہ رہتے ہیں
کہ شاہی دربار میں رسائی حاصل کر چکے ہوتے ہیں

۵۔ اے بے خبر چونکہ تو ابھی گاؤں میں ہی ہے
اس لئے اپنا ایک مرتبہ سمجھتا ہے

۞

کسی نے مجنوں سے کہا آپ آج کل لیلی کے کوچہ میں نہیں آتے کیا وجہ ہے؟ شاید تیرے دل سے لیلی کی محبت نکل چکی ہے اور لیلی کے عشق کی آگ بجھ چکی ہے مجنوں یہ سن کر زار و قطار رویا اور کہا ''تو نیزم نمک بر جراحت مریز'' (تو بھی میرے زخم پر نمک نہ چھڑک) یہ وقتی دوری صبر کی دلیل نہیں کیونکہ بہت سی دوریاں ضروری ہوتی ہیں، اس نے کہا لیلی کے نام کوئی پیغام ہو تو کہہ دے۔ مجنوں کا جواب یہ تھا

بگفتا مبر نام من پیش دوست
کہ حیفست ذکر من آنجا کہ اوست

(بوستان ص ۲۰۶)

اس نے کہا میرا نام دوست کے سامنے نہ لینا
کیونکہ جہاں وہ ہے وہاں میرا ذکر بھی بے ادبی ہے

حضرت نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے جگنو سورج کے سامنے کالعدم ہے۔ بادشاہ کے سامنے نمبردار کی نمبرداری ختم ہے۔ بقول مجنوں جس مقام پر لیلی ہے وہاں میرا ذکر بے ادبی ہے اسی طرح اہل اللہ تعالیٰ کے بحر محبت میں اتنے مستغرق ہوجاتے ہیں اور ان پر عظمت و محبت الہیہ اتنی غالب آجاتی ہے کہ وہ اپنے آپ سے بے خبر ہوجاتے ہیں بلکہ ساری کائنات ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہے صرف اکیلی ذات الٰہ اور اس کی عظمت و محبت ان کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہوتی ہے بس یہ ہے وحدت الوجود۔

اسی کو شیخ سعدی نے یوں کہا:

۱۔ بصد قش چناں سرنہی برقدم
کہ بینی جہاں باوجودش عدم

۲۔ عجب داری از سالکان طریق
کہ باشند در بحر معنی غریق

۳۔ بسو دائے جاناں زجاں مشتغل
بذکر حبیب از جہاں مشتغل

(بوستان ص ۱۸۶۔۱۸۷)

ترجمہ:

۱۔ تو نے اس کے قدموں میں اتنے خلوص سے سر رکھا ہے
کہ اس کے وجود کے سامنے تجھے جہاں معدوم نظر آتا ہے

۲۔ سالکان طریقت پر تجھے کیوں تعجب ہے

وہ تو حقیقت کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں

۳۔معشوق کے خیال میں جہان سے فارغ ہیں

محبوب کی یاد میں سارے جہاں سے غافل ہیں

شیخ نے وحدت الوجود کے مسئلہ کو واضح کرنے کیلئے ایک فقیر زادے اور شاہزادے کے عشق کا قصہ بھی لکھا ہے خلاصہ یہ ہے کہ فقیر زادے نے شہزادے کے راہ گزر پر ڈیرہ ڈال دیا۔ آتے جاتے شہزادے کا چہرہ دیکھتا رہتا ایک دن اس فقیر زادہ نوجوان نے شہزادہ کی رکاب چومی تو اس نے ناراض ہو کر اس سے باگ موڑ لی، فقیر زادہ نے ہنس کر کہا باگ نہ پھیر کیونکہ بادشاہ کسی سے باگ نہیں پھیرا کرتے پھر رکاب پر ہاتھ رکھنے اور چومنے کا عذر کرتے ہوئے کہا:

۱۔مرا باوجود تو ہستی نماند
بیاد توام خود پرستی نماند

۲۔گرم جرم بینی مکن عیب من
توئی سر برآوردہ از جیب من

۳۔بداں زہرہ دستم زدم در رکاب
کہ خود رانیا وردم اندر حساب

۴۔نہادم قدم برسر کام خویش
کشیدم قلم در سرنام خویش

۵۔مرا خود ز سر نیست چنداں خبر
کہ تاجست برتارکم یا تبر

(بوستان ۱۹۰۔۱۹۱)

ترجمہ:

۱۔ تیرے وجود کے سامنے میری ہستی نہیں رہی

تیری یاد میں ہوں اپنی خبر نہیں رہی

۲۔اگر تو میرا جرم دیکھے تو میرے اوپر طعن نہ کر
کیونکہ (میرے دل و دماغ پر آپ اس طرح چھائے ہوئے ہیں)
۳۔کہ میرے گریبان سے تو نے ہی سر نکالا ہے
اسی حوصلہ پر میں نے رکاب پر ہاتھ مارا ہے
کہ اپنے آپ کو گنتی میں نہیں لایا
۴۔میں نے اپنے مقصود کو پامال کر دیا ہے
میں نے اپنے سرنامے پر قلم پھیر دیا ہے
۵۔مجھے تو اپنے سر کی اتنی بھی خبر نہیں
کہ میری مانگ پر تاج ہے یا کلہاڑا

کبھی سوچا تک نہیں تھا کہ گلستان' بوستان سے بھی تصوف کا اتنا پیچیدہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے حضرت والا کے فیضان علم کی برکت ہے کہ بوستان کے باب عشق سے تصوف کا کتنا پیچیدہ مسئلہ کتنی آسانی کے ساتھ حل ہوگیا اللہ تعالی حضرت والا کو تادیر سلامت رکھے۔آمین بجاہ رب العالمین۔

نکات تصوف:

ایک دن نواب صدیق حسن خاں کی کتاب بدورالاھلہ لے کر عصر کے بعد مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت آج کل غیر مقلدین تصوف اور صوفیاء کے بارے میں بہت بدزبانی کرتے ہیں اہل اللہ کی کرامتیں سنا سنا کر کفر و شرک کے فتوے لگاتے ہیں آئے دن اس قسم کے مضامین ان کے رسالوں میں چھپتے رہتے ہیں متعدد رسالے بھی مارکیٹ میں آچکے ہیں ایسے واقعات کی وجہ سے علماء دیوبند کی بھی تکفیر کرتے ہیں جبکہ غیر مقلدین کی اپنی کتابوں میں تصوف کو علم شریعت کا حصہ بتایا گیا ہے اس کتاب میں نواب صدیق حسن خان نے بھی تصوف اور صوفیاء کی بڑی تعریف کی ہے تصوف کو علم شریعت کا حصہ قرار دیا ہے اور صوفیائے کرام کو اہل السنّت والجماعت میں شمار کیا ہے۔ میں نے کتاب کے شروع سے ایک صفحہ کھولا اور اس کی فارسی عبارت پڑھنا شروع کر

دی جس میں تصوف پر تحقیق تھی حضرت والا نے ایک صفحہ سننے کے بعد فرمایا اتنی مشکل کتابوں کے مطالعے کی کیا ضرورت ہے؟ اپنے اکابر کی کتابیں دیکھ لیا کرو۔ میں نے کہا حضرت غیر مقلدین سے واسطہ ہے اس لیے ان کی کتابیں بھی دیکھنی پڑتی ہیں اس پر حضرت والا نے تصوف اور اولیاء اللہ کی کرامات کے متعلق جو کچھ مجلس میں ارشاد فرمایا وہ ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ حضرت نے فرمایا تصوف کا موضوع مشکل ہے ان (غیر مقلدین) کو سمجھانا ایسے ہے جیسے اندھے کو چاند دکھانا۔ میں نے عرض کیا غیر مقلدین کو سمجھانا مقصود نہیں اپنے لوگوں کو سمجھانا اور مطمئن کرنا مقصود ہے فرمایا ان کو سمجھانا بھی مشکل ہے میں نے عرض کیا ایک دفعہ آپ مجھے سمجھا دیں پھر آگے سمجھانا میرا کام ہے

۲۔ فرمایا: مولانا اللہ یار خاں مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے شیعوں کے مقابلے میں بہت بڑے مناظر رہے ہیں بعد میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے میں نے ان کی تمام کتابیں دیکھی ہیں زبردست عالم معلوم ہوتے ہیں کتابوں سے انکا علم چھلکتا ہے۔ سماع موتی پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ جہاں تک مؤذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک شجر و حجر اذان کا جواب دیتے ہیں اور حاجی تلبیہ کہتا ہے تو چاروں طرف سے زمین اخیر تک تلبیہ کہتی ہے۔

جب زمین اور دوسری تمام چیزیں بغیر حیات کے اذان اور تلبیہ سن لیتی ہیں تو معلوم ہوا کہ سماع کیلئے حیات شرط ہی نہیں۔ جب سماع کیلئے حیات شرط نہیں تو مردے کیوں نہیں سن سکتے۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ شجرہ موسی سے بقدرت الٰہیہ کلام الٰہی ''انی انا اللہ انی انا ربک '' کی آواز آسکتی ہے اور شجرہ موسی کلام الٰہی کے ظہور کا مظہر بن سکتا ہے تو منصور شجرہ موسی سے بھی گیا گزرا ہے اگر منصور کی زبان بھی کلام الٰہی انا الحق کا مظہر بن جائے اور اس سے انا الحق کلام الٰہی کا ظہور ہو تو کیا بعید ہے؟

۳۔ نیز فرمایا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا آپ عالم ہیں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

غیر عالم ہیں تو آپ ان سے کیسے بیعت ہو گئے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جواب دیا الفاظ ہمارے پاس ہیں معانی ان کے پاس ہیں مبصرات ہمارے پاس ہیں بصیرت ان کے پاس ہے۔

۴۔ حضرت حاجی امداد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پاس خط لکھا کہ ایک عرصہ ہوا آپ نے احوال نہیں لکھ بھیجے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جواب میں تین چیزیں لکھیں ا۔ امور شرعیہ امور طبیعہ بن چکے ہیں ۲۔ ادلہ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا ۳۔ مادح و ذام یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ نماز میں اس کی تشریح کی ہے فرماتے ہیں پہلی چیز میں کمال عمل ہے دوسری میں کمال علم ہے اور تیسری میں کمال اخلاق ہے۔

۵۔ ایک امی بزرگ عبدالعزیز دباغ کا ایک واقعہ درس بخاری علامہ شبیر احمد عثمانی کے حوالہ سے سنایا جو بعد میں کتاب میں دکھایا بھی وہ واقعہ درس بخاری سے بلفظہ ملاحظہ فرمائیں درس بخاری علامہ شبیر احمد عثمانی کے صفحہ نمبر ۲۱۵ پر لکھا ہے پچھلی صدی میں شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ بزرگ گزرے ہیں وہ قطب وقت اور امی محض تھے۔ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا لیکن بڑے بڑے علماء ان سے علم حاصل کرتے تھے ان کے ایک خادم جو خود بھی بہت بڑے عالم تھے اور چالیس سال تک علم کی خدمت میں مشغول رہ چکے تھے انہوں نے شیخ کے ملفوظات میں ایک کتاب الابریز لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جس قدر میں علم حاصل کر چکا تھا وہ سب یہاں آنے پر ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ شیخ کے علوم کا یہ حال تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر چلے آرہے ہیں ایک دفعہ بعض متوسلین نے خواہش ظاہر کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال چل کر ہمیں دکھائیں تو شیخ نے فرمایا کہ کل آنا اگلے دن ان لوگوں کو جنگل میں لے گئے اور فرمایا کل میں نے اس لئے نہیں دکھلایا کہ اس وقت مجھے بھی معلوم نہ تھا تمہارے سوال کے بعد شب میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ لوگ مجھ سے آپ کے چلنے کی ہیئت دریافت کرتے ہیں اس لیے آپ

چل کر دکھلا دیجئے تو میں ان کو دکھلا دوں۔ تو حضور ﷺ نے میری درخواست کو شرف پذیرائی بخشتے ہوئے دکھلا دیا لہذا اب میں تم کو دکھلاتا ہوں۔ پھر انہوں نے چل کر دکھلا دیا مگر وہ لوگ اس کی تاب نہ لا سکے اور سب کے سب گر گئے اس پر شیخ نے فرمایا کہ وہ تو صحابہ کرام تھے جو برداشت کر لیتے تھے ورنہ دوسرا کوئی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی شخص کچھ پڑھتا تو سن کر بتا دیا کرتے تھے کہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث نبوی ہے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیسے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ آیت ہے یا حدیث شیخ نے فرمایا یہ میرے لیے بالکل بدیہی ہے خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ جب کوئی قرآن پڑھتا ہے تو اس کے منہ سے مثل سورج کے روشنی نکلتی ہے اور جب حدیث پڑھتا ہے تو چاند کی طرح روشنی محسوس ہوتی ہے اور جب کسی اور کا کلام ہوتا ہے تو کوئی روشنی نہیں ہوتی بلکہ تاریکی رہتی ہے چنانچہ ایک بار لوگوں نے یہ آیت امتحاناً اس طرح پیش کی ''**حافظوا علی الصلوات و الصلوۃ الوسطی (وصلوۃ العصر) وقوموا لِلہ قانتین**''۔ فوراً بولے **وصلوۃ العصر** حدیث ہے اس میں حدیث کا نور ہے بقیہ قرآن ہے۔

۶۔ اسی کے ساتھ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مجذوب کا واقعہ بھی سنایا کہ ایک مجذوب سڑک کے کنارے برہنہ بدن پڑا رہتا۔ عورتیں، مرد اس کے پاس اپنی اپنی حاجت کیلئے جاتے وہ سب کو اپنے زیر ناف بال اکھیڑ کر دے دیتا۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا جب وہاں سے گزری تو وہ دوڑ کر کار کے سامنے آ گیا حضرت نے اس کو ڈانٹا کہ تو یہ کیا بری حرکت کرتا ہے اس نے جواب دیا حضرت جب لوگ اللہ کے در کو چھوڑ کر میرے پاس آئیں گے تو میں یہی دونگا۔

۷۔ فرمایا: جو لوگ صوفیاء کرام پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں وہ بے وقوف اور جاہل ہیں ورنہ اصل توحید تو ہوتی ہی صوفیاء کے پاس ہے اس پر تفسیر مظہری کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ''**وما یومن اکثرھم باللہ الاوھم مشرکون**''

کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ”**النظر الی الاسباب مع الغفلة عن المسبب ینا فی التوحید فالموحدون هم الصوفیة**“ اسباب پر نظر اور مسبب الاسباب سے غفلت توحید کے منافی ہے پس کامل موحد صوفیاء ہی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو صوفیاء کے بارے میں بے باک ہیں ان کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

جب اللہ تعالی کسی کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان پاکباز لوگوں پر طعنہ بازی کی طرف کر دیتا ہے۔

۸۔عشاء کے بعد سلسلہ گفتگو میں فرمایا حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ خوبصورت اور صحت مند انسان تھے لیکن اخیر میں فالج کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے ایک دفعہ جامعہ رشیدیہ تشریف لائے تو فرمایا

اے انقلاب دھر تیرا شکریہ
ہم نے دنیا کو ہر پہلو سے دیکھ لیا

بڑے جری اور بہادر انسان تھے عدالت میں جج نے پوچھا شاہ جی! آپ نے قادیانیوں کو کافر کہا ہے شاہ صاحب نے فرمایا کہا ہے کیا ہوتا ہے، کہا ہے کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے لوگوں کے دلوں سے انگریز کی ہیبت ختم کی ورنہ انگریز کا اتنا رعب اور خوف تھا کہ ایک سپاہی آ کر سارے گاؤں کو آگے لگا لیتا۔ نیز فرمایا سنا ہے کہ حضرت مدنی کے ساتھ جو شخص مصافحہ کر لیتا اس کے دل سے انگریز کی ہیبت دور ہو جاتی۔

اخیر میں فرمایا لیکن عجیب بات ہے کہ ان سب کو طبعی موت آئی ہے ان میں سے کوئی بھی قتل نہیں ہوا اس کا مطلب یہ ہوا کہ بہادری موت کو لا نہیں سکتی۔ بزدلی موت سے بچا نہیں سکتی۔

دارالعلوم سے باب العلوم تک:

حضرت استاذ محترم نے دارالعلوم کبیر والہ میں انتھک محنت کر کے جو ایک ماحول بنایا تھا آپ کی انتہائی کوشش تھی کہ اسی ماحول میں رہتے ہوئے تدریس کا سلسلہ جاری رکھیں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت الاستاذ کو اہتمام کی پیشکش کرتے وقت جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے حضرت موصوف کی وفات کے بعد نئے اہتمام میں اس کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ اولاً اپنے مراعات یافتہ طلبہ کے ذریعے حضرت کو تدریس میں ناکام ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ تدبیر کامیاب نہ ہوسکی مختلف طلبہ کو بلا کر آپ کا سبق ان سے سن کر کمزوریاں پکڑنے کی کوشش بھی کی گئی مگر یہ تدبیر بھی ناکام رہی۔ مولانا ڈاکٹر محمود الحسن عارف لاہوری حضرت کے قریبی طلبہ میں سے تھے حضرت کے پاس نورالانوار پڑھتے تھے ایک روز مہتمم صاحب نے محمود صاحب کو بلا کر پوچھا کتاب سمجھ آرہی ہے کہ نہیں؟ محمود صاحب نے کہا جی خوب سمجھ آرہی ہے مہتمم صاحب نے محمود صاحب سے کتاب سننا شروع کردی وہ برجستہ سناتے چلے گئے مہتمم صاحب خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ مہتمم صاحب سمجھ گئے کہ تفسیر' حدیث' اصول حدیث' فقہ' اصول فقہ اور عربی ادب کے اسباق میں تو ان کو ناکام کرنا مشکل ہے۔ البتہ منطق معقول کے اسباق کا تجربہ کرنا چاہیئے اور یہ بات واضح رہے کہ حضرت مہتمم صاحب منطق' معقول کے مشہور و معروف نامور استاذ مانے جاتے تھے ان کا منطق کا محبوب ترین اور مشہور ترین سبق سلم العلوم تھا بلاشبہ جب وہ سلم العلوم کا سبق پڑھاتے تو وہ بھی جھوم جھوم کر بڑے تسلسل کے ساتھ پڑھاتے اور طلبہ بھی بڑی مستی کے عالم میں پڑھتے۔ ایک سال انہوں نے یہ سبق حضرت استاذ محترم کے پاس منتقل کر دیا انکا خیال تھا کہ اس سبق پر تو ضرور شور مچے گا طلبہ احتجاج کریں گے درخواستیں لکھیں گے لیکن حضرت الاستاذ نے جب یہ سبق شروع کرایا تو طلبہ بڑے مطمئن ہوئے اور سارا سال بڑے آرام سے یہ

سبق چلتا رہا کسی نے تبدیلی کا نام تک نہ لیا۔ سب کو معلوم ہے کہ مقابلہ اور ٹکراؤ کے ماحول میں صلاحیتیں مزید ابھرتی ہیں اور خفیہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں چنانچہ حضرت استاذ محترم کے مطالعہ میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ بیان میں اور بھی نکھار آ گیا اور منطق معقول کی کتب پڑھانے کی صلاحیت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ تجربات میں مزید اضافہ ہوا سب سے بڑی بات یہ کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود آپ کی ہمت' قوت برداشت اور حلم کا یہ عالم کہ نہ کبھی گلہ شکوہ کیا' نہ کبھی جوابی کارروائی کیلئے سوچا بلکہ ہر ممکن تعاون کرتے رہے جب یہ ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں تو آخری حربہ کے طور پر اپنی حاکمانہ قوت استعمال کر کے ''بیک جنبش قلم'' دارالعلوم کبیر والا سے حضرت کا تعلق منقطع کرنے کی کوشش کی گئی استعفا لکھا گیا جس پر شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا مہتمم صاحب شوریٰ کے ایک ایک رکن کو مل کر استعفا قبول کرنے کیلئے ذہن سازی کر رہے تھے۔ میں اس وقت دارالعلوم میں موجود تھا دوسری طرف حضرت محترم دنیا سے بے نیاز اپنی درسگاہ میں اکیلے اللہ کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف اور مست بیٹھے ہیں۔ میں نے جا کر عرض کیا حضرت! باہر آپ کے خلاف کتنی محنت اور ذہن سازی ہو رہی ہے اور آپ اندر اس طرح بیٹھے ہیں جیسے کچھ ہو ہی نہیں رہا۔ حضرت استاذ محترم کا عجیب جواب تھا جس کو سن کر میں آب دیدہ ہوگیا فرمایا: بیٹا! مجھے ظالم بننے سے مظلوم بننا پسند ہے۔ آخر کار شوریٰ نے وہ استعفا منظور نہ کیا اور دارالعلوم میں حضرت استاذ محترم کی تدریس جاری رکھنے پر زور دیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے دوبارہ پھر وہی اقدام کیا۔ اس پر دوبارہ شوریٰ کا اجلاس ہوا اور مہتمم صاحب نے بھی منظور کرنے پر بہت زور دیا۔ آخر شوریٰ نے آپ کی دارالعلوم سے علیحدگی کا فیصلہ کر دیا اس فیصلہ کے ساتھ ہی آپ کا دارالعلوم کبیر والا سے تدریسی تعلق منقطع ہوگیا آپ کے دارالعلوم سے علیحدہ ہوجانے کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت مہتمم صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا چنانچہ انہوں نے اس کا اظہار کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی کہ مولانا عبدالمجید

صاحب کو اپنا مخالف سمجھتا رہا۔

راقم الحروف ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری خیال کرتا ہے حضرت الاستاد حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالمجید صاحب زید مجدہ ہر دو حضرات بہت ہی مخلص تھے ان حضرات کا اخلاص شک و شبہ سے بالا ہے اس لیے اس اختلاف کو ذاتی نوعیت کا اختلاف ہرگز نہ سمجھا جائے بلکہ یہ اختلاف...... اختلاف ذوق، اختلاف نظم، اور بعض اصحاب الخدمت کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔

حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ اپنے ذوق کے اعتبار سے غیر درسی کتب کے مطالعہ...... دوران سبق کسی غیر متعلقہ مسئلے پر استاد کی تحقیق...... استاد و طلبہ کے مابین تعلیم و تعلم سے زائد تعلق...... طلبہ میں سیر و تفریح کے لیے اسفار اور طلبہ کے لیے ورزش میں مشغولیت کو تعلیم اور تعلیمی ماحول کے لیے بہت ہی مضر خیال کرتے تھے جبکہ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب زید مجدہ ان سب امور کو طلبہ میں ذہنی وسعت اور علمی پختگی پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھتے تھے اور دونوں حضرات اپنے اپنے ذوق میں اتنے پختہ تھے کہ توافق کی کوئی صورت نہ بن پائی ان حالات میں حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ نے مخلصانہ طور پر وہی سوچا جو مدرسہ کا ہر مہتمم سوچتا ہے یعنی کام اور نظم کو کامیاب کرنے کے لیے ہر ممکن تدابیر اختیار کرنا اس لیے نتیجتاً جدائی ہوگئی اور اس جدائی کے ظاہری اسباب کے پیچھے شاید تکوینی حکمت باب العلوم کو آباد کرنے کا قدرتی فیصلہ تھا۔

باب العلوم کی قسمت جاگ اٹھی:

باب العلوم ایک قدیم مدرسہ ہے لیکن حضرت کی تشریف آوری سے قبل اس خطہ کے زرخیز ہونے کے باوجود اس علمی باغیچہ کے غنچے کھل سکے نہ اس پر بہار آسکی...... نہ پھل، پھول لا سکا نہ ثمر آور ہو سکا۔ بلکہ روز بروز اس پر خزاں چھاتی گئی تا آنکہ باب العلوم کا باب علم مسدود ہو گیا اور اس کا دروازہ مقفل ہو گیا۔ اب کہروڑ پکا کے بعض علم دوست احباب فکر مند ہوئے اور باب العلوم کے تنزل و انحطاط‘ اس کی پستی اور زبوں حالی کا

سابقہ حالات کی روشنی میں جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ باب العلوم کی آبادی اور ترقی کیلئے ضروری ہے کہ کوئی معروف، ماہر، تجربہ کار، صاحب نسبت، علمی شخصیت تلاش کی جائے جو باب العلوم کے تعلیمی نظام کو ایک مضبوط اور صحیح نظم کے تحت چلا سکے۔۲۔ باب العلوم کے مالی اور دفتری نظام کو مضبوط کرنے اور باب العلوم کے اندرونی ماحول میں بیرونی مداخلت کو روکنے کیلئے کسی ذی وجاہت، مؤثر مقامی شخصیت کی خدمات حاصل کی جائیں۔ ادھر حضرت الاستاذ بھی اس سوچ میں تھے کہ دارالعلوم کے بعد اب کسی ایسے ادارہ میں تدریسی کام شروع کیا جائے جہاں اپنی علمی صلاحیتوں کو حسب منشا بغیر کسی رکاوٹ کے بروئے کار لاسکیں اور اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں اس ادارے کو پروان چڑھا کر علم و ہدایت کا مرکز بنا سکیں۔ چنانچہ باب العلوم کی قسمت جاگ اٹھی۔ علاقہ کہروڑپکا کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا کہ کہروڑ پکا کے ان مخلص اور فکر مند حضرات نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز مجاہد اسلام، پیر طریقت حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحب کے ساتھ رابطہ کیا، حضرت شاہ صاحب کی وساطت سے حضرت الاستاذ کے ساتھ رابطہ ہوا۔ ادھر استاذ محترم کے ایک پیارے اور لاڈلے شاگرد حضرت مولانا امان اللہ خالدی صاحب بھی واسطہ بن گئے ان ہر دو حضرات کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ چنانچہ نتیجۃً باب العلوم کے تعلیمی نظام کے استحکام و ترقی کیلئے وہ علمی، روحانی، صاحب دل، تجربہ کار شخصیت حضرت الاستاذ کے روپ میں اور باب العلوم کے مالی اور دفتری نظام کی مضبوطی کیلئے اور بیرونی مداخلت کے سدباب کیلئے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ شفقت ومحبت کے مرکز، حضرت رائے پوری کی دعاؤں کے ثمر اور حضرت سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ منظور نظر شیخ خورشید احمد کے فرزند الشیخ غلام محمد عباسی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے باب العلوم کو عطا فرمادیئے حضرت الاستاذ کی شفقت کہ حضرت والا نے مجھے کمالیہ طلب کیا باب العلوم میں اپنی تقرری کا ذکر کیا اور مجھے فرمایا کہ تیری تقرری بھی میرے ساتھ ہے۔ پڑھائی تو شوال سے شروع ہوگی۔ لیکن شعبان و رمضان بھی ہم نے باب العلوم میں

گزارنا ہے چنانچہ حضرت والا کے بھانجے حافظ مقبول احمد اور حضرت کا دیرینہ خادم راقم الحروف حضرت الاستاذ کے ہمراہ ماہ شعبان ۱۳۹۳ھ کو باب العلوم میں حاضر ہوئے اس وقت باب العلوم کا صرف ایک چوکیدار تھا حافظ قائم دین اس کے علاوہ نہ کوئی استاذ نہ طالب علم۔ مدرسہ میں صرف ایک پختہ کمرہ تھا۔ باقی دفتر سمیت آٹھ' دس کچے کمرے تھے۔ مدرسہ کے ویران ہونے کی وجہ سے کمروں کی حالت یہ تھی کہ اکثر کمروں کی دیواروں اور چھتوں میں بھڑوں کے چھتے اور نیچے گدھوں کی لید۔ ہمارا شعبان کا مہینہ تقریباً صفائی میں گزرا۔ باقی صفائی تو حافظ مقبول احمد اور راقم الحروف کر لیتے تھے مگر جب بھڑوں کے چھتے اتارنے کا نمبر آیا تو حضرت الاستاذ نے فرمایا مجھے بھڑ نہیں کاٹتے اس لیے یہ میں اتارتا ہوں چنانچہ بھڑوں سے بھڑنے اور چھتے اتارنے کا مرحلہ خود حضرت نے سر کیا۔ رمضان المبارک میں حضرت والا کے حکم پر باب العلوم کی مسجد میں تراویح میں قرآن مجید راقم الحروف نے سنایا۔ استاذ محترم نے شعبان و رمضان کے دوران باقی اساتذہ اور باقی عملہ کی تقرری کا کام مکمل کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح استاذ محترم علمی کتب اور سوانحی کتب کے حوالہ سے کثیر المطالعہ ہیں اس سے کہیں زیادہ زندہ شخصیتوں اور خود اپنے حالات کے مطالعہ و استحضار کے عادی ہیں جس کی وجہ سے آپ میں حیران کن حد تک مردم شناسی کی قوت ہے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا میں کسی کے متعلق اپنے ادراک کا اظہار نہ کروں تو الگ بات ہے ورنہ مجھے آدمی کے سمجھنے اور پہچاننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ چنانچہ آپ نے باب العلوم میں اساتذہ اور دفتر کا عملہ متعین کرتے وقت سابقہ تجربات کے علاوہ مردم شناسی سے بھی کام لیا۔ آپ نے باب العلوم کے ہر شعبہ کیلئے ایسے باصلاحیت' مخلص' محنتی افراد کا انتخاب کیا کہ باب العلوم دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے بڑے اداروں کی صف میں شمار ہونے لگا چنانچہ پہلے سال ہی فارسی سے لے کر موقوف علیہ تک مکمل درجات میں تعلیم شروع ہوگئی اور ہر درجہ میں معقول تعداد تھی اس وقت کی موجودہ عمارت کے

ناکافی ہونے کی وجہ سے فوری ضرورت پوری کرنے کیلئے ۳۴ کچے کمرے تعمیر کیے گئے جن میں چار چار فٹ بھرائی خود طلبہ نے کی۔ باب العلوم میں پہلے سال بجلی نہ تھی لالٹینوں پر گزارا تھا آمدورفت کی سہولت بھی زیادہ نہ تھی اس کے باوجود پہلے سال ہی باب العلوم کی طرف طلباء کا جوق در جوق متوجہ ہونا اور موقوف علیہ تک درجات کا مکمل ہونا یہ استاذ محترم کی دعائے سحر کا نقد ثمر تھا ۱۳۹۵ ھ میں دورہ حدیث شریف کا آغاز بھی ہوگیا جو بغیر انقطاع کے اب تک اپنی پوری عظمت اور شان وشوکت کے ساتھ جاری ہے اس وقت اندرون ملک اور بیرون ملک کہروڑ پکا کا تعارف باب العلوم ہے اور باب العلوم کا تعارف حکیم العصر حضرت الاستاذ مولانا عبدالمجید کی ذات گرامی ہے۔ اس وقت پاکستان کے سینکڑوں مدارس ہیں جن میں اللہ تعالی باب العلوم کے فضلاء سے اشاعت علم کا کام لے رہے ہیں نیز اس کے علاوہ دین کے دوسرے شعبہ جات میں بھی اللہ تعالی فضلاء باب العلوم سے کسی نہ کسی رنگ میں دین کا کام لے رہے ہیں یہ بھی استاذ محترم کی ایک خاص دعا کا ثمرہ ہے آپ فرماتے ہیں جب بھی اللہ تعالی مجھے حرمین شریفین کی زیارت کا موقع نصیب فرماتے ہیں تو میں قبولیت دعاء کے ہر مقام پر خصوصاً مقام ملتزم میں یہ دعا کیا کرتا ہوں اے اللہ! باب العلوم کی طرف ان قلوب کو متوجہ فرما جن سے تو نے دین کا کام لینا ہے اللہ باب العلوم کی طرف ان طلباء کو متوجہ فرما جن کی تیرے ہاں قبولیت ہے۔

باب العلوم کا تجدیدی کارنامہ:

شرح معانی الآثار جو طحاوی شریف کے نام سے مشہور و متعارف ہے عظیم محدث و فقیہ حضرت امام طحاوی حنفی کی تصنیف شدہ حدیث کی کتاب ہے جو احادیث احکام کا بہترین مجموعہ ہے اور احناف کیلئے نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔ احادیث مبارکہ سے فقہ حنفی کے مسائل کو عقلی اور نقلی طور پر مدلل کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کے مسائل کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور یہ مسائل کسی حدیث کے بھی خلاف نہیں۔ اس طرز کی

کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔لیکن حنفی مدارس میں بھی اس کا تھوڑا حصہ پڑھایا جاتا ہے۔ باقی کتاب ویسے ہی پڑی رہ جاتی ہے اسی کتاب کے بارے میں محدث العصر حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں خواہش ظاہر کی تھی کہ یہ کتاب مکمل پڑھائی جائے۔مگر ان کی یہ تمنا ان کی زندگی میں پوری ہو سکی نہ ان کے بعد۔تاہم سب اہل مدارس اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔راقم الحروف کے دل میں کئی دفعہ خیال آیا کہ اگر طحاوی شریف مکمل پڑھائی جائے تو اکابرین دیوبند اور دیگر اہل مدارس کی خواہش کی تکمیل بھی ہو جائے گی ان کے سامنے ایک نمونہ بھی آجائے گا اور فقہ حنفی کے خلاف فتنہ غیر مقلدیت کے حوالہ سے ایک بہت بڑی ضرورت بھی پوری ہوگی۔نیز طلبہ میں فہم حدیث بھی خوب پیدا ہوگا اور فہم حدیث کے اصول بھی سامنے آئیں گے۔لیکن کتاب کی لفظی اغلاط اور شروح وحواشی کا فقدان مانع بنتا رہا آخر ایک دن میں نے سوچا کہ جب استاذ محترم سر پر ہیں ان کی سرپرستی حاصل ہے تو پھر کیا خوف۔چنانچہ میں نے یہ سوچتے ہی اللہ کا نام لے کر طحاوی شریف مکمل پڑھانے کا پختہ عزم کر لیا اور اسی ارادہ سے طحاوی شریف شروع کر دی اور جہاں کہیں کوئی الجھن پیش آتی استاذ محترم سے رابطہ کر کے ان سے رہنمائی لے لیتا آپ اس پر خوشی کا اظہار فرماتے اور بڑی خوشدلی کے ساتھ وقت عنایت فرماتے اس سے اور بھی حوصلہ بڑھ جاتا۔بس آپ میرے سہارا بنے اور میں آپ کے سہارے اس مشکل ترین راستے پر چلتا رہا آخر اللہ تعالی نے کامیاب فرما دیا۔چنانچہ اللہ تعالی کے فضل وکرم اور استاذ محترم کی سرپرستی اور دعاؤں کی برکت سے اب پانچویں مرتبہ ختم بخاری کے ساتھ ختم طحاوی ہو رہا ہے اور یہ باب العلوم کا ایک تجدیدی کارنامہ ہے اس کے بعد اب بعض دوسرے مدارس میں بھی طحاوی شریف مکمل پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

حکیم العصر بحیثیت خطیب:

ایک کامیاب خطیب کیلئے بنیادی طور پر جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے چند

ایک یہ ہیں ۱۔ وسعت مطالعہ ۲۔ از اول تا آخر ایک موضوع پر سیر حاصل گفتگو ۳۔ تقریر میں تنوع یعنی موضوع ایک ہو لیکن اس پر تقریری مواد آیات، احادیث، اقوال، اشعار، واقعات، لطائف پر مشتمل ہو ۴۔ پھر یہ سارا مواد مرتب ہو ۵۔ عام فہم اور سہل انداز ہو ۶۔ زبان صاف ہو، بیان میں تسلسل اور روانگی ہو اور اس میں ادب کا رنگ بھی جھلکتا ہو ۷۔ کامیاب خطیب وہ ہے کہ جب وہ خطاب ختم کرے تو سامعین اس کو اپنے ہم خیال نظر آئیں۔ استاذ محترم کے متعلق ہماری ایک بزرگ شخصیت نے کہا تھا کہ غیر شعوری طور پر حق بات دل میں اتار دینا ان کا کمال ہے اور یہ ہی ان کا تعارف ہے دارالعلوم کبیر والا میں کمشنر ملتان کو مدعو کیا گیا جب کمشنر صاحب کی صدارت میں دارالعلوم کی مسجد میں اجتماع منعقد ہوا تو خطاب کیلئے حضرت استاذ محترم کا انتخاب ہوا آپ نے دینی تعلیم کی اہمیت اور عظمت قرآن کے عنوان پر بہت ہی عمدہ خطاب کیا جس سے کمشنر صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ وہ بھی داد دینے پر مجبور ہو گئے۔ الحمد اللہ ہم جب حضرت حکیم العصر کو بحثیت خطیب دیکھتے ہیں تو وہ ان سب اوصاف سے متصف نظر آتے ہیں جو ایک خطیب کیلئے ضروری ہیں۔ ایک موقع پر حضرت نے فرمایا میں تقریر کے حوالہ سے اپنی ایک خوبی اور ایک خامی جانتا ہوں۔ میرے اندر قوت بیان ہے قوت گویائی نہیں یعنی میرے اندر یہ تو قوت ہے کہ صاف ستھرے واضح انداز میں بات سمجھا سکوں لیکن دیر تک بولتے رہنے اور کئی کئی گھنٹے طویل تقریر کرنے کی قوت نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے دارالعلوم کبیر والا کے زمانہ میں حضرت استاذ محترم نور مسجد میں خطیب تھے تو آپ نے نماز کے موضوع پر کئی جمعے پڑھائے ایک جمعہ میں آپ نے "لاصلوٰۃ الابحضور القلب" کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ نماز میں حضور قلب پر احادیث، واقعات، حضور قلب پیدا کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا نماز میں جو چیز حضور قلب میں فرق ڈالنے کا سبب بنے وہ قبیح ہے جیسے صف کے آگے گدھا گزرے وہ حضور قلب میں فرق ڈالنے کا سبب نہیں سامنے سے کتا گزرے وہ حضور قلب میں فرق ڈالنے

کا سبب نہیں کیونکہ ان میں کوئی کشش نہیں اور اگر نمازی کے آگے اس کا محبوب گزرے تو وہ نمازی کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرلے گا اور حضور قلب میں فرق ڈالنے کا سبب بن جائے گا۔ کیونکہ اس میں نمازی کیلئے کشش ہے۔ درجہ محبوب کا زیادہ' محبت اس سے زیادہ' محبوب کے مقابلے میں کتے گدھے کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن نماز کا جو مقام حضور قلب ہے اس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نمازی کے آگے کتے گدھے کا گزرنا اتنا مُخل نہیں جتنا کہ محبوب کا نمازی کے آگے گزرنا مُخل ہے کیونکہ کتے گدھے کے گزرنے سے حضور قلب میں فرق نہیں آتا محبوب کے گزرنے سے حضور قلب میں فرق آتا ہے کیا اس میں میں نے محبوب کی توہین کی ہے؟ (نہیں) کیا میں نے محبوب سے کتے گدھے کی شان بڑھائی ہے اور محبوب کی شان کم کی ہے؟ نہیں بلکہ اس سے محبوب کی شان نمایاں ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہے اس کے اندر کشش ہے وہ دلوں کو کھینچ لیتا ہے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے کتے گدھے میں ایسا کوئی کمال نہیں کیا کبھی کتے گدھے کو دیکھ کر آپ کے دل میں محبت کے جذبات ابھرے ہیں؟ (نہیں)۔ اور محبوب کو دیکھ کر بے تاب ہوجاتے ہیں اس لیے حضور قلب میں فرق ڈالنے کے اعتبار سے محبوب کا گزرنا زیادہ مُخل ہے کتے گدھے کے گزرنے سے۔ اسی طرح نماز کی حالت میں اگر دل میں محبوب کا خیال آجائے تو وہ زیادہ مُخل ہے کتے گدھے کے خیال سے۔ کیونکہ دل میں محبوب کے خیال آنے سے حضور قلب میں فرق آتا ہے کتے گدھے کے خیال آنے سے حضور قلب میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح نماز میں ابوجہل یا ابولہب وغیرہ کا دل میں خیال آجائے تو حضور قلب میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ ابوجہل میں ایک مسلمان کیلئے کوئی محبت اور کوئی کشش نہیں اور اگر کسی ولی کا دل میں خیال آجائے تو دل اسی میں گم ہوکر رہ جائے گا اور حضور قلب جو نماز کا ایک اعلیٰ مقام ہے ختم ہوجائے گا۔ میں حیران تھا اتنا پیچیدہ موضوع لیکن حضرت حکیم العصر نے اس کو اس انداز' اس ترتیب سے ادا کیا کہ سب سامعین اچھی طرح سمجھ گئے۔

باب العلوم کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں خطبات حکیم العصر کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہے خطبات کی پہلی جلد چھپ کر عوام و خواص میں یکساں قبولیت حاصل کرچکی ہے اور خطبات حکیم العصر جلد دوم حضرت کے متعدد اہم خطبات پر مشتمل ہے جو علمی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں اور خطبات کا کام بھی دیتے ہیں اس میں خطابت بھی ہے اور علمی مواد بھی ہے دعا ہے اللہ تعالی اس سلسلہ خطبات کو قبولیت عامہ اور نافعیت تامہ کا ذریعہ بنائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ رحمة للعالمین۔

حضرت حکیم العصر کا ادنیٰ شاگرد و خادم

منیر احمد منوّر

استاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

۱۵۔۷۔۲۰۰۶ء

اکابر کا تذکرہ

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

بمقام: جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: رجب ۱۴۲۵ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِیْن وَالْعٰاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْن وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

اَمَّا بَعْدُ!

فبا لسندالمتصل منا الٰی امیر المومنین فی الحدیث

محمد بن اسماعیل البخاریؒ

قال باب قول اللّٰہ ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ وان اعمال بنی آدم وقولھم یوزن

وقال مجاھد القسطاس العدل بالرومیۃ ویقال القسط مصدر المقسط وھو العادل واما القاسط فھو الجائر

بہٖ قال حدثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارۃ بن القعقاع عن ابی زرعۃ عن ابی ھریرۃؓ

قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان

سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم۔۔

(صحیح بخاری ص۱۱۲۸ ج۲)

صحیح بخاری کی فضیلت

اس کتاب کی فضیلت میں ہمارے بزرگوں سے ایک تجربہ نقل ہوتا آ رہا ہے کہ اس کی تلاوت کے بعد اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں اور یہ دعا کی قبولیت کا موقع ہوتا ہے لیکن یہ صرف تجربہ ہے کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ بزرگوں میں معمول چلا آ رہا ہے اور اُن کا مجرب ہے کہ اس موقع پر جو دعا کی جاتی ہے اللہ کی رحمت سے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس کا تعلق صرف صحیح بخاری کے الفاظ کی تلاوت سے ہے۔ جب شروع سے آخر تک آپ نے اس کی تلاوت کر لی تو کتاب ختم ہوگئی اور اَب یہ قبولیت دعا کا موقع ہے۔

باقی عبارت کی تلاوت کے بعد اساتذہ جو تقریر کرتے ہیں، ترجمہ کرتے ہیں وہ ایک زائد چیز ہے تلاوت کا تعلق الفاظ کے ساتھ ہے جب یہ الفاظ ہم نے پڑھ لئے اور **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم** تک پہنچ گئے تو یوں سمجھئے کہ صحیح بخاری ختم ہوگئی ہے لیکن چونکہ اساتذہ کا طریقہ چلا آ رہا ہے کہ اس بابرکت موقع پر اپنے دوست احباب و متعلقین کو جمع کر لیا جاتا ہے تا کہ سب برکت حاصل کر لیں۔

اَب جمع ہونے والے احباب میں اہل علم اور غیر اہل علم دونوں قسم کے افراد ہوتے ہیں اس لئے اس موقع پر اگر طالب علمانہ بحث کی جائے کہ الفاظ کا معنی کیا ہے ترکیب کیا ہے؟ صیغہ کیا ہے؟ باب سے حدیث کا ربط کیا ہے اور روایات باب سے ترجمۃ الباب کیسے ثابت ہوگیا؟ تو مجمع میں بہت سے افراد ایسے ہیں جن کے پلے کچھ بھی نہیں پڑے گا کیونکہ ان باتوں کو صرف طالب علم ہی سمجھ سکتے ہیں اور عوام محض ثواب کی نیت سے بیٹھے رہتے ہیں باقی اُنہیں اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔

اس کے لئے اپنے اساتذہ کے طریقے کے مطابق عوام کے فائدے کے لئے کچھ عام فہم گفتگو ہوگی کہ مجمع میں موجود تمام احباب کچھ حاصل کر کے جائیں۔

جہاں تک دینی مسائل کا تعلق ہے وہ ہم سب کے محترم مولانا منظور احمد زید مجدہم (خیر

المدارس ملتان)بڑی وضاحت اور تفصیل سے آپ کے سامنے بیان فرما چکے ہیں۔اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محدثین کا اصول

ہمارے اس سلسلہ تعلیم و تعلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تمام اساتذہ اس کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ اُنہیں یہ علم براہِ راست نہیں پہنچا بلکہ اپنے اساتذہ کے واسطے سے پہنچا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کے واسطے کا ذکر کرنا محدثین کا اصول ہے نیز یہ اساتذہ کی شکر گزاری کا ایک انداز بھی ہے کہ دین کے ذکر کے ساتھ اپنے اساتذۂ کرام کا بھی ذکر کیا جائے کہ ہمیں یہ دین ہمارے اُن بزرگوں کے واسطے سے ملا ہے......اس لئے ہم پہلے اپنے آباء کا ذکر کرتے ہیں،اپنے اساتذہ کا ذکر کرتے ہیں۔اور اُن کی وساطت سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے اللہ تک پہنچتے ہیں۔

نسبتِ اکابر کا انکار جہالت ہے:

بعض کم ظرف ایسے بھی ہیں کہ اپنے اساتذہ کا تذکرہ کرنا عیب سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ظاہری طور پر لازماً کسی اُستاد کے شاگرد ہوتے ہیں اور اُس سے علم حاصل کیا ہوتا ہے لیکن جب وہ کسی دینی بات کا تذکرہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے براہِ راست قرآن کریم سے یہ بات سمجھی ہے۔اور بلا واسطہ حدیث رسول سے یہ بات سمجھی ہے۔

ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور کی بات کو سنیں، اس پر عمل کریں اور اسے آگے نقل کریں۔۔۔اُس وقت ہم اُن سے یہ پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تمہارے اساتذہ کا طریقہ کیا ہے؟ مسلک کیا ہے؟ اُن کے اساتذہ کا طریقہ کیا تھا؟

ہم نے علم جس نسبت سے حاصل کیا ہے عمل بھی اُسی نسبت سے حاصل کرتے ہیں۔جس عمل کی نسبت اکابر سے ثابت نہیں وہ عمل ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں اور نہ ہی ہم بے نسبت علم کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔اِس لئے جو شخص یہ کہے کہ قرآن وحدیث

کو براہ راست پڑھ کر اُس سے ہدایت حاصل کرو۔۔ ۔اور اساتذہ و اکابر کے درمیانی واسطے کو چھوڑ دو ہم اس کے علم وعمل کو قبول نہیں کرتے ۔ہم دین اپنے اکابر اور اساتذہ سے حاصل کرتے ہیں اور اکابر و اساتذہ کے واسطے کے بغیر حاصل ہونے والے علم وعمل کو بیکار سمجھتے ہیں ہمیں اس پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔

اسی لئے ہمارے ہاں اپنے اکابر واساتذہ کی طرف نسبت بہت ہی قابل فخر بات سمجھی جاتی ہے اور اسی نسبت کا نام سَنَد ہے اور اس نسبت کو ماننے کے بعد ہی پھر ہم کہتے ہیں **بالسند المتصل منا** اس میں اپنے اساتذہ کی شکر گزاری بھی ہے کہ ایسے موقع پر شاگرد اُن کا نام لے۔

مختصر سی بات آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم اور اللہ کی عنایت سے مجھے نسبت حاصل ہے حضرت مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ اور آج سے انتالیس سال پہلے قاسم العلوم میں یہ کتاب اُن سے پڑھی تھی۔ اصل سَنَد اُس اُستاد کی ہوتی ہے جس کے سامنے بیٹھ کر پڑھا جائے اِس لئے میں نے اَساتذہ کو بلا کر اپنے برابر بٹھا لیا کہ اصل محنت تو اِن حضرات کی ہے جنہوں نے سارا سال اِن بچوں کے اوپر محنت کی اصل سَنَد اِن کی ہے لیکن یہ بھی ہمارے اکابر کا ایک طریقہ ہے کہ سارا سال محنت کرو اس کے بعد آخر وقت میں اپنے کسی بزرگ، کسی بڑے کو بلا کر آخری سبق اُس سے پڑھ لو تو یہ بھی ایک قسم کی سَنَد ہوتی ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ پر اعتماد:

مسلک کے بارے میں عرض کردوں کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں حجت ہیں ۔میں اُن پر حرف بحرف اعتماد کرتا ہوں اور اُن کی رائے مسلک کے بارے میں حد درجہ صائب اور درست سمجھتا ہوں۔اپنے اکابر کے مسلک کے خلاف ایک بات بھی سننے کو یہ لوگ تیار نہیں ہیں اس لئے میں اُن پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔اگر آپ بھی اپنے لئے صحیح راہِ عمل حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان حضرات

کی کتابوں کا لازماً مطالعہ کریں جس سے اکابر کا صحیح اور واضح مسلک نکھر کر آپ کے سامنے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

مولانا سرفراز خان سے اجازت حدیث:

مولانا سرفراز احمد خان صاحب مدظلہ نے مجھے اجازت حدیث دی ہے اور وہ شاگرد ہیں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کو اجازت ہے مولانا حسین علی واں بھچراں والوں سے اور مولانا حسین علی شاگرد تھے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی سَنَد عالی ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وہ ایک واسطے سے پہنچ گئے اور میں اس سند کے اعتبار سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دو واسطوں سے منسوب ہوگیا۔ کیونکہ ایک طرف مجھے مولانا سرفراز خان کی وساطت سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت حاصل ہوگئی ہے اور اِنہی کی وساطت سے بواسطہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت حاصل ہوگئی ہے۔

مفتی فاروق صاحب سے اجازت حدیث:

بہاولپور میں مفتی فاروق احمد صاحب تھے (یہ تبلیغی جماعت والے مولانا محمد احمد کے والد ہیں) اُن کے والد مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے لیکن اُن کے پاس سَنَد حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے ہے۔ میں اُن کے پاس حاضر ہوا اور خصوصیت کے ساتھ اُن سے اجازتِ حدیث حاصل کی...... اس طرح حضرت مفتی فاروق احمد کی وساطت سے مجھے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت حاصل ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سَنَد

جب کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی سَنَد بہت عالی ہے اُن کو اجازت تھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے جو حضرت مولانا کے والد کے پیر تھے اور بہت معمر تھے اور براہ راست شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے تو اس طرح سے اُن کی یہ سَنَد بہت

عالی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اجازت حدیث:

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مدینہ منورہ حاضری ہوئی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ نے بھی مجھے اجازت دی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اور مجاز تھے اور وہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد تھے اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ شاگرد تھے تو مجھے یہ نسبت بھی حاصل ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اجازت:

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی میں نے اجازت حاصل کی اور وہ بھی مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں البتہ انہوں نے دوسری مرتبہ بخاری حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پڑھی تھی اُن کی وساطت سے بھی مجھے اپنے ان دو بزرگوں سے نسبت حاصل ہوگئی۔

مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ اجازت:

حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ قدس اللہ سرہ اور مولانا غلام رسول خان رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات براہ راست شاگرد تھے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے بھی مجھے اجازت دی ہے اور اُن کی وساطت سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تک ایک واسطے سے میری سَنَد پہنچ گئی ہے۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اجازت حدیث:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اصل شاگرد حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں لیکن انہوں نے مدینہ منورہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث رحمۃ اللہ علیہ دہلوی مہاجر مدنی کی بیٹی اَمۃ اللہ جو کہ محدثہ تھیں اُن سے اجازت لی اور وہ تحریری اجازت اُنہوں نے مجھے بھی دی۔ اس طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ایک واسطے کے ساتھ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے دو واسطوں سے نسبت حاصل ہوگئی۔

سَنَد عالی کی اہمیت:

طلباء اور علماء جانتے ہیں کہ عالی سَنَد جس میں رجال کا واسطہ کم ہوجائے اس کے لئے لوگ میلوں کا سفر کیا کرتے تھے۔اس لئے ہمارے ہاں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ جن واسطوں کے ساتھ ہمیں یہ اجازت حاصل ہورہی ہے وہ واسطے کم ہیں یا زیادہ ہیں۔

بہرحال اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے زمانے میں جتنے بڑے بڑے محدث موجود تھے ۔میں اُن سب کی خدمت میں حاضر ہوا اور نیازمندی کے ساتھ اُن سے اجازت حدیث حاصل کی۔اور یہ نسبتیں میرے لئے بہت بڑی سعادت ہیں ۔

آج میں اِن طالب علموں کی اِس سلسلے کے ساتھ نسبت قائم کرنے کے لئے اپنی طرف سے روایت حدیث کی اجازت دیتا ہوں۔

بزرگوں کے تذکرے سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے:

ہمارے ہاں اولیاء اللہ کی اتنی قدر ہے کہ اُن کے تذکرے سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے جب ہم اُن حضرات کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دل کے اندر سکون آرہا ہے ...... اور اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دل کے اندر جاگزیں ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔ بزرگوں کا تذکرہ ہمارے لئے باعث برکت ہے۔اس لئے میں نے اپنے اساتذہ کا تذکرہ جو کہ ہمارے اکابر بھی ہیں بہت وضاحت کے ساتھ کردیا ہے تاکہ ان کی برکت سے اللہ کی رحمت کا نزول ہو۔

اکابر پر کامل اعتماد:

مجھے اپنے دیوبند کے ساتھ نسبت والے اور مزید اوپر تک سلسلہ کے اُن اساتذہ کرام پر کس قدر اعتماد اور فخر ہے اس کے اظہار سے عاجز ہوں۔ آپ طالب علم ، ساتھیوں کو کس طرح بتاؤں کہ مجھے اس نسبت پر الحمدللہ اس قدر قلبی طور پر یقین ہے کہ میں اس سے باہر کسی بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ۔۔۔اُن کی طرف سے جو مسئلہ آتا

ہے میں اس پر جم جاتا ہوں اور اس پر اعتماد کر لیتا ہوں اور کسی دوسرے کی طرف طبیعت متوجہ ہی نہیں ہوتی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ:

جیسے کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے **هٰذَا مَا اَعْتَقِدُ** میرا عقیدہ یہ ہے **وَمَنْ قَالَ بِغَيْرِهٖ فَاُذُنِیْ عَنْهُ صَمٌّ**...... میرا عقیدہ یہ ہے اس سے ہٹ کر اگر کوئی شخص بات کرتا ہے تو میرے کان بہرے ہیں ان نسبتوں کے اوپر مجھے اتنا اطمینان ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اسی میں ہماری زندگی گزرے۔

☆ اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔

☆ اور آخرت میں اسی پر اللہ ہمیں اٹھائے۔

اور اسی راستے پر چلائے جس راستے پر یہ لوگ ہمیں چلتے نظر آتے ہیں اور اگر ان کے علاوہ کوئی راستہ نکالتا ہے تو ہم اس کو قابل عمل نہیں سمجھتے ہیں اور ہم اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ ہماری نسبت ہے ہم بانسب بھی ہیں اور بانسبت بھی ہیں۔ اس لئے جب بھی آپ کے سامنے کوئی مسئلہ آئے تو اس کے بیان کرنے والے سے پوچھو کہ ہمارے سامنے اپنی نسبت بیان کرو کہ آپ کی نسبت کن سے ہے اسی سے فیصلہ ہو جائے گا۔

یہ بات جو یہاں تک عرض کی ہے اس میں خالصتاً اپنے آباء کا تذکرہ کرنا مقصود تھا۔

اُولٰئِكَ آبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ

شاعر اپنے آباء کا ذکر کر کے کہتا ہے یہ ہیں میرے آباء جن کا میں ذکر کر رہا ہوں میرے سامنے تم اس قسم کے آباء لاؤ تو سہی جو اُن کے مقابلے میں دکھانے کے قابل ہوں جب مجمع ہو تم اپنے آباء کا ذکر تو کرو۔

ہمارے آباء علم وعمل کے جامع ہیں:

ہمارے آباء اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علم وعمل کے جامع ہیں ہمیں ساری دنیا میں اُن جیسے نظر نہیں آتے۔ جو رتبہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آباء کو دیا ہے اُس کی مثال نہیں ہے اُنہوں نے جو:۔

- صحیح دین......
- صحیح سنت......
- قرآن وحدیث کی محبت وتحفظ......
- شریعت سے عشق وشغف......
- اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت......
- ہم میں بھری ہے اُس کی مثال نہیں ملتی......

علماء کے پاس بیٹھنے والوں کی فضیلت:

آباء واساتذہ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ موجود احباب اور اس مجمع میں تشریف لانے والے جملہ حضرات کو ایک انتہائی خوش کن بشارت سناتا ہوں۔

حدیث میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔۔قیامت کے دن کچھ لوگ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔یعنی نورانی ممبر ہوں گے اور وہ اُن پر مسند نشین ہوں گے۔آگے والے الفاظ دھیان سے سنیں۔فرمایا یَغبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ اس پر انبیاء اور شہداء غبطہ (رشک) کریں گے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ مقام انبیاء شہداء کو حاصل نہیں ہوگا کیونکہ:۔

- نبی کے پاس نبوت والی فضیلت ہے......
- شہید کے پاس شہادت والی فضیلت ہے......

لیکن اُن کا غبطہ اس بات پر ہوگا کہ شہادت اور نبوت کے بغیر عمل کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کس قدر ان لوگوں کو نوازا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے کہ جن کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی غبطہ کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

- اَلْمُتَجَالِسُوْنَ فِیْ اللہ۔ جو اللہ کے تعلق کی بناء پر آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔
- المتزاورین۔ جو ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔
- المتباذلین۔ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

(ابن حبان ص ۳۳۸ ج ۲۔ ترمذی ص ۲/۶۴)

اللہ کی رضاء کے لئے نہ اُن کی آپس میں کوئی رشتہ داری ہے نہ ہی قرابتداری ہے صرف اللہ کے لئے آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور تعلق الٰہی کی بناء پر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نور کے منبروں پر بٹھائے گا ۔

میں آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ آپ کا اہل علم کے پاس بیٹھنا، علماء کی گفتگو اور حدیث سننے کے لئے اِن مجالس میں آنا کیا اللہ کیلئے نہیں ہے؟ کیا آپ یہاں پر نوٹ کمانے یا کاروبار کرنے آئے ہیں؟۔ یہ صرف دینی تعلق ہے یا نہیں؟۔

جب یہ صرف دینی تعلق ہے اور آپ صرف اللہ کی رضا کے لئے آئے، اللہ کے دین کی بات سننے کے لئے آئے، ان کی محبت کی وجہ سے آپ اس مدرسہ میں آئے اور اسی محبت کی بناء پر آپ اِن اہل علم پر خرچ کرتے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ اللہ کی رحمت پر اعتماد کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

المتجالسون، المتزاورین المتباذلین

میں ہم بھی شامل ہیں آپ حضرات کے لئے بھی حدیث میں یہ بشارت موجود ہے۔

آباء کا تذکرہ بھی آ گیا انبیاء کا تذکرہ بھی آ گیا احباب کا تذکرہ بھی آ گیا اب رہ گیا مدرسہ؟

مختصر سی بات عرض کرتا ہوں کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کی اصل یہی مدارس دینیہ ہیں۔ باقی سکول اور کالج کیا ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ سکول اور کالج بھی ٹھیک ہیں اور اُن کی تعلیم بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ ہمیں اس سے کوئی دشمنی نہیں لیکن یہ سکول و کالج اور

اُن کی تعلیم مسلمان کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ یہی سکول و کالج :

- یہودیوں کے بھی ہیں۔
- عیسائیوں کے بھی ہیں۔
- دھریوں کے بھی ہیں۔
- کیمونسٹوں کے بھی ہیں۔
- قادیانیوں کے بھی ہیں۔
- مجوسیوں کے بھی ہیں۔
- بت پرستوں کے بھی ہیں۔
- اللہ اور رسول کے منکروں کے بھی ہیں۔

دنیا کا ہر انسان چاہے وہ کتنا ہی غلط عقیدہ رکھتا ہو یا سرے سے ایمان و اسلام کا منکر ہو سکول و کالج کی تعلیم اُن میں بھی ہے۔ کیونکہ اُس تعلیم سے انسان کی دنیاوی ضرور یات پوری ہوتی ہیں لیکن یہ ایمان و اسلام کی ضروریات پوری نہیں کرتی جبکہ ایمان اور اسلام کی ضروریات ان مدرسوں سے پوری ہوتی ہیں۔ اسلئے مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور مومن کو مومن ہونے کی حیثیت سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے لئے دینی مدارس کا وجود انتہائی ضروری ہے۔

رہے سکول و کالج تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے اپنے ملک پاکستان میں تمام مذاہب کے سکول و کالج موجود ہیں جن میں وہی تعلیم دی جاتی ہے جو مسلمانوں کے سکولوں اور کالجوں میں دی جاتی ہے۔ سب کا نصاب تعلیم اور انداز تربیت یکساں ہے جس میں کافر و مسلمان کی کوئی تفریق اور کوئی خصوصیت نہیں۔ اس کے باوجود ہم سکول و کالج کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے کیونکہ زندگی گزارنے کے لئے

- مکان بنانے ضروری ہیں۔
- پُل بنانے ضروری ہیں۔

❁ سڑکیں بنانی ضروری ہیں۔

❁ مشینری اور ہتھیار بنانے ضروری ہیں۔

آج اگر کوئی سکول اور کالج کی مخالفت کرے تو آپ کہیں گے یہ احمق ہے اس کو دنیا کی ضرورت معلوم نہیں اس لئے کہتا ہے کہ سکول نہ بناؤ کالج نہ بناؤ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انسانوں کی دنیاوی ضروریات کی تکمیل اور اُن کی خدمت کا اپنا ایک مقام ہے لیکن اللہ اور آخرت کو فراموش کر کے صرف عارضی اور ناپائیدار زندگی کو ہی مقصود بنا لینا دانشمندی نہیں۔ جس طرح ہمارا قیام یہاں عارضی ہے اسی طرح یہاں کا انتظام بھی عارضی ہونا چاہیے۔

لیکن غور فرمائیں: میں یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سکول و کالج کی تعلیم مرنے کے بعد کچھ کام نہیں آئے گی کیونکہ مرنے کے بعد انسان کو صنعت کی ضرورت ہوگی نہ کار کی ضرورت، نہ اُسے ریل چاہیے ہوگی نہ ہوائی جہاز۔ گویا یہ سب ایسی ضرورتیں ہیں جو مرنے سے پہلے پہلے انسان کو پیش آتی ہیں۔ لیکن یہ مدارس نہ صرف دنیا کی ضروریات پوری کرتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ قبر اور حشر کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔ اس لئے مدرسوں کی خدمات انتہائی لائق تحسین ہیں۔

میں اللہ کی قسم اُٹھا کر کہتا ہوں کہ جو مدرسے کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مدرسے بیکار ہیں اس کو ایمان کی قدر ہے نہ اسلام کی۔ اگر اُس کو ایمان اور اسلام کی قدر ہوتی تو وہ کہتا کہ زیادہ سے زیادہ مدرسے بناؤ تاکہ لوگوں کا ایمان مضبوط ہو۔ اور لوگوں کو اسلام کا پتہ چلے۔ جہاں صبح و شام ایمان و اسلام کی تعلیم ہو اور عام آدمی کو دینِ اسلام کے بارے میں رہنمائی ملے۔ اگر مدرسے نہ ہوتے تو ہم صحیح مسلمان نہ رہ سکتے۔

ان مدارس کی کی اہمیت کا انکار کوئی عقل کا اندھا ہی کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مدارس مسلمانوں کے دین اور ایمان کے محافظ ہیں اور ان کی مخالفت ایمان اور اسلام کی مخالفت ہے۔

صحیح بخاری کی آخری حدیث کی تشریح:

اب آئیں کتاب کی طرف۔میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ جب ہم نے آخری حدیث کی تلاوت کی تھی کتاب اُسی پر ختم ہوگئی تھی مختصراً چند باتیں عرض کردیتا ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب اپنے انداز کی نرالی اور عام اسلوب سے کافی مختلف ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں سب سے پہلے **انما الاعمال بالنیات**...... والی روایت ذکر کی۔اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اخلاصِ نیت کی تلقین کی ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہر کام میں اللہ کی رضا کی نیت ہونی چاہیئے اس کی رضا کی نیت ہوگی تو نیکی قبول ہوگی اور اگر رضاء الٰہی کی نیت نہ ہوتو بظاہر کام کتنا ہی خوبصورت ہو وہ قبول نہیں ہوگا۔حتیٰ کہ اس روایت کو ایمان سے بھی پہلے ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہی قبول ہے جو اللہ کی رضا کے لئے ہو ورنہ دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے منافقانہ ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور ایسے ہی اگر جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا جائے تو وہ بھی قبول نہیں ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔اورآپ کے سامنے آکر کہتے ہیں۔

نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔

آپ ﷺ کی مجلس میں آپ سے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ رسول ہیں لیکن میں گواہ ہوں یہ جھوٹے ہیں یہ جھوٹ بولتے ہیں اُن کے دل میں کچھ اور ہے اس لئے کہ اللہ کی رضاء اخلاصِ نیت سے ملتی ہے۔

آگے مسائل کی باتیں آرہی ہیں ایمان آئے گا، پھر علم آئے گا جہاد آئے گا آخر میں امام بخاری نے کتاب التوحید ذکر کی ہے گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاتمہ توحید پر کیا ہے کہ توحید ہی ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جس کی بناء پر آخرت میں نجات ملے گی لیکن اس

کتاب التوحید کے اختتام پر سب سے آخر میں تقریباً پانچ ہزار ابواب میں سے یہ باب وزن اعمال کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قائم کیا ہے۔ اور اس میں قرآن کریم کی آیت ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ترازو قائم کریں گے اور اعمال اس ترازو میں تُلیں گے اور بنی آدم کا ہر قول و عمل لایا جائے گا اور اس کو تولا جائے گا۔

کن کے اعمال کا وزن ہوگا:

اب یہ بحث کہ کن کے اعمال تولے جائیں گے کن کو بغیر تولے اللہ تعالیٰ جنت میں بھیج دے گا؟ یہ بہت وسیع بحث ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی اللہ تعالیٰ بلا حساب جنت میں بھیجیں گے اُن کا حساب نہیں ہوگا۔ (بخاری ۲/۸۵۰) وہ کون ہیں اُن کی صفات بھی حدیث میں ذکر کی گئی ہیں۔ اُس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے البتہ صرف ایک بات ذکر کرتا ہوں کہ مشکوٰۃ باب الحشر میں ایک روایت آتی ہے کہ جب اہل ایمان حساب دینے کے لئے کھڑے ہوں گے تو کافروں کو علیحدہ کر دیا جائے گا کیونکہ کافروں کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اُن کا کوئی عمل تولا جائے گا۔

کون سے اعمال تولے جائیں گے:

تولے اُن کے اعمال جائیں گے جن کے پاس نیکی بھی ہو بدی بھی ہو اگر کسی کے پاس صرف نیکیاں ہی ہیں بدی کوئی نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اُن کے لئے کوئی ترازو نہیں لگے گا اور ایسے ہی جس کے پاس صرف بدیاں ہی ہیں نیکی کوئی نہیں اُس کے لئے بھی ترازو نہیں لگے گا یہ حضرات بغیر تول کے جنت اور جہنم کی طرف جائیں گے اور اعمال کا ترازو اُن لوگوں کے لئے قائم کیا جائے گا جن کے پاس نیکیاں بھی ہوں گی اور بدیاں بھی ہوں گی۔

شب بیداری کی فضیلت:

قیامت کے دن جب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو اعلان ہوگا۔

اَیْنَ الَّذِیْنَ کَانَتْ تَتَجَا فٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؟ (مستدرک حاکم ص۴۳۳ ج ۲، تفسیر طبری ۱۸۶/۳۰)

کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو عملاً بستروں سے علیحدہ رہا کرتے تھے وہ بستروں پر لیٹتے نہیں تھے اور رب کو پکارتے تھے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے۔؟ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو تہجد گزار ہیں۔ جب سب لوگ بستروں کے اُوپر لیٹے ہوئے تھے اور اُنہوں نے اپنے پہلوؤں کو بستروں سے علیحدہ کیا ہوا تھا اور وہ ایسے وقت میں نماز پڑھتے تھے جس وقت کہ لوگ سوئے ہوئے تھے تو کہاں ہیں وہ لوگ؟

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ تھوڑے سے لوگ ہوں گے جب وہ کھڑے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم بغیر حساب جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس فضیلت کو حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ آپ عشاء کے بعد جلدی سو جائیں اور اگر ٹی وی اور فلمیں وغیرہ دیکھتے ہوئے سوئیں آپ تین بجے کے بعد پھر تو فجر کی نماز ہی رہ جائے گی تہجد کیا پڑھیں گے؟ کیونکہ جو ہمارا سونے کا وقت ہوتا ہے اُس میں ہم جاگتے ہیں اور جو جاگنے کا وقت ہوتا ہے اُس میں ہم سوتے ہیں۔ بہرحال یہ وزن اعمال کی بات آئے گی۔

اعمال کا وزن کیسے ہوگا:

باقی یہ بحث کہ قول اور عمل کا وزن کیسے ہوگا؟ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا وزن نہیں ہے تو اُس کو کیسے تولا جائے گا؟ جیسے کہ پرانے زمانے میں معتزلہ کہتے تھے تو اس پر علماء نے معتزلہ کو اس بات کے بہت سے جوابات دیئے ہیں جس کی تفصیلات آپ اپنے اساتذہ کرام سے سنتے رہیں گے بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

❀ ❀ ❀

مسلمانوں کے زوال کا سبب

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

بمقام: جامعہ دارالقرآن مسلم ٹاؤن فیصل آباد

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: رجب ۱۴۲۵ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْن وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

اَمَّا بَعْد!

فبا لسندالمتصل منا الٰی امیر المومنین فی الحدیث

محمد بن اسماعیل البخاریؒ

قال باب قول اللّٰہ ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ وان اعمال بنی آدم وقولھم یوزن

وقال مجاھد القسطاس العدل بالرومیۃ ویقال القسط مصدر المقسط وھو العادل واما القاسط فھو الجائر

بھقال حدثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارۃ بن القعقاع عن ابی زرعۃ عن ابی ھریرۃؓ

قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان

سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم۔۔

سب حضرات محبت وشوق سے پڑھ لیں:

سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔

استغفر اللّٰہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ!

(صحیح بخاری ص ج)

تمہید:

حضرات !میرے علم کے مطابق دارالقرآن میں طالبات کیلئے دورۂ حدیث شریف چھ سال سے ہورہا ہے اوراب یہ چھٹی جماعت فارغ ہورہی ہے اور جس طرح محترم قاری صاحب نے بتایا ہے کہ اگلے سال سے طلباء کے درجہ میں بھی دورہ حدیث شریف کا افتتاح ہورہا ہے۔ اس طرح آئندہ سال سے طلباء و طالبات کی مکمل تعلیم یہاں دارالقرآن میں شروع ہوجائے گی ۔ یہ حضرت قاری صاحب کی محبت اورمہربانی ہے کہ وہ مجھے مسلسل چھ سال سے اس موقع پر حاضری اورثواب و برکات میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔**الحمدللہ** ہرسال اس ماحول کورُوبہ ترقی دیکھتا ہوں اور یقین جانئے کہ اس منظرکو دیکھ کر جواس وقت اسٹیج پرآپ مردحضرات کے سامنے ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایسا ہی منظر زنانہ درجہ میں مستورات میں بھی ہوایمان تازہ ہوگیا ہے۔ **اللھم زد فزد**

اہل دل کیلئے بہار:

اور وہی بات جسے فارسی شاعر کہتا ہے

بہار عالم حسنش دل وجان تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

کہ اپنے ظاہر کے ساتھ یہ ظاہر بینوں کے لئے ایک بہار ہے۔اوراُس کے اندر جو برکات ہیں وہ اہل دل کے لئے ایک بہار سے کم نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کوان برکات میں شریک فرمائے اوراللہ تعالیٰ ہمیں یہ سب برکات نصیب فرمائے۔

یہاں تعلیم تو اعلیٰ انداز کی ہے ہی ۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے اس اسٹیج کی ایک خوش کن بات یہ دیکھی کہ جب بھی آنا ہوا،حق کی آواز کو بہت زوردار انداز میں اس اسٹیج سے اُٹھتے اور بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی ایک بہت ہی رُوح افزا، ایمان

افزا اور دلوں کو قوت دینے والی بات ہے کہ یہاں سے آوازِ حق عین موقع محل کے مطابق پوری قوت کے ساتھ بلند ہوتی ہے۔ اور ہم سب کے لئے رہنمائی کا باعث بنتی ہے میرے بھائی قاری منصور احمد نے بہت ایمان افروز بیان فرمایا ہے، ان کی انتہائی قیمتی باتوں کو دہرانے کی ہمت ہے اور نہ ہی وقت۔ البتہ اتنا عرض کرتا چلوں کہ مَیں اُن کی بھرپور تائید کرتا ہوں۔ اور جو کچھ اُنہوں نے کہا یہی آپ میرے دل کی آواز سمجھیں۔ میرے جذبات قاری صاحب کے جذبات کے بالکل مطابق ہیں اور مَیں اُن کے بیان میں اُن کے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔

آوازِ حق دبانے سے ابھرتی ہے:

بات زبان پر آ ہی گئی تو کہہ دوں کہ عام طور پر ایک فقرہ آپ حضرات بولتے اور سنتے ہیں اور وہ ہے بھی اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے بالکل صحیح کہ:

مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ جب تک یہ مدارس باقی ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں

چند سالوں کے اندر جو مدارس کی تعداد بڑھی ہے آپ کے علم میں نہیں ہمیں پتہ ہے۔ ان پانچ چھ سالوں کے اندر وفاق المدارس کے ساتھ ملحق مدارس دس گنا بڑھ گئے ہیں۔ جب سے اِن کے مٹانے اور اِن کی مخالفت کا زور آیا تو دن بدن نئے مدارس کھل رہے ہیں اور اور طلباء کی تعداد بھی مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اتنی تعداد مدارس میں پہلے نہیں ہوتی تھی جتنی کہ اب ہے۔ اور پھر خاص طور پر ان چھ سات سالوں میں طالبات کے اتنے مدارس کھلے ہیں کہ آپ کے وہم وگمان میں بھی نہیں۔ شاید ہی اب پاکستان کا کوئی شہر ایسا ہوگا کہ جس میں کئی کئی مدرسے طالبات کے نہ کھلے ہوں اور آپ اس بات کو سن کر حیران ہوں گے کہ وفاق المدارس جو پاکستان میں مسلک دیوبند کی نمائندہ تنظیم ہے جو مدارس کے امتحانات کا انتظام کرتی ہے۔ اُس کے مطابق اب امتحانات کے ہر درجے میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں کے مقابلے میں بڑھتی جارہی ہے۔ اس سال دورہ حدیث شریف کے امتحان میں طالبات کی تعداد طلباء کے مقابلے میں ایک ہزار زیادہ ہے اور

یہی حال باقی سب درجات کا ہے۔تو مستورات میں اور گھروں میں بھی یہ تعلیم چلی گئی جتنی مخالفت ہوئی اتنا ہی اللہ تعالیٰ نے اُس کو پھیلایا ہے۔

میرے ذہن میں یہ بات آرہی ہے کہ یہ عنوان بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ مدارس اسلام کا قلعہ ہیں۔اس عنوان سے میں اختلاف نہیں کررہا لیکن اگر تھوڑا سا نیچے اُتر کر سوچا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام مسلمانوں کا قلعہ ہے اور یہ مدارس اسلام کے نمائندہ ہیں ۔یہ تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ اگر تم نے بچنا ہے تو اسلام میں داخل ہوجاؤ کیونکہ جو چیز قلعے میں آجاتی ہے وہ محفوظ ہوجاتی ہے اسلام مسلمانوں کا قلعہ ہے اگر مسلمان صحیح طور پر مسلمان ہوجائیں تو یہ محفوظ ہوجائیں گے اور ہم جو ذلیل و رسواہوئے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا قاری منصور صاحب کی تقریر کا سارا نچوڑ یہی تھا ہمارے ذلیل وخوار ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اسلام کو چھوڑا اور اسلام سے دُوری اختیار کی۔ اور ہم عیسائیوں اور یہودیوں کے پیچھے لگے، اُن کی تہذیب اپنائی، اُن کا تمدن اپنایا اور اُن کی شکل وصورت کو اپنایا تو جس طرح سے ذلت اور مسکنت اُن پر مسلط کی گئی تھی ویسے ہی ہم پر طاری ہوگئی۔

بہرحال سرور کائنات ﷺ نے جس وقت مدینہ طیبہ میں باہر کے ممالک کو دعوت دینی شروع کی تو بڑے بڑے بادشاہوں کو یہ لکھا تھا اَسْلِمْ تَسْلَمْ...... صحیح بخاری (ص۱/۴) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ھرقل کے نام خط چھپا ہوا ہے۔اس میں حضور ﷺ اُس کو خطاب کرکے کہتے ہیں اسلم تسلم...... تو مسلمان ہوجا بچ جائے گا ...... یہ بادشاہ کو خطاب ہے...... یہ کہیں نہیں آیا کہ آؤ لوگو اسلام کو بچالو۔

- لوگو اسلام کو بچاؤ اسلام کوخطرہ ہے۔
- قرآن کو بچاؤ قرآن کوخطرہ ہے۔

یہ کہیں بھی نہیں آیا۔ یہ آیا ہے کہ مسلمان ہوجاؤ بچ جاؤ گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قلعہ ہے مسلمانوں کا اگر ہم اس قلعے سے باہر نکلیں گے تو دشمن کا شکار ہوجائیں گے۔

نقلی یہودی نقلی عیسائی:

پھر ایک یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ایک اصلی چیز ہوتی ہے اور ایک نقلی چیز ہوتی ہے۔ نقلی چیز ظاہری طور پر کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو آپ جانتے ہیں کہ اُس کی حیثیت نمبر دو کی ہوتی ہے۔ نمبر دو کا لفظ تو آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں جیسے کہ ہر چیز کا نمبر دو ہے۔ بناوٹی چیزیں چلتی ہیں ادویات ہوں دوسری چیزیں ہوں اصلی اور نقلی کا فرق آپ خوب جانتے ہیں۔ اب ایک تو اصلی یہودی ہے اور ایک اصلی عیسائی ہے اور ایک نقلی یہودی اور نقلی عیسائی ہے کہ اندر سے تو ہے مسلمان اور اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور شکل وصورت بنائے عیسائیوں اور یہودیوں کی۔

- تمدن اختیار کرے عیسائیوں اور یہودیوں کا۔
- تہذیب اختیار کرے عیسائیوں اور یہودیوں کی۔

تو یہ لوگ نقلی عیسائی اور نقلی یہودی ہوئے نمبر دو عیسائی اور نمبر دو یہودی ......تو اُن پر ذلت اصلی یہودیوں اور اصلی عیسائیوں سے بھی زیادہ آئے گی ......اب اگر ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم کتنے معاملات میں نقلی عیسائی اور نقلی یہودی بنے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال کی دعوت فکر:

یہ میں نہیں کہہ رہا آپ کے مسلمہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اُمت کیلئے بہت اچھی نصیحتیں کی ہیں۔ اور قاری صاحب بھی فرما رہے تھے کہ تم نے قرآن تو کیا سمجھنا تھا ڈاکٹر اقبال کو بھی نہیں سمجھا۔ اگر ڈاکٹر اقبال کو سمجھ لیتے تو بھی مسلمانوں کا مزاج سیدھا ہو جاتا ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ آپ سنتے رہتے ہوں گے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
تم مسلماں ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تمہاری شکل عیسائیوں جیسی ہے اور تمہارا رہنا سہنا ہندوؤں جیسا۔تم مسلمان ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔ یہ کسی مولوی کا فتویٰ نہیں ہے یہ ڈاکٹر محمد اقبال کا فتویٰ ہے۔تمہارا رہنا سہنا، شادی بیاہ وغیرہ سب ہندوؤں جیسا ہوگیا۔شکل وصورت عیسائیوں جیسی ہوگئی۔اب صبح صبح دیکھا کرو جس وقت سکول کھلتے ہیں۔۔بچپن سے ہم نے یہ نقلی کام کیا ہے تو آخر تک نقل ہوتی چلی گئی۔اب جس طرح سے وہ پھٹکارے ہوئے ہیں ہم بھی پھٹکارے ہوئے ہیں۔شکلیں ہم نے عیسائیوں جیسی بنالیں۔تمدن ہم نے ہندوؤں جیسا اختیار کرلیا۔اسی لئے ڈاکٹر اقبال کہتا ہے کہ تمہاری اس دورُخی کو دیکھ کر یہودی بھی شرماتے ہیں۔۔اِسی ایک شعر کے مفہوم کو ہی اگر سمجھ لیں تو معلوم ہوجائے کہ یہ شکل اور یہ تمدن اختیار کرنے کے ساتھ ہم نقلی ہندو، نقلی عیسائی اور نقلی یہودی بن گئے ہیں اس لئے جتنی پھٹکار اُن پر پڑتی تھی آپ جانتے ہیں کہ نقلی چیز پر اُس سے زیادہ پڑتی ہے۔ ہماری بربادی کا یہ سبب بن گیا۔

مومن کے چہرے پہ رعب ہوتا ہے:

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اسلام میں مکمل داخل ہوجائیں اور ہم سب کے سب مجاہدینِ اسلام کی شکلیں بنالیں تو یہ کافر اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہماری شکلوں کا تصور کرکے ڈرجائیں۔لیکن جب آپ نے شکلیں ہی اُن جیسی بنالیں تو اُنہیں آپ سے کوئی خوف کوئی خطرہ کیوں محسوس ہونے لگا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں داخل ہونا مسلمان کے لئے تحفظ ہے اور یہ نہیں کہ مسلمان اسلام کو بچاتا ہے۔اسلام تو نہ صرف خود بچتا ہے بلکہ اپنے اپنانے والے کو بھی بچاتا ہے۔

- اللہ کا دین ہے......
- اللہ اس کا محافظ ہے......

ہم اسلام اختیار کریں گے تو بچ جائیں گے وہ فقرہ بھی ظاہری طور پر ٹھیک کہ مدارس دین کا قلعہ ہیں لیکن یہ فقرہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام مسلمانوں کے

لئے قلعہ ہے اور مدارس اس کے نمائندہ ہیں جو تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ آجاؤ اسلام میں داخل ہو جاؤ تم بچ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اس عذاب سے تمہیں نجات دے گا جو عذاب تم پر اس وقت مسلط ہے۔

کفر کا غلبہ عذاب الٰہی ہے:

دنیاوی طور پر کفر کا غلبہ عذاب سے کم نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰؑ کی اُمت بنی اسرائیل کے بارے میں آیا ہے **یسو مونکم سوء العذاب**...... فرعونی تمہیں بہت بدتر عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے......

تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے......

اس کو **سوء العذاب** کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اس **سوء العذاب** سے بچنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہی بیان کیا ---ایمان باللہ--- ایمان بالرسول--- جہاد فی سبیل اللہ ---یہ سبق پڑھو گے تو **سوء العذاب** سے بچو گے اور اگر یہ سبق بھول جاؤ گے تو پھر **سوء العذاب** کا شکار ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ دوسرے نمبر پر میں ان بچوں اور ان کے والدین کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہدایت دی اور صحیح راستے پر چلایا۔

عقیدہ معاد:

معاد کا مطلب ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور قیامت کا آنا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب و کتاب کے لئے پیش ہونا جنت اور دوزخ کا عقیدہ۔ یہ ایسا ہے جیسے اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا عقیدہ، اب جیسے اللہ کی توحید کا انکار کفر ہے اور سرور کائنات ﷺ کی رسالت کا انکار کفر ہے تو اسی طرح سے قیامت کا انکار، جنت دوزخ کا انکار، مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا انکار بھی اسی طرح کا کفر ہے۔ یہ تینوں عقیدے برابر کے ہیں۔ **الحمد للہ** ہم مسلمان ہیں ہمارا آخرت کے متعلق عقیدہ ہے اور اللہ کی توفیق کے ساتھ توحید کے متعلق عقیدہ ہے سرور کائنات ﷺ کی رسالت پر ہمارا

ایمان ہے اور قیامت کے دن پر بھی ہمارا ایمان ہے۔اب جب قیامت کے دن پر ہمارا ایمان ہے تو اپنی اولاد کے بارے میں ہماری سوچ میں تھوڑی سی تبدیلی ضرور ہونی چاہیئے۔

اولاد کیلئے آخرت کی فکر کیجئے:

اللہ تعالیٰ اولاد دیتا ہے تو والدین اُسی وقت سے فکر شروع کردیتے ہیں کہ اِس کی تعلیم اچھی ہونی چاہیئے تاکہ بڑا ہوکر اچھا ملازم ہوجائے اِس کی تنخواہ اچھی ہو اِس کے لئے آمدنی کے ذرائع بنائیں ۔اِس کے لئے جائیداد بنائیں۔ اِس کے لئے مکان چھوڑیں اور اِس کیلیے ذخیرہ کریں۔ ہر ماں باپ اولاد کے لئے یہ سوچتا ہے اور اِس سوچ کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے بعد بچوں کو کوئی تکلیف نہ ہو اور ہمارے بعد بچے راحت اور آرام کے ساتھ وقت گزاریں۔ یہ ہماری سوچ صرف اِس دنیا کے اعتبار سے ہے۔اور اِس سوچ میں کافر اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔کافر بھی یہی سوچتا ہے، مسلمان بھی یہی سوچتا ہے کہ اولاد کے لئے دنیا میں راحت کے اَسباب ہونے چاہئیں کوئی جائیداد بنا کے چھوڑیں۔

- کوئی مکان چھوڑیں......
- کوئی دکان چھوڑیں......
- کوئی مال و دولت چھوڑیں......
- کوئی سواری چھوڑیں......
- کچھ سرمایہ چھوڑیں......

ان کو اچھی تعلیم دلائیں تاکہ ان کا مستقبل اچھا ہوجائے۔یاد رکھیں کافروں کا مستقبل تو صرف موت تک ہے لیکن ہمارا مستقبل تو بہت آگے ہے۔سوجس طرح ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچے خوشحال زندگی گزاریں اسی کے ساتھ یہ بھی سوچنا شروع کردیں کہ یہ بچے اپنے مرنے کے بعد بھی خوشحال زندگی

گزاریں۔یعنی ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچوں کا کیا ہوگا ؟اس کے ساتھ ساتھ یہ سوچ بھی رکھیں کہ اِن بچوں کے مرنے کے بعد اِن کے ساتھ کیا ہوگا ؟۔اپنی اولاد کے لئے جیسے دنیا کو آباد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح اِس اولاد کی آخرت کو بھی آباد کرنے کی کوشش کی جائے۔یہ سب کچھ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ماں بچیوں کو دین کی تعلیم دے۔ باپ تعلیم کی سرپرستی کرے اور دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی تعلیم، ایمان کی حفاظت اور اچھے اخلاق کا سکھانا جس طرح مردوں کا فرض ہے اسی طرح عورتوں کا بھی فرض ہے۔

بچے کی بہترین تربیت گاہ ماں کی گود ہے:

بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ مستورات کے اوپر یہ فرض زیادہ عائد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بچہ ابتدائی عمر ماں کی گود میں گزارتا ہے۔ اگر ماں اُس کو اللہ کے لفظ سے مانوس کرے اور ماں اُس کے سامنے قرآن کریم پڑھے تو بچے کا ذہن اُس کے ساتھ ساتھ مانوس ہوتا چلا جائے گا۔بچوں کی فطرت ہے کہ وہ نقال ہوتے ہیں۔عام طور پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچے اپنی ماؤں کی نقل اتارتے ہیں۔ مائیں جب مصلے پر نماز پڑھتی ہیں تو وہ بھی مصلے پر آکر اُلٹے سیدھے ہونا شروع کردیتے ہیں وہ بھی کپڑا لے کر سر ڈھانپنا شروع کردیتے ہیں۔رکوع سجدے کی نقل اتارتے ہیں۔

بچہ جب ماں کی گود میں بولنا شروع کرتا ہے اگر آپ اللہ اللہ کریں گے تو بچے کی زبان پر بھی اللہ آئے گا آپ بسم اللہ پڑھیں گے تو بچے کی زبان پر بھی بسم اللہ آئے گا، آپ لا الہ الا اللہ پڑھیں گے تو بچہ بھی لا الہ الا اللہ پڑھے گا۔ اصل تربیت کی ابتداء ماں کی گود سے ہوتی ہے۔ بچے کا ذہن ماں کی گود میں بنتا ہے وہی ذہن آگے کام آتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اُس کو نماز پڑھنے کا حکم دو دس سال کا ہوجائے تو اُس کو مار کے نماز پڑھاؤ اور بچے کو نمازی بناؤ۔ (ابوداؤد ص ۷۱/۱) سات سال والے کو ترغیب دے کر نماز پڑھاؤ

لیکن آپ جانتے ہیں کہ سات سال کا بچہ نماز تب ہی پڑھے گا۔

- جب اس کو طہارت حاصل کرنا آئے......
- جب اس کو استنجاء کرنا آئے......
- جب اس کو وضوء کرنا آئے......
- جب اس کو نماز کے کلمات یاد ہوں......
- جب وہ سبحانک اللہ یاد کرلے......
- جب وہ سورۂ فاتحہ یاد کرلے......
- جب وہ سبحان ربی العظیم کہہ سکے......
- جب وہ تشہد یاد کرلے......

وہ تب ہی تو نماز پڑھے گا تو سات سال کی عمر تک اس کو یہ ساری باتیں یاد ہونی چاہئیں تاکہ آپ اس کو کہیں کہ وہ نماز پڑھے۔ اور بچے کی یہ تمام عمر ماں کی نگرانی میں گزرتی ہے۔ معلوم ہوا ماں آہستہ آہستہ اگر سکھائے تو سب کچھ سکھا سکتی ہے۔ اور اگر ماں نہیں سکھائے گی تو بچہ نہیں سیکھے گا۔ گویا بچے کی ابتدائی تربیت تمام کی تمام ماں کی گود سے ہوتی ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا عِنْدَاللہ فضائل اعمال میں یہ لکھا ہے کہ میرے والد نے جب ماں کا دودھ چھوڑا تھا تو تقریباً ایک پاؤ قرآن اُن کو یاد ہو چکا تھا۔ ماؤں کی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ابتداء سے دین دار ہوتا ہے۔ اس لئے ماؤں پر ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے۔

اشاعت دین میں عورتوں کی ذمہ داری:

اب چند گزارشات میں اپنی بہنوں، بیٹیوں سے کرنا چاہوں گا کہ آپ پر دین پڑھنے کے بعد بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوگئی ہے۔ یہ قرآن وحدیث جو آپ نے پڑھا ہے آگے اس کی اشاعت، گھروں کے اندر اس کو پھیلانا اور اس کی روشنی میں

خود اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیوں کو بدلنا یہ آپ خواتین کا اُسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں کا فرض ہے۔اس کی تعلیم واشاعت کی ذمہ دار آپ بھی اسی طرح ہیں جس طرح مرد ہیں۔ کیونکہ دین ہماری مشترکہ متاع ہے۔ آپ نے اسلام کی اشاعت میں خواتین کی کوششوں اور قربانیوں کی داستانیں ضرور پڑھی ہوں گی ذرا توجہ فرمائیں:

سب سے پہلے ایمان لانے والی عورت:

آپ کو معلوم ہے کہ سرور کائنات ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی تھی تو اس وحی پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہماری ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں گویا یہ شرف مستورات کو حاصل ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے جس طرح سب سے پہلے ایمان لانے والی ایک عورت ہے۔ اسی طرح اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ بھی ایک عورت ہے۔

پہلی شہیدہ

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام آنے اور اُسے قبول کرنے کے بعد کفر سے ٹکراؤ شروع ہوا تو جہاں اور بہت سے صحابہؓ کفار کے مظالم کا شکار بنے وہاں خاص طور پر ایک گھرانے نے اپنی قربانیوں کی لازوال داستان رقم کی ۔حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اُس گھرانے کی ملکہ تھیں ۔ یہ حضرت عمارؓ کی والدہ اور حضرت یاسرؓ کی بیوی تھیں۔اُن کو بدبختِ زمانہ ابوجہل نے شہید کیا اور اتنی بے دردی سے شہید کیا کہ آج بھی اُس کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سنا ہی ہوگا آپ نے کہ اُس ظالم نے اسلام سے روکا ۔ یہ نہیں رُکیں ۔ ہر قسم کا تشدد کیا لیکن یہ باز نہیں آئیں۔ تو ابوجہل نے دو اُونٹ لئے ۔۔۔ ایک اُونٹ کے ساتھ حضرت سمیہؓ کی ایک ٹانگ اور دوسرے اُونٹ کے ساتھ دوسری ٹانگ باندھ دی اور اونٹ مخالف سمت چلا کر بدن کے دوٹکڑے کر دیئے۔اس طرح حضرت سمیہؓ نے دولخت ہو کر اسلام کی آبرو بچائی اور اسلام کی پہلی شہیدہ ہونے کا شرف حاصل کیا۔اسلام کی تاریخ خواتین کی دینی خدمات اور قربانیوں کے بے مثال

واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ابتداء اسلام سے عورتیں اس دین کی خدمت اور دین کے لئے تشدد اور مشقت برداشت کرنے میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔ اور اب بھی اُن کو دین کے ہر معاملے میں مردوں کے ساتھ برابر شریک رہنا چاہئے۔

- دین کی اشاعت میں......
- دین کی تبلیغ میں......
- دین کو پھیلانے میں......

مردوں سے بڑھ کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ خاص طور پر اس الحاد اور بے دینی کے سیلاب کو روکنے میں ان کی خدمات زیادہ مؤثر ثابت ہوسکتی ہیں۔

آپ علم کی ترویج واشاعت میں اپنی تاریخ کے تابناک دور پر ضرور نظر ڈالیں دیگر امور کے علاوہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بھی عورتوں میں انتہائی قابلِ رشک رہا۔۔ مردوں نے عورتوں سے پڑھا، عورتوں نے مردوں سے پڑھا اور یہ سلسلہ اول سے چلا آرہا ہے کہ ازواج مطہرات نے حضور ﷺ کی باتیں نقل کیں۔۔۔ مردوں نے سنی آگے نقل کیں تو مرد عورتوں کے شاگرد بنے۔ اور مردوں سے عورتوں نے سنا۔ حدیث شریف کی اسناد دیکھنے والے جانتے ہیں کہ سند کے اندر عورت سے مرد روایت کرتا ہے مرد سے عورت روایت کرتی ہے۔ یہ سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے چلتا رہتا ہے۔

حضرت بنوری سے اجازت حدیث:

حتیٰ کہ مجھے خود ایک خاتون کا بالواسطہ شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے وہ اس طرح کہ مجھے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت حدیث کی اجازت ہے۔ (یاد رہے کہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں اصل اُستاد مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس تھے)

مولانا عبدالغنی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی استاد ہیں یعنی اگر سلسلہ درس کو دیکھیں تو مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہو پر سید انور

شاہ کشمیری اور اُن کے اوپر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر ہیں شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی گویا کہ چوتھے نمبر پر آتے ہیں۔لیکن ہمارے ہاں بزرگوں سے اجازت لینے کا ایک طریقہ ہے۔اس طریقے سے بعض اوقات واسطے کم ہوکر سَنَد عالی ہو جاتی ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سَنَد جو مجھے لکھ کر دی ،اُس میں لکھا ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں مولانا عبدالغنی کی بیٹی امۃ اللہ سے بھی اجازت لی ہے اور وہ میری شیخ اجازت ہیں۔ امۃ اللہ مدینہ منورہ میں اس وقت حیات تھیں انہوں نے حدیث اپنے والدِ گرامی سے پڑھی تھی اور وہ محدثہ تھیں اور دوسروں کو اجازت دیتی تھیں۔ جب حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ منورہ تشریف لے گئے تو اُن سے بھی اجازت لی۔اور اس امۃ اللہ کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ سَنَد میں کیا جس کی وجہ سے دو واسطے کم ہوکر سَنَد عالی ہوگئی ۔گویا سیدہ امۃ اللہ برد اللہ مضجعھا میری دادا استاد ہیں۔

یاد رکھیں علمِ دین جس طرح مردوں کی وراثت ہے اسی طرح عورتوں کی بھی وراثت ہے ۔ بے شمار مرد عورتوں سے پڑھے ہیں اور بے شمار عورتیں مردوں سے پڑھی ہیں۔عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے پڑھنا کوئی نئی بات نہیں ۔ یہ سلسلہ پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے۔

احناف رحمہم اللہ کی خدمت حدیث:

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مدارس کھل گئے ہیں حدیث کا تذکرہ بھی عام ہوگیا اور اتنا عام ہوگیا کہ اب اعتراض کی گنجائش نہیں رہی ۔جو لوگ کہتے ہیں کہ احناف رحمۃ اللہ علیہ نہیں جانتے یا حنفی حدیث کا خیال نہیں کرتے۔اب جس طرف آپ چلے جائیں ،جس شہر میں چلے جائیں ختمِ بخاری کے اشتہارات آپ کو نظر آئیں گے یوں لگتا ہے کہ صحیح البخاری پر تو احناف کا ہی قبضہ ہے۔اس لئے اب اس الزام کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا چرچا جتنا احناف رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کیا۔

احناف میں تعصب نہیں ہے:

اب درمیان میں ایک بات اور بھی کہہ دوں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بعد آئے ہیں ۔ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ولادت پہلی صدی ہجری میں ہوئی اوروفات 150 ھ میں ہوئی۔جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ولادت 194 ھ میں ہوئی اور 256 ھ میں ان کی وفات ہوئی۔گویا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وفات کے 44 سال بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ۔اور یہ تیسری صدی کے شخص ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض مسائل میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ساتھ اختلاف تھا اور اس اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے کہیں کہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت شدت اختیار کی اور بہت سخت زبان استعمال کی ہے ،ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اختلاف کرتے ہوئے **قال بعض الناس**...... کا جملہ استعمال کیا۔کوئی چوبیس پچیس مقامات ایسے ہیں جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اعتراضات کئے ہیں۔ نام تو حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں لیا لیکن مراد وہی ہیں۔ اور بسا اوقات تلخی کے انداز میں ذکر کیا۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اختلافات کے باوجود ہم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو سینے سے لگایا۔ پڑھا، اور پڑھایا اور ہم نے نہیں ہمارے تمام اکابر نے اور جہاں پر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعتراض کرتے ہیں تو ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اعتراض بھی نقل کرتے ہیں اعتراض نقل کرتے ہوئے کوئی بے ادبی کا لفظ زبان سے نہیں نکالتے ۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قول، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا۔امام بخاری نے یہ کہا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعتراض ہے اور پھر ہم اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔علماء احناف نے ہر جگہ پورے جواب اُن کے دیئے لیکن مجال ہے کہ کہیں ادنیٰ بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہو۔اس اختلاف کو رحمۃ اللہ۔۔ رحمہ اللہ کے الفاظ کے ساتھ بڑے پیارے انداز میں ذکر کرتے ہیں۔

اختلافات کا حل:

اور اسی طرح سے فقہ پڑھاتے ہوئے بھی صبح سے شام تک ہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مالک رحمۃ اللہ علیہ فقہی اختلافات کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اختلاف واعتراض میں حد درجہ ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے اور دعائیہ جملوں کا استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح سے میں نے یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لیا تو رحمہ اللہ کہا اسی طرح صبح وشام اختلافات کا تذکرہ ہوتا ہے جس میں کوئی تلخی نہیں ہوتی۔ کوئی لڑائی نہیں ہوتی ۔کسی قسم کا فساد نہیں ہوتا۔۔۔ یہ احناف رحمۃ اللہ علیہ وسعت ظرفی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اختلاف کے باوجود بھی بخاری کو اپنے سینے سے لگایا، پڑھا اور پڑھایا۔

دوسری طرف ہمارے بعض بھائی اس قسم کے بھی ہیں (اللہ ان کو ہدایت دے) کہ ان اختلافات کو انہوں نے اتنا تلخ بنا دیا ہے کہ آئمہ کرام کے نام بھی سیدھے طریقہ سے نہیں لیتے رحمہ اللہ کہنا تو بہت دُور کی بات ہے ۔یہ لوگ اُمت میں خواہ مخواہ فساد کا ذریعہ بنتے ہیں ۔۔۔اختلاف کرنا کوئی برا نہیں ہے لیکن انداز عالمانہ ہونا چاہئے۔۔۔ سوال کیا جائے ادب کے ساتھ۔۔۔ جواب لیا جائے ادب کے ساتھ۔۔۔اس سلسلہ میں تلخی پیدا کر کے لڑائی اور فساد کا ماحول بنا لینا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خلاف بدزبانی کرنا انتہائی بدتہذیبی ہے۔اور اختلاف ومخالفت کے فرق کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہ یہ سبق تو سیکھ لو کہ احناف نے کتنی وسعت کے ساتھ کشادگی دل کا ثبوت دیا ہوا ہے۔ اختلافات کے باوجود ہم ان سب کتابوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور ان اختلافات کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور نہایت ادب کے ساتھ ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔اس سلسلہ میں کسی قسم کی تلخی درمیان میں نہیں آتی۔

میرا مشورہ ہے کہ اگر ہمارے دوسرے بھائی بھی یہی انداز اختیار کرلیں تو آئے دن کی لڑائی بھڑائی کی باتیں سب کی سب ختم ہوجائیں ۔ بہرحال مستورات کے لئے بھی مبارکباد ہے اور بچیوں کے لئے بھی اور ان کے والدین کے لئے بھی۔ اب اِن بچیوں پر یہ ذمہ داری آ گئی ہے کہ وہ اس علم کی اشاعت میں برابر کی شریک ہوں۔ اور اپنے گھروں کا تمدن بدلیں۔رسم و رواج کو ختم کریں۔علم کو پھیلائیں، گھروں کا سنوارنا

مستورات کے ہاتھ میں ہے۔ جاندار تصویریں گھروں سے نکالیں۔ ٹی وی اور فلمیں اور سینمے گھروں سے ختم کریں۔

یہ باتیں زیادہ تر مستورات کے اختیار میں ہوا کرتی ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی کے گھر نہیں گئے کہ انہوں نے گھر میں ایک جگہ کپڑے کی تصویر لٹکالی تھی۔ جب تک وہ نکلوا نہیں دی آپ اُن کے گھر نہیں گئے۔ (مشکوٰۃ ۳۸۵/۱۔ بخاری ۲۸۳/۱) جس گھر میں کتا ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ (مشکوٰۃ ۳۸۷/۱) اب ان ساری کی ساری چیزوں سے آپ کو رک جانا چاہئے اور اپنے گھروں کے ماحول کو صاف کر لینا چاہئے۔

دینی مدارس کی طالبات کی ذمہ داریاں:

وہ لڑکیاں جنہوں نے سکولوں اور کالجوں میں پڑھا ہے۔ اُن میں اور تم میں جنہوں نے بخاری پڑھی ہے۔ حدیث پڑھی ہے۔ فقہ پڑھی ہے۔ نمایاں فرق نظر آنا چاہئے۔ آپ اگر اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں تو ماں باپ کی فرمانبردار رہیں ۔شادی ہو جائے تو خاوند کی فرمانبردار رہیں اور خاوند سے غلط مطالبے کرنے کی بجائے صحیح مطالبے کر کے ان کو راہ راست پر لائیں۔ عورتوں میں یہ اثر ہے کہ غلط بات بھی منوا لیتی ہیں تو صحیح بات کیوں نہیں منوا سکتیں۔ اس لئے اس پڑھنے کے ساتھ تم پر بھی ذمہ داری آ گئی ہے کہ تم باقی لڑکیوں سے ممتاز ثابت ہوں تا کہ تمہیں دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق ہو کہ ہم بھی بچیوں کو دین پڑھائیں کہ دیکھو بچیاں دین پڑھنے کے بعد کتنی تہذیب والی ہو گئیں۔ کتنی اچھی ہو گئیں۔ ماں باپ کا ادب کرتی ہیں۔ بہن بھائیوں سے محبت کرتی ہیں۔ خاوند کی فرمانبردار ہیں۔ شادی ہونے کے بعد گھروں کا ماحول بدل گیا۔ آپ کا یہ عمل تبلیغ کا ذریعہ بنے گا ۔اس لئے آپ نے اپنے عمل اور کردار سے ثابت کرنا ہے کہ دین پڑھنے والی بچیاں سکولوں اور کالجوں میں دنیاوی تعلیم پڑھنے والی بچیوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ اور تمہارا عمل اور کردار ایک مستقل تبلیغ ہوگا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انوکھا انداز:

اب آیئے سبق کی طرف ۔۔۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب شروع کی باب بدء الوحی سے اور یہ اُن کا اپنا ایک انوکھا انداز ہے کہ سب کتابوں سے ہٹ کر اُنہوں نے یہ انداز اختیار کیا ۔۔۔اختصاراً عرض کرتا ہوں ۔اس میں اشارہ اس بات کی طرف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بندوں تک وحی کے ذریعہ سے آئی ہے اور اللہ کی مرضیات معلوم کرنے کا طریقہ صرف اور صرف وحی الٰہی ہے ۔وحی کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اللہ کی مرضی معلوم کرنے کا نہیں ہے۔

دیکھئے ہم انسان ہیں ۔آپس میں بہن بھائی ہیں۔ دوست ہیں ۔ایک دوست ہمارا مہمان آجاتا ہے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ ٹھنڈا پسند کرتے ہیں یا گرم؟ چائے پیئیں گے یا آپ کیلئے بوتل منگوالیں ؟بوتل منگوالیں تو کون سی منگوائیں؟۔۔۔ ہمارے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ اُس کے دل میں خواہش کیا ہے۔تو جب ہم انسان سے پوچھے بغیر اس کے دل کی خواہش معلوم نہیں کرسکتے ۔اگر ہم عقل کے ساتھ سوچ کر ایک آدمی کے سامنے چائے رکھ دیں اور وہ کہے کہ میں چائے نہیں پیتا، میں تو لسّی پیتا ہوں ۔اس لئے پوچھنا پڑتا ہے۔

جب ہم اپنے بھائیوں کی خواہش معلوم نہیں کرسکتے تو اللہ تعالیٰ کی ذات جو وراء الوریٰ ہے۔ ہم کیسے پہچان سکتے ہیں کہ اس کو کون سی چیز پسند ہے اور کون سی نہیں۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اپنی مخلوق کو اپنی مرضیات بتانے کے لئے اس نے وحی کا سلسلہ رکھا اور مخصوص بندوں پر وحی اتاری ۔اس لئے اللہ کا دین وہی ہے جو وحی سے معلوم ہو ۔اور اگر کوئی آدمی اپنی فہم اور سمجھ کے ساتھ کوئی بات بنالے چاہے وہ کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اگر اس کی نسبت وحی کی طرف نہیں ہے تو اس کو دین نہیں کہیں گے۔ دین وہی ہے جو وحی سے ثابت ہو۔ وحی سے ایمان پیدا ہوگا ۔آگے کتاب الایمان لے آئے اور ایمان کا مطلب ہے کہ اللہ کے احکام ماننے کا وعدہ کرلیا ۔تو تربیت دے دی علم حاصل

کرنے کی۔ آگے پھر احکام کا سلسلہ شروع ہوگیا عملی زندگی کو نقل کرتے کرتے آخر میں پھر انھوں نے توحید کو رکھا تاکہ خاتمہ کتاب التوحید پر ہو اور یہ بھی حسن انجام کی طرف اشارہ ہے۔ سب سے آخری کتاب امام بخاری ؒ نے کتاب التوحید لکھی ہے۔ اور کتاب التوحید کا خاتمہ وزن اعمال کی حدیث پر کیا ہے۔

اعمال کو وزن کرنے کے بارے میں باطل نظریہ کی تردید:

وزن اعمال میں یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب نے پیش ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ ترازو قائم کریں گے انصاف کا۔ جس میں انسان کے اقوال بھی تولے جائیں گے اور اعمال بھی تولے جائیں گے۔ حضرت امام بخاری ؒ نے کتاب التوحید میں کچھ ایسے فرقوں کا ذکر کیا ہے جن کے نظریات غلط تھے۔ ان میں ایک فرقہ معتزلہ بھی ہے۔ جو انکار کرتا تھا کہ ترازو نہیں ہے۔ عمل نہیں تولا جائے گا، قول نہیں تولا جائے گا۔ وہ کہتے تھے کہ جو عمل انسان کرتا ہے فوراً فنا ہو جاتا ہے، اس کا وجود ہی کوئی نہیں۔ تو امام بخاری ؒ نے فرمایا ہے کہ عقلی ڈھنگوسلوں سے کام نہیں چلے گا اللہ کے قول سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن میزان ہوگی اور اللہ تعالیٰ عمل کو بھی تولیں گے اور قول کو بھی تولیں گے۔

جدید تحقیقات اور وزن اعمال:

عمل کو کیسے تولیں گے قول کو کیسے تولیں گے۔ علم غیب تو ہم نہیں جانتے لیکن سرور کائنات ﷺ کے بیان کرنے پر ہم ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ دیکھے بغیر ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ واقعتاً ترازو ہوگی اور اس میں اعمال بھی تولے جائیں گے اور اقوال بھی تولے جائیں گے۔ پرانے زمانے میں اس کی کئی توجیہات کی جاتی تھیں کہ کیا وہ نامۂ اعمال تولا جائے گا یا عامل کو خود کو تولا جائے گا؟ اس کی کیا صورت ہوگی؟

علماء نے کئی احتمالات بیان کئے ہیں لیکن آج اس دور میں نئی تحقیقات نے سارے الزامات خود بخود مسترد کر دیئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ نہ تو قول فنا ہوتا ہے نہ

عمل فنا ہوتا ہے۔ دونوں ہی باقی رہنے والی چیزیں ہیں۔ قرآن کریم نے تو کہا تھا کہ

- جو تم ہاتھ سے کرتے ہو وہ سارے کا سارا ہاتھ میں محفوظ ہو جاتا ہے......
- زبان سے بولتے ہو وہ سارے کا سارا زبان میں محفوظ ہو جاتا ہے......
- کان سے سنتے ہو وہ سارے کا سارا کان میں محفوظ ہو جاتا ہے......
- آنکھ سے دیکھتے ہو وہ سب کا سب آنکھ میں محفوظ ہو جاتا ہے......

حتیٰ کہ تمہارا چمڑا تمہارے اقوال، افعال اور اعمال کو ریکارڈ کر رہا ہے اور وہ زمین جس پر تم عمل کرتے ہو تمہارے اعمال کو محفوظ کرتی ہے۔ اور یہ میں نہیں کہتا قرآن کہتا ہے...... **یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا**...... زمین اس دن اپنی خبریں بیان کرے گی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور صحابہؓ سے پوچھا کہ تمہیں پتہ ہے یہ خبریں کیا ہوں گی جو زمین دے گی وہ خبریں یہی ہیں کہ زمین بتائے گی کہ

- میرے اوپر رہتے ہوئے اس نے نماز پڑھی تھی......
- میرے اوپر رہتے ہوئے اس نے چوری کی تھی......
- میرے اوپر بیٹھے ہوئے اس نے یہ بات کی تھی......
- میرے اوپر بیٹھے ہوئے اس نے یہ گناہ کیا تھا...... (ترمذی ۲/۶۸)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمین میں بھی سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ جو کچھ آپ کرتے ہیں اور کاتب اعمال علیحدہ انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے انسان کا کوئی عمل کوئی قول ضائع نہیں ہوتا۔ آج ان ایجادات سے معلوم ہو گیا کہ سب کچھ محفوظ ہے۔ اس وقت اگر ہماری اس موجودہ حالت کو کسی مشین کے ذریعہ سے ریکارڈ کیا جائے۔ دس سال کے بعد بھی آپ دیکھیں گے تو ایسے ہی معلوم ہو گا۔ یہی حرکتیں معلوم ہوں گی۔ یہی الفاظ آپ سنیں گے۔ یہی مجمع آپ کو نظر آئے گا۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ الفاظ بھی محفوظ ہیں۔ حرکات بھی محفوظ ہیں۔ افعال بھی محفوظ ہیں۔ کوئی چیز ضائع نہیں گئی۔

گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ:

یہ تصور ایسا ہے جو قرآن وحدیث نے ہمارے سامنے دیا۔اگر ہم اس کو اپنا لیں تو انسان گناہ سے بچ جائے گا۔گناہ کا دارومدار اخفا پر ہے۔۔یاد رکھئے بہت سارے گناہ کرتے ہوئے انسان یہ سوچتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔چوری کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔بدمعاشی کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔خیانت کرتا ہے تو اس خیال سے کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔اور کیمرہ لگائے ہوئے ہماری تصویر لے رہا ہے تو اس تصور کے ساتھ انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔اور پھر کبھی بھی کوئی حرکت غلط کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔آپ ایک کمرے میں ہوں، دروازے بند کرلیں اور یہ خیال ہو کہ کیمرہ روشن دان میں لگا ہوا ہے اور ہماری سب نقل وحرکت کی فلم بن رہی ہے تو آپ بہت محتاط ہو کر رہیں گے اور کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں کریں گے۔

فکر آخرت کا سبب:

تو اعمال کا محفوظ ہونا، اقوال کا محفوظ ہونا فکر آخرت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان کو بولتے وقت بھی سوچنا چاہیئے کہ میری زبان سے جو نکل رہا ہے کل کو وہ میرے سامنے آئے گا۔اور کام کرتے ہوئے بھی سوچنا چاہیئے کہ مجھ سے جو فعل سرزد ہو رہا ہے وہ کل کو میرے سامنے آئے گا۔چھپ نہیں سکتا۔میرا بدن بھی گواہ ہے۔فرشتے بھی گواہ ہیں زمین بھی گواہ ہے۔کائنات گواہ ہے۔کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔جب یہ تصور ہوگا تو پھر انسان برائی نہیں کرے گا اور برائی سے بچے گا۔تو وزن اعمال کے تصور سے فکر آخرت پیدا ہو سکتا ہے۔۔تو گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں اس کا ذکر کر کے آپ کے اندر فکر آخرت پیدا کی ہے۔کہ اپنے قول اپنے فعل کا جائزہ لیا کرو یہ نہ ہو کہ کل کو آپ کا قول آپ کے لئے وبال بن جائے۔آپ کا فعل آپ کے لئے وبال بن جائے۔یہ تصور کیا کرو کہ کل کو سب کچھ میرے سامنے آنا ہے۔جیسے میں نے عرض کیا کہ گناہ کا دارومدار ہی اخفاء پر ہے۔

گناہ کی علامت:

سرور کائنات ﷺ سے ایک دفعہ صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ہم کیسے پہچانیں کہ ہم جو کام کرنے لگے ہیں وہ غلط ہے تو آپ ﷺ نے کتنا سادہ سا معیار بتایا کہ...... کَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ گناہ کی علامت یہ ہے کہ کسی کو پتہ چلنا ناپسند ہو۔ تیرا دل یہ چاہے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ (ترمذی ص۶۸ ج۲۔ مسلم ص۲/۳۱۴) گناہ آدمی چھپ کے کرتا ہے اس کا اظہار نہیں کرتا۔ لیکن قرآن وحدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ بات چھپی نہیں رہتی چاہے تم کہیں چھپ کر کرو۔ زمین کے اندر جا کے کرو، باہر کرو۔ پہاڑوں میں چٹانوں میں کرو، ہر چیز محفوظ ہے۔ اس کے ساتھ انسان میں احتیاط پیدا ہوگی اور فکر آخرت پیدا ہوگی۔

تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کریں گے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ بنی آدم کے اعمال بھی اور ان کے اقوال بھی تولے جائیں گے۔ اور آگے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عادت کے مطابق قرآن وحدیث کے حل کے لئے دوسرے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں اور دوسرے علماء کے اقوال کے ساتھ سمجھاتے ہیں۔ ورنہ ایسی کون سی بات ہے کہ وہ اپنی طرف سے کہہ دیں لیکن نام لے کر کہتے ہیں کہ مجاہد کہتے ہیں کہ قسطاس عدل کے معنی میں ہے۔ اور تابعین کے اقوال نقل کرنا۔ تذکرہ مسائل کے وقت۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قرآن وحدیث کو اقوال تابعین سے سمجھتے تھے۔ تابعین کے بعد والے جو ہوں گے وہ اُن کے اقوال کے ساتھ سمجھیں گے۔ اسی طریقہ سے بالترتیب ہم سمجھتے آرہے ہیں۔ اصل طریقہ یہی ہے جو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مقلد تھے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے علاوہ کسی کی بات حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کا صحیح مطلب علماء سے پتہ چلتا ہے۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے اپنے زمانے سے پہلے لوگوں کے

اقوال نقل کرتے ہیں کہ حسن بصری نے یہ کہا۔ سعید ابن المسیب نے یہ کہا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا۔ اور اُن کے اقوال نقل کر کے بات کی وضاحت کرتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث پر عمل اُس کے ماہرین سے پوچھ کر کرنا چاہیئے۔ اسلاف کو چھوڑ کر براہ راست اپنی عقل پر مدار رکھنا، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ نہیں ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ رومی زبان میں قسطاس عدل کو کہتے ہیں تو عربی میں بھی اسی معنی میں ہوگا۔

آگے ایک صرفی بحث کہ المقسط اس کا ماخذ قسط ہے۔ قسط حصے کو کہتے ہیں۔ اس میں دو پہلو ہوتے ہیں۔ اپنا حصہ لینا انصاف ہے دوسرے کا حصہ لینا ظلم ہے۔ یہ لفظ دونوں معنی ادا کرتا ہے۔ باب افعال سے آئے تو یہ انصاف والا معنی ادا کرتا ہے۔ اور مجرد سے آئے تو ظلم والا معنی ادا کرتا ہے۔ اس لئے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (الآیہ) کا معنی ہے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا۔ قاسط وہاں پر ظالم کے معنی میں ہے۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ کی تحقیق کردی یہ لفظ چونکہ قرآن کریم کی آیت میں آیا تھا و نضع الموازین القسط تو اس مناسبت سے اس لفظ کی وضاحت کردی۔

اور آگے وہ روایت مذکور ہے جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بڑے پسند ہیں۔ کلمے سے کلام مراد ہے۔ یعنی دو باتیں ایسی ہیں جو رحمٰن کو بہت محبوب ہیں۔ اور وہ ہیں:

سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

روشن خیالی کی حقیقت

بموقع: تقریب ختم مشکوٰۃ المصابیح

بمقام: مدرسہ عائشہ للبنات بہاولپور

وقت: صبح 10 بجے

تاریخ: رجب ۱۴۲۶ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیّئاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!

اَمَّا بَعْد!

عَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

مَنْ قَطَعَ مِیْرَاثَ وَارِثِہٖ قَطَعَ اللّٰہُ مِیْرَاثَہٗ
مِنَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ رَوَاہُ اِبْنِ مَاجہ وَ رَوَاہُ بَیْھِقِی فِیْ شُعْبِ الْاِیْمَانِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَہ ؓ

(مشکوٰۃ شریف ص۲۶۶/ا۔شعب الایمان ۲/۲۷۰)

اَللّٰھُمَّ صَلِّی وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدِ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

❀❀❀

ہدیہ تبریک:

سب سے پہلے میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور مبارکباد دیتا ہوں اُس محترمہ کو جس نے اِس کارِ خیر کو شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ اِس مدرسے کو قیامت تک جاری رکھے۔ یہ کارِ خیر جب تک جاری رہے گا پڑھنے پڑھانے والوں کے برابر ثواب اس محترمہ کو بھی ملتا رہے گا۔ اور اس کے معاونین جن کا ذکر کیا گیا ہے یعنی حضرت ڈاکٹر صاحب، اُن کے رفقائ اور اساتذہ کرام سب لائقِ تحسین ہیں۔ یہ حضرات قوم کا عظیم سرمایہ ہوتے ہیں جو مخلوق کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں آگے پہنچاتے رہتے ہیں۔ بچیوں کو بھی بہت بہت مبارک ہو!

چہل حدیث کی فضیلت:

کتاب العلم میں آپ نے ایک روایت پڑھی تھی کہ سرور کائنات ﷺ سے پوچھا گیا تھا کہ اُس علم کی حد کیا ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس صاحبِ علم کو فقیہ بنا کر اُٹھائے گا؟۔ یعنی اس کا شمار فقہاء اور علماء میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری اُمت کے لئے دین کے بارے میں میری چالیس باتیں محفوظ کر دے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کو فقیہ بنا کر اُٹھائے گا اور اس کا شمار اُن چالیس روایتوں کی وجہ سے فقہاء علماء میں ہوگا۔ (مشکوٰۃ ۱/۳۶) اور یہ کتاب جو اِس وقت سامنے رکھی ہوئی ہے یہ اس کتاب کا پہلا حصہ ہے۔ اور طالبات کے نصاب میں اس کا پہلا حصہ ہی شامل ہے۔ اسکا دوسرا حصہ تقریباً اس سے دس پندرہ ورق زائد ہے اور یہ مکمل کتاب تقریباً چھ ہزار چوبیس روایات پر مشتمل ہے۔ اور اس کا پہلا آدھا حصہ تین ہزار کے قریب روایات پر مشتمل ہے۔ گویا اس ایک جلد میں سرور کائنات ﷺ کی تین ہزار باتیں نقل کی گئی ہیں۔

اگر چالیس احادیث کو محفوظ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فقہاء کا درجہ دیتا ہے تو جو تین ہزار روایات پڑھیں۔ اور تین ہزار روایات پڑھائیں۔ اور پڑھنے والے بھی اس کو

یاد کر کے آگے پہنچانے کا ارادہ کریں ۔آپ اس سے اندازہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے شخص کا کیا مقام ہوگا ؟اور جب مکمل کتاب پڑھی جائے گی تو چھ ہزار روایات ہوجائیں گی ۔صرف اس کتاب کے پڑھنے سے چھ ہزار روایات یعنی سرور کائنات ﷺ کے اقوال وافعال اورآپ ﷺ کے سامنے ہونے والے کاموں اور آپ ﷺ کے سامنے ہونے والی باتوں کا تذکرہ چھ ہزاراحادیث پر مشتمل ہے ۔مکمل کتاب پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا فضیلت نصیب ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

میرے سامنے یہاں پر کچھ ایسے دوست بھی بیٹھے ہیں جن کا اِن مدرسوں میں زیادہ آنا جانا نہیں ہوتا یا جلسوں میں شرکت نہیں ہوتی یا واقف نہیں ہوتے ۔ایسا ہی خیال ہے کہ شہر سے مستورات بھی آئی ہوئی ہوں گی اُن کی معلومات کے لئے عرض کررہا ہوں کہ اس کتاب کا نام مشکوٰۃ المصابیح ہے۔عوام کے لئے جو دینی تعلیم سے تعلق نہ رکھتے ہوں ان کتابوں کے نام بھی عجیب سے ہیں۔اور نام سے سمجھ نہیں آتا کہ یہ کتاب کیا ہے اوراس میں کیا باتیں ہیں؟

مشکوٰۃ المصابیح کا تعارف:

اصل بات یہ ہے کہ ''مصابیح''ایک بزرگ کی لکھی ہوئی کتاب تھی جس میں انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع کئے تھے جبکہ اُن جمع شدہ اقوال کی سند بیان نہیں کی تھی ۔اس کے علاوہ کچھ اور بھی اس میں کمیاں تھیں جیسے کسی ابتدائی کام میں ہوتی ہیں اورکئی ساری چیزیں چھوٹ جاتی ہیں جسے کوئی دوسرا آکر درست کرتا ہے اوراس کی تکمیل کرتا ہے۔کتاب کا نام انہوں نے مصابیح رکھا تھا۔

مصابیح جمع ہے مصباح کی اور مصباح کہتے ہیں چراغ کو۔جو روشنی کا آلہ ہے۔جامع نے اپنی جمع کردہ ہر ہر روایت کوگویا ایک چراغ قرار دیا اور چراغ کا تصورتو آپ کے ذہن میں ہے ہی کہ یہ اندھیرے میں روشنی حاصل کرنے کے لئے جلایا جاتا ہے اور جو چیزیں اندھیرے میں نظر نہیں آتیں اُس کے جلنے کے بعد نظر آنے لگ جاتی

ہیں۔نور اور روشنی کا یہی معنی ہوتا ہے۔گویا کہ اس نام سے تصور دیا تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک روایت چراغ ہے۔روشنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کے ساتھ اندھیرے دور ہوتے ہیں۔ظلمتیں چھٹتی ہیں اور دنیا روشن ہوتی ہے۔اس نام سے تأثر ہے کہ جو شخص ان روایات کو پڑھ لے گا گویا اس کے سامنے نور کی کرنیں ہی کرنیں ہوں گی اور:

- کوئی جہالت کی ظلمت......
- کوئی کفر کی ظلمت......
- کوئی شرک کی ظلمت......
- کوئی بدعت کی ظلمت......

اُس کے سامنے ٹھہرے گی نہیں۔نور ہی نور روشنی ہی روشنی ہوجائے گی۔مصباح کا یہ معنی ہے۔لیکن اُس کوشش میں بعض کمیاں رہ گئیں جس سے استفادے میں کچھ دِقت تھی۔تو اس کتاب کے مؤلف نے اِس کے اوپر اصلاحی نظر ڈالی اور اس میں جو کمیاں تھیں اُن کی تلافی کی اور اس کے بعد اس کا نام رکھا **"مشکوٰۃ المصابیح"** مشکوٰۃ کا لفظ قرآن کریم میں موجود ہے۔مشکوٰۃ کہتے ہیں دیوار کے اندر بنے ہوئے طاقچے کو۔جس کے اندر پرانے زمانے میں لوگ چراغ رکھا کرتے تھے۔

اب ہم دیواروں پر لگا دیتے ہیں۔چھتوں سے لٹکا دیتے ہیں۔پرانے زمانے میں لوگ دیواروں کے اندر آلے(طاقچے) بنا کر اُن میں چراغ جلا کر رکھ دیتے تھے۔اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ایک تو ہوا سے جلدی بجھتا نہیں تھا اور دوسرا یہ فائدہ تھا کہ جب کھلے میدان میں چراغ رکھا ہو تو اس کی روشنی میں پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے چمک کم ہوتی ہے اور جتنا اُس کی روشنی کو محدود کر دیا جائے اُس میں چمک زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔

اب چونکہ اُن کی اس اصلاح کے ساتھ اِن روایات سے افادہ عام ہوگیا اور پہلے کی نسبت زیادہ فائدہ ہونا شروع ہوگیا اور جو کچھ کمی کوتاہی تھی دور ہوگئی۔گویا انہوں

نے حدیث کے ان چراغوں کو اٹھا کر طاقچے میں رکھ دیا جس کے ساتھ وہ محفوظ بھی ہوگئے اور اُن کی روشنی بھی تیز ہوگئی۔

مشکوٰۃ المصابیح کا معنی:

تو مشکوٰۃ المصابیح کا معنی یہ ہوا کہ جس طرح دیوار میں طاقچہ ہوتا ہے اور اُس میں چراغ روشن ہوتا ہے۔اسی طرح اس کتاب میں جمع شدہ ساری باتیں چراغ ہیں ۔ اس میں حضور ﷺ کا یا تو قول ہے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ؟ اور یا اس میں فعل ہے کہ آپ نے کیا کیا؟ یا آپ ﷺ کے سامنے کوئی واقعہ پیش آتا تھا یا کوئی شخص بات کرتا تھا اگر وہ صحیح ہوتی تو حضور اس کو صحیح قرار دے دیتے ۔غلط ہوتی تو حضور ﷺ اُس کو غلط قرار دے دیتے۔

چنانچہ اگر آپ ﷺ نے کسی بات کو سن لیا اور اس پر خاموشی اختیار کرلی یا کوئی کام ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور اُس پر خاموشی اختیار کرلی ۔ یہ خود دلیل ہے کہ یہ کام صحیح ہے اور اُس کو بھی حدیث کے برابر شمار کرتے ہیں ۔کیونکہ نبی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اُس کے سامنے کوئی غلط بات آئے اور وہ انکار نہ کرے یا نبی کے سامنے کوئی غلط کام آئے تو وہ اُسے روکے نہیں۔ ایسا ممکن نہیں ہے ۔جب ممکن نہیں ہے اور آپ ﷺ کے سامنے کام کیا گیا اور آپ ﷺ نے روکا نہیں ۔وہ کام صحیح ہے۔اسی طرح آپ ﷺ کے کان میں بات پڑی اور آپ نے اس کا انکار نہیں کیا وہ بات بھی صحیح ہے۔ اس کو ہم تقریری احادیث کہتے ہیں کہ ان باتوں کو رسول اللہ ﷺ نے ثابت قرار دیا ہے۔

حدیث کی تعریف:

آپ ﷺ کی زبان سے بولی ہوئی بات اور آپ ﷺ کے اعضاء بدن سے کیا ہوا کام اور آپ ﷺ کا برداشت کیا ہوا قول وفعل جس پر آپ ﷺ نے انکار نہ کیا ہو۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔ اور یہ وہ ہیں کہ ان کو علماء اُمت مصابیح قرار دیتے ہیں ان میں سے ایک ایک روایت اللہ کی طرف سے روشنی اور نور ہے۔ اور

یہ کتاب اس قسم کے چھ ہزار چراغوں پر مشتمل ہے، اور اس مشکوٰۃ نے آ کر اس کی نورانیت کو بڑھا دیا۔اس سے یہ اثر ہوا کہ جو شخص اول سے لے کر آخر تک اس کتاب کو پڑھ لے وہ اتنے سارے چراغوں کا مالک ہوگیا کہ اب اُس کے سامنے اندھیرا نہیں ٹھہرے گا۔

- اندھیرا جہالت کا بھی ہوتا ہے……
- اندھیرا کفر کا بھی ہوتا ہے……
- اندھیرا بدعت کا بھی ہوتا ہے……

ہر وہ کام جو اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کے خلاف ہو وہ ظلمت کا مصداق ہے اور جو کام اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کے مطابق ہو وہ نورانیت کا مصداق ہے۔ یہ ہے جو ہمارے ایمان کی بنیاد ہے ۔ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی باتوں کو روشنی کی کرنیں سمجھتے ہیں اور اُن سے استفادہ کرتے ہوئے ہم ایک روشن راستے کے اُوپر چلتے ہیں۔

اُلٹی اصطلاح:

بچیاں بھی سمجھیں اس بات کو اور دوسرے حضرات بھی سمجھیں ۔آج کل بعض اصطلاحات اس قسم کی چل پڑیں ہیں جن کا مفہوم بالکل برعکس لے لیا گیا۔مثلاً ظلمت کیا ہے؟ اندھیرا جس کو ہم تاریکی کہتے ہیں ۔جس طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ تاریک رات ہے۔اندھیری رات ہے۔اور روشنی نور کو کہتے ہیں ۔اُس میں ہر چیز واضح ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی جبکہ ظلمت میں چیزیں مخفی ہوتی ہیں۔

روشن خیالی کیا ہے:

قرآن کی اصطلاح میں اُن اشخاص کے دل دماغ میں روشنی ہے اور وہ روشن خیال ہیں جن کے دل میں اللہ اور رسول کی باتیں ہوتی ہیں۔ جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ کتاب کا نام اس بات کو واضح کرتا ہے۔ کہ اصل کے اعتبار سے نور اور روشنی اللہ اور

اللہ کے رسول کی باتیں ہیں۔تو جس کے دل اور دماغ میں یہ باتیں بیٹھی ہوئی ہیں اور اُس نے اللہ اور اُس کے رسول کی باتوں کو سمجھا ہوا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ کن باتوں سے راضی ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے نزدیک روشنی میں ہے۔اور جو یہ بات نہیں سمجھتا کہ کن باتوں سے اللہ راضی ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے وہ اندھیرے میں ہے۔

روشن خیال قرآن کی نظر میں:

اور قرآن کی اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ روشن خیال وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی باتوں کو سمجھتا ہے اور جو نہیں سمجھتا اور ان کو دل و دماغ میں جگہ نہیں دیتا وہ تاریک خیال ہے۔

فمن لم یجعل اللہ له نورًا فماله مِنْ نورٍ

جس کے لئے اللہ نور نہ بنائے اور اُس کو نور عطا نہ کرے اُس کے سامنے کوئی روشنی نہیں ہوتی وہ ...... **ظلمات بعضها فوق بعض**...... وہ اُوپر تلے اندھیروں کے اندر بھٹکتا پھرتا ہے اُس کو کچھ پتہ نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا؟ اُس کو کچھ پتہ نہیں کہ جس سڑک پر میں دوڑا جا رہا ہوں:

- یہ کسی کھڈ میں گرے گی......
- یا کسی باغ تک پہنچے گی؟......
- ہلاکت تک جائے گی......
- یا نجات وفلاح تک جائے گی؟......

اُس کو کچھ پتہ نہیں ہے...... **ظلمات بعضها فوق بعض**......بعض تاریکیاں بعض کے اُوپر چڑھی ہوئی ہیں...... **ان اخرج یده لم یکدیراها**

اتنی تاریکی چھائی ہوئی ہے اُس کے سامنے کہ اگر اپنا ہاتھ بھی دیکھنا چاہے تو اُس کو دکھائی نہیں دیتا۔جو شخص اس قدر تاریکی میں ڈوبا ہوا ہو کہ وہ اپنا ہاتھ نہیں دیکھ سکتا اور

اُس کے سامنے کسی قسم کی کوئی وضاحت نہیں۔ اُس کو کہتے ہیں تاریک خیال۔ اللہ کس بات پر راضی ہے کس بات پر راضی نہیں؟ اُس کو کچھ پتہ نہیں...... اُس کی آنکھیں بند ہیں...... چوپٹندہ ہے...... انجام اچھا ہوگا برا ہوگا؟...... مرنے کے بعد کیا ہوگا کیا نہیں ہوگا؟...... اُسے کچھ پتہ نہیں...... اُس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اُس کے کیا حقوق ہیں ؟ اُسے کچھ معلوم نہیں۔

حیوان نما انسان:

ایک جاندار کی حیثیت سے دنیا میں آ گیا۔اپنا وقت گذارتا رہااور اپنی خواہشات پوری کرتا رہا۔۔اور کون سا جاندار ایسا ہے جو اس دنیا میں اپنی خواہشات پوری نہیں کرتا ۔گویا یہ بھی ایک دوٹنگا حیوان ہے جو دیگر حیوانات کی طرح اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کرتا ہوا اپنی زندگی پوری کررہا ہے۔

موجودہ دور کا اہم ترین موضوع:

سرور کائنات ﷺ کے آنے سے پہلے مخلوق موجود تھی اور سرور کائنات ﷺ نے آ کر کیا نور پھیلایا؟اور مخلوق کا رخ کس طرح سے بدلا؟ یہ اس دور کا اہم ترین موضوع ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ گلی گلی اور جگہ جگہ اس کا تذکرہ ہونا چاہئے کہ اگر تم اللہ اور اللہ کے رسول کے قائل ہو تو تمہیں نور اور تاریکی کا فیصلہ قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر کرنا چاہئے کہ روشن خیالی کیا ہے؟ اور تاریک خیالی کیا ہے؟

البتہ اگر تم اللہ اور اللہ کے رسول کو ہی جواب دینا چاہتے ہو کہ ہمارے لئے ہماری عقل کی روشنی کافی ہے اور ہمارے لئے ہماری خواہش کی روشنی کافی ہے تو پھر بتاؤ دنیا میں کس مذہب کا کون سا انسان ایسا ہے جو اپنی عقل کے مطابق نہیں چلتا؟؟

- بدھ ہیں؟......
- سکھ ہیں؟......
- پارسی ہیں؟......

- دھریے ہیں؟......
- عیسائی ہیں؟......
- یہودی ہیں؟......

پھر پہلے مسلمان وکافر کی یہ تقسیم ختم کرو۔بس ایک حیوان ہونے کی زندگی گزارو کہ کھانا پینا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ یہ کام تو دنیا میں ہر شخص کررہا ہے۔اس طرح سارے تفرقے مٹ جائیں گے اور سب کے سب ایک ہی مخلوق ہوکر جنگلی جانوروں کی طرح سے اپنا وقت گزاریں گے اور کھا پی کر عیش کر کے چلے جائیں گے۔

روشن خیالی اور تاریک خیالی کا معیار:

اور اگر اللہ اور اللہ کے رسول سے تعلق رکھنا ہے اور تمہارے نزدیک یہ دو قسمیں ہیں۔ جیسے کہ تمہارا آئین کہتا ہے کہ تمہارے آئین میں بھی مسلمان اور کافر کی تعریف موجود ہے تو پھر لازماً تمہیں دیکھنا ہوگا کہ روشن خیالی کیا ہے؟ اور تاریک خیالی کیا ہے؟ روشن خیالی اور تاریک خیالی کا معیار ہے قرآن اور حدیث۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں۔

- جو شخص اُن کے مطابق سوچے گا......
- جو شخص اُن کے مطابق بولے گا......
- جو شخص اُن کے مطابق عمل کرے گا......
- جو شخص اُن کے مطابق زندگی گزارے گا......

وہ روشن خیال ہے اور جو شخص اُس کے خلاف چلے گا وہ تاریک خیال ہے۔ روشن خیال ہوگا حلال اور حرام میں فرق کرے گا۔ روشن خیال ہوگا عدل اور ظلم میں فرق کرے گا۔ پیدا ہونے سے لے کر موت تک کی پوری شاہراہ اس کتاب کے اندر واضح کردی گئی ہے۔

- کہ تمہارا اللہ سے کیا تعلق ہے؟......
- اللہ سے تم نے کیا تعلق رکھنا ہے؟......
- رسول سے تمہارا کیا تعلق ہے؟......
- رسول سے تم نے کیا تعلق رکھنا ہے؟......
- حرام وحلال معاملات ومعاشرت سب کچھ اس کتاب میں مذکور ہے۔

آخری حدیث کی تشریح:

اور آخری باب جو اس وقت میرے سامنے کھول کر رکھا ہوا ہے یہ ہے باب الوصیت اور آپ جانتے ہیں کہ وصیت مرنے کے وقت ہوتی ہے تو گویا یہ کتاب آپ کو موت تک لے آئی ہے کہ آپ نے زندگی میں یوں یوں کرنا ہے اور بیع وشراء نکاح سب کچھ کرتے کراتے موت کے وقت تمہاری کیا ذمہ داری ہے کہ تم اپنے آنے والے ورثاء کو کس طرح سے ورثہ منتقل کرو گے؟ کتنا کر سکتے ہو؟ کتنا نہیں کر سکتے؟ اس باب کے اندر ساری یہی ہدایات ہیں کہ جب انسان کے اُوپر مرض موت طاری ہو جائے۔ مرض موت اُس کو کہتے ہیں کہ جب حالات ایسے ہو جائیں کہ ہر وقت یہ خطرہ ہو کہ یہ مریض کسی بھی وقت مر سکتا ہے اور اب اُس کے بچنے کی توقع نہیں ہے۔ اُس کو کہتے ہیں مرض موت۔ اُس وقت انسان کا اپنے ذاتی مال سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور اُس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ شریعت نے اُس کو صرف تیسرے حصے میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے کہ اپنی جائیداد میں سے تیسرا حصہ جیسے چاہے تقسیم کر دے۔ جس کو مرضی دے دے۔ اپنے کو غیر کو۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے گا تو اُس کی کل جائیداد میں سے تیسرے حصے میں اُس کو نافذ کریں گے اور اگر وہ اُس سے زائد کی وصیت کرے تو زائد نافذ نہیں ہوگی۔ اور اگر وصیت نہیں کرتا تو پھر سارا مال ورثاء کا ہے۔ اور اُس کو کس طرح سے تقسیم کرنا ہے؟......

- بیٹیوں کا کتنا حصہ ہے؟......

- ماں کا کتنا حصہ ہے؟......
- بیٹوں کا کتنا حصہ ہے؟......
- باپ کا کتنا حصہ ہے؟......

اور اُس کے بارے میں پڑھایا جانے والا علم المیراث ایک مستقل علم ہے جو ہم مدارس کے اندر پڑھاتے ہیں۔ اُس میں کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق پورے کا پورا ورثہ لکھا ہوا ہے۔ بیوی کو اتنا دینا ہے۔ خاوند کو اتنا دینا ہے۔ اولاد ہو تو خاوند کا اتنا حصہ ہے۔ اولاد نہ ہو تو خاوند کا اتنا حصہ ہے۔ کوئی چیز شریعت نے نہیں چھوڑی۔ اس لئے یہ کتاب بہت جامع کتاب ہے۔ جنہوں نے پڑھا ہے اُن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہ روشنی جو اللہ نے اُن کے دل دماغ میں اُتار کر اُن کو روشن خیال بنادیا۔ جن بچوں کو اللہ تعالیٰ نے روشن خیال بنادیا اور یہ روشنی کے چراغ اُن کے دل دماغ میں روشن ہوگئے اب وہ اس نور کو اپنے تک بند نہ رکھیں۔ گھر گھر اس نور کو پھیلائیں۔ گھر گھر جا کر بتائیں کہ:

- کفر کیا ہے؟......
- ایمان کیا ہے؟......
- شرک کیا ہے؟......
- بدعت کیا ہے؟......
- توحید کیا ہے؟......
- سنت کیا ہے؟......
- نماز پڑھنے کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بتایا؟......
- اذان دینے کا طریقہ حضور ﷺ نے کیا بتایا ہے؟......

اس کے بعد پھر معاملات ہیں بیع وشراء کیسے کرنی ہے؟ ایک دوسرے کے حقوق کس طرح سے ادا کرنے ہیں؟ پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں؟ شوہر کے کیا حقوق ہیں؟ بیٹیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اور اس کتاب کی وجہ سے تمہارے دل و دماغ میں جو روشنی

آ گئی ہے اُس روشنی کو آگے پھیلانے کی کوشش کریں۔

موجودہ دور میں عورتوں کی ذمہ داری:

یہ جہالت جو گھٹا ٹوپ اندھیرے کی شکل میں آ رہی ہے اللہ اور اللہ کے رسول سے تعلق توڑنے کے لئے اور یہ غلط فہمی ڈالتے ہوئے آ رہی ہے کہ نور اصل میں یہ ہے جو ہم لے کر آ رہے ہیں اس کے علاوہ باقی ساری تاریکی ہے۔ اس کو آپ خواتین نے دور کرنا ہے مرد جتنا مقابلہ کرتے ہیں اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ہے چودہ سو سال سے اللہ تعالیٰ نے ایسا طبقہ ہر دور میں موجود رکھا۔

خوش قسمت لوگ:

اور حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے اور بالکل ٹھیک ہے کہ قیامت تک ایسے افراد باقی رہیں گے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کو لوگوں تک پہنچاتے رہیں گے۔ (بخاری ۱۶/۱۔۱۔۵۱۴/۱۔) خوش قسمت لوگ اُن سے متأثر ہوں گے۔ جو خوش قسمت نہیں ہیں وہ متأثر نہیں ہوں گے۔ یہ دین تو باقی رہنا ہی ہے لیکن مزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس طبقے کے اندر شامل ہونے کی توفیق دے۔ مردوں اور عورتوں کو قرآن و حدیث کی خدمت کی توفیق مل جانا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔

اس لئے میں پھر دوبارہ مبارکباد دیتا ہوں اُن لوگوں کو جنہوں نے اس سلسلے کو شروع کیا اور پڑھنے اور پڑھانے والوں کو کہ اس کو بنیادی طور پر اس طرح سے سمجھیں کہ جہالت کے خلاف جہاد اسی کتاب کے ساتھ ہوگا کیونکہ اس میں ساری کی ساری نور کی کرنیں جمع کی ہوئی ہیں۔

احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں:

اور اس کو پڑھنے کے بعد آپ کبھی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تاریک خیال ہے۔ تم تاریک خیال نہیں تاریک خیال وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول سے تعلق نہیں رکھتا اور اُن کی باتوں کو سمجھتا نہیں اور یہ علم دین تو سارا کا سارا نور کا

مجموعہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ باتیں سمجھنے کی توفیق دے اور اس پر عمل کی توفیق دے اور موجودہ طوفان جو برپا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے آخر تک اس سے محفوظ فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

❀❀❀

صحبت کا اثر

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!

اَمَّا بَعدفاعوذباللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُو اتَّقُواللّٰہَ وَکُوْنُوْ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ،صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیِ الْعَظِیْم وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

❀❀❀

تمہید

گزشتہ منگل آپ کی خدمت میں یہ بات وضاحت سے ذکر کی گئی تھی کہ یہ ظاہری بدنی جو بیماریاں ہیں ان میں تعدیہ نہیں ہے۔ بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی ہے یہ نظریہ کسی حد تک ٹھیک نہیں ہے۔ پچھلے بیان میں اسکی تفصیل ذکر کی گئی تھی۔

صحبت کا اثر مسلمات میں سے ہے

میں نے عرض کیا تھا کہ روحانی اثرات اچھے یا برے ان میں تعدیہ ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ اس لئے اسلام میں صحبت ایک بہت بڑا اہم مسئلہ ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک کی صحبت اختیار کرو گے تو نیک ہو جاؤ گے بد بخت بدنصیب کی صحبت اختیار کرو گے بد بخت ہو جاؤ گے۔ یہ اسی نظریے کا بیان ہے کہ انسان پر ایک کی نیکی کے اثرات بھی واقع ہوتے ہیں اور بدی کے اثرات بھی واقع ہوتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ برے ہم نشین سے تو خلوت بہتر ہے، حدیث میں ہے۔

اَلْوَحْدَۃُ خَیْرٌ مِنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِنَ الْوَحْدَۃِ (مشکوٰۃ ص ۴۱۷)

ترجمہ۔ تنہائی میں رہنے سے اچھا ہم نشین بہتر ہے اچھے ہم نشین کے پاس بیٹھو یہ تنہائی میں رہنے سے بہتر ہے۔ اس میں بھی یہی تلقین کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے اسی مسئلے کو سمجھانے کے لئے کہ مجلس کے اچھے بُرے اثرات واقع ہوا کرتے ہیں ایک مثال بیان فرمائی۔

اچھی صحبت کی مثال

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی مجلس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے آپ کسی عطر فروش کے پاس بیٹھتے ہیں جو شخص عطر بیچ رہا ہے جب عطر فروش کے پاس بیٹھو گے تو وہ مفت میں ہی اپنے عطر کی تشہیر کے لئے شیشی کھول کر آپ کے ہاتھ پر لگا دے گا تو آپ کو خوشبو لگ جائیگی اگر مفت میں نہیں لگائیں گے تو آپ کو خوشبو اس کی پسند آجائیگی تو آپ اپنی حیثیت کے مطابق اس سے خرید لیں گے کوئی دس روپے کی شیشی لے لے گا کوئی پانچ روپے کی لے لے گا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق خرید لیتا ہے اور اگر وہ مفت بھی نہ دے اور تم خرید و بھی نہیں تو کم از کم جتنی دیر تک وہاں بیٹھے رہو گے دماغ معطر تو رہے گا خوشبو تو آتی رہے گی۔ یہ تین درجے بیان فرمائے۔

ایک نفسیاتی اصول

الطبع من الطبع یسرق۔ عربی کا محاورہ ہے۔

یہ ایک بہت بڑا نفسیاتی اصول ہے ایک طبیعت دوسری طبیعت سے حالات چراتی ہے چوری کرتی ہے۔ جیسے کہتے ہیں خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے تو دیکھتے دیکھتے بغیر محنت کے بغیر مشقت کے آپ کے پاس کوئی اچھی عادت آجائے گی۔ آپ جس کے پاس بیٹھتے ہیں اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کام کر رہا ہے کر رہا ہے بار بار دیکھیں گے آہستہ آہستہ آپ کو بھی عادت پڑ جائیگی کہ آپ وہی کام کرنے لگ جائیں گے کوئی محنت نہیں کرنی پڑے گی، کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی، عادت بدل جائیگی اور کبھی ایسا ہوگا کہ آپ اس سے پوچھ لیں گے۔ کوئی اچھی بات یا آپ کو وہ کوئی اچھی بات بتا دے گا جو آپ کی عادت کو سدھار دے تو آپ عقل و شعور کیساتھ بات کو اختیار کر کے اپنا لیں گے وہ ایسے ہے کہ جیسے آپ نے عطر خرید لیا۔ مشقت کر کے وہ عادت حاصل کر لی اور اگر کچھ بھی نہ ہوگا جتنی دیر تک آپ اچھے ماحول میں بیٹھے رہیں گے تو کم از کم آپ کے سامنے اچھائی تو رہے گی۔

☆ آنکھ کسی اچھے حال کو دیکھے گی

☆ کان کوئی اچھی بات سنے گا

ماحول کے اثرات ، ماحول کی برکات انسان پر واقع ہوتی ہیں ، جتنی دیر آپ وہاں بیٹھے رہیں گے وہ اثرات آپ پر آتے رہیں گے۔

بری صحبت کی مثال

بری صحبت کی مثال حضور ﷺ نے دی کہ جیسے کسی بھٹی جھونکنے والے کے پاس جا کر بیٹھ جائیں۔ جیسے کسی کلی کرنے والے یا لوہار کے پاس یا کسی دوسرے کام کرنے والے کے پاس آپ بیٹھ جائیں اوّل تو کوئی شعلہ اڑے گا آپ کے کپڑے جلادے گا، کسی ویلڈ کرنے والے کے پاس بیٹھ جاؤ تو جیسے اس کے اپنے کپڑوں میں سوراخ ہوتے ہیں۔ ویسے ہی پاس بیٹھنے والوں کے کپڑوں پر بھی ہو جائیں گے اور اگر کچھ بھی نہ ہو جتنی دیر تک بیٹھے رہیں گے تو دھوئیں سے دماغ تو خراب ہوگا ، آنکھوں سے پانی بہتا رہیگا۔ (بخاری ص ۸۳۰ ج ۲، ص ۲۸۲ ج ۱۔ مسلم ص ۳۳۰ ج ۲) یہی حال ہے برے ماحول کے اثرات کا کہ اوّل تو اُس برائی کے اثرات آپ پر واقع ہوں گے بہت جلدی آپ وہ بری عادت اختیار کر لیں گے۔ افیون کھانے والوں کے پاس بیٹھنے والا بھی افیونی ہو جاتا ہے۔

سگریٹ پینے والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو بہت جلدی سگریٹ کی عادت پڑ جاتی ہے۔

ہیروئین پینے والوں کے پاس بیٹھنے والا ہیروئینی بن جاتا ہے۔

تاش کھیلنے والوں کے پاس بیٹھنے والا تاش کا عادی بن جاتا ہے۔

اور اس طرح سے دوسری آوارہ قسم کی کھیلیں جتنی بھی ہیں جب اس ماحول میں آپ بیٹھیں گے تو آہستہ آہستہ آپ کا دل اُدھر مائل ہو جائیگا اور آپ وہی کام کرنے لگ جائیں گے اور اگر نہ بھی ہوا تو جتنی دیر وہاں بیٹھے ہیں تو ایک وہ بری چیز آنکھوں کے سامنے رہے گی ، بری باتیں کانوں میں پڑیں گی ، گالیاں کانوں میں پڑیں گی اور آپ کے سامنے اللہ کی نافرمانی کی صورتیں آتی رہیں گی اس کیساتھ آپ کا دل ، دماغ خراب تو ہوتا رہیگا یہ مثال حضور ﷺ نے بیان فرمائی۔

شیخ سعدی ؒ کی نصیحتیں

شیخ سعدی ؒ گلستان میں بہت سادے سے انداز میں اس بات کو سمجھایا ہے۔گلستان کے مقدمہ میں ہے شیخ سعدی کہتے ہیں۔

گلے خوشبوئے درہمام روزے
رسیداز دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم

بگفتہ من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم

جمال ہم نشیں درمن اثر کردم
وگرنہ من ھماں خاکم کہ ہستم

گلستان سعدی ص ۹

شیخ سعدی کی صحبت کے اثرات کے بیان میں بے نظیر رباعی ہے فرماتے ہیں کہ محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں خوشبو دار مٹی آئی...... میں نے اُس مٹی سے خطاب کر کے پوچھا، کہ تو مشک ہے یا عنبر ،(عبیر عنبر کو کہتے ہیں مشک کستوری کو کہتے ہیں) کہ تیری خوشبو سے میرا دل مست ہو رہا ہے اُس مٹی نے جواب دیا...... میں تو بہت حقیر سی مٹی ہوں...... ہاں لیکن کچھ دن مجھے پھول کی صحبت نصیب ہوئی ہے ،ہم نشین کے جمال نے میرے اوپر اثر ڈال دیا ،وگرنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو پہلے تھی پھول کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے میرے اندر بھی خوشبو آرہی ہے۔ یہ اسی صحبت کا اثر ہے کہ مٹی جو کہ پھول کیساتھ لگ گئی تو جیسے پھول مہکتا ہے مٹی بھی مہکنے لگ جاتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی ؒ کہنے کا یہ مطلب ہے۔

دوسری نصیحت :

ایسے ہی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

جامۂ کعبہ رامی بوسند
او نہ از کرم پیلہ نامی
شد
باعزیز نشست روزے
چند
لاجرم ہمچو او گرامی شد

گلستان سعدی ص۱۹۴

کہ کعبۃ اللہ کے غلاف کولوگ چومتے ہیں، آنکھوں پر رکھتے ہیں......وہ ریشم کے کیڑے کی پیداوار کی وجہ سے اس نے یہ مرتبہ نہیں پایا کہ وہ ریشمی کیڑے کی پیداوار ہے اس لئے لوگ اس کو چومتے ہیں ......چند دن ایک عزیز کی صحبت میں رہا ہے اور اس کے ساتھ لگا ہے تو اب جو عزت اس بیت اللہ کی تھی وہی لوگوں کے دلوں میں اس غلاف کی بھی ہے۔جیسے لوگ بیت اللہ کو چومتے ہیں، اس غلاف کو بھی چومتے ہیں۔جیسے وہ باعزت ہے بیت اللہ بھی باعزت ہے۔

تیسری نصیحت

پسر نوح بابداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

(گلستان ص۲۸)

نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعاں اُس نے گندے لوگوں کی صحبت اختیار کی تو اپنا خاندان اس

نے ضائع کردیا، اصحاب کہف کا کتا چند نیک لوگوں کے ساتھ چلا تو قرآن میں اسکا ذکر جس طرح سے ان اولیاء اللہ کا ہے اُس کتے کا ذکر بھی ہے۔

ویقولون خمسة سادسهم کلبهم (الآیۃ) جہاں ان اللہ کے بندوں کا ذکر آرہا ہے ساتھ ساتھ کتے کا ذکر آرہا ہے تو کتنا بڑا اشرف حاصل ہوگیا اس کتے کو نیکوں کے پیچھے چلنے کی وجہ سے اور نوح کا بیٹا جو تھا وہ بروں کے ساتھ بیٹھا اور اس کا نبوت کا خاندان گم ہو گیا۔

انسان آنکھ سے بنتا ہے

ماہر نفسیات فرماتے ہیں کہ انسان آنکھ سے بنتا ہے، آنکھ سے بننے کا کیا مطلب؟ یہ ہے کہ جو چیز انسان آنکھ سے دیکھتا ہے اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر کسی اچھے ماحول میں اس کے سامنے ہر وقت اچھی بات آئے گی۔ دیکھو آپ نے چھوٹے بچوں کو گھروں میں دیکھا ہوگا جو بالکل بے سمجھ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ماں کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ جیسے دیکھا تھا ویسے ہی اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کی اور جن کے گھر میں ہر وقت ٹی وی چلتا ہے اور ناچ گانا ہوتا ہے۔ تو جب چاہیں آپ دیکھ لیں ان کے بچوں کی حرکتیں، ان کے بچوں کا اچھلنا کودنا اسی طرح سے ہوتا ہے جس طرح سے ناچتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ آنکھ نے جس قسم کی چیزیں دیکھیں بدن کے اوپر اسی قسم کے اثرات آئے اور بچے نے ویسا کرنا شروع کر دیا حالانکہ بالکل لاشعوری کا زمانہ ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ لاشعوری کے زمانہ میں بھی بچہ دیکھ دیکھ کے متاثر ہوتا ہے اور جس وقت آپ شعور والے ہوجائیں پھر تو لازمی بات ہے کہ آنکھ بہت جلدی اثر پکڑتی ہے اور انسان کے اوپر اثر انداز ہوتی ہے۔ آنکھ سے ہی دل متاثر ہوتا ہے اور آنکھ ہی کیساتھ انسان کی عادات بگڑتی ہیں، تو آنکھ کا مسئلہ اس صحبت کے مسئلے میں بہت اہم ہے۔ دار و مدار شرف کے حاصل ہونیکا اکثر و بیشتر اسی آنکھ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

صحابی کسے کہتے ہیں

صحابیت کا دارومدار صرف دیکھنے پر ہے اس لئے صحابی وہ ہے جس نے ایمان وعقیدت کیساتھ اللہ کے نبی کو ایک دفعہ بھی دیکھ لیا چاہے بات کرنیکی نوبت نہیں آئی چاہے بات سننے کی نوبت نہیں آئی ، صحابیت کے لئے روایت شرط نہیں ہے آپ کو معلوم ہے بالکل اسی طرح سے ہے آپ کسی ولی کیساتھ زیادہ وقت نہ گزار سکیں اگر آپ ایک نظر سے اس کو دیکھ لیں تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک ایسی نسبت معنوی طور پر پیدا ہوجاتی ہے کہ جب انسان کو خیال آتا ہے تو ایک کشش بھی معلوم ہوتی ہے اور ایسے لگتا ہے جیسے اس کے ساتھ ہمارا ایک تعلق ہوگیا ہے اس کے اثرات جو ہیں وہ بھی یقیناً پڑتے ہیں ۔ فلاں شخص جو ہے شیخ الہند کو دیکھنے والا ہے فلاں شخص مولانا نانوتوی کو دیکھنے والا ہے ۔ فلاں نے فلاں کو دیکھا ہے ۔ فلاں نے صحابی کو دیکھا ہے فلاں نے تابعی کو دیکھا ہے تابعی ہوگیا ۔ تبع تابعی ہوگیا یہ عام محاورے کی بات ہے کہ دیکھنے والے کو بھی امتیاز حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں جس نے نہیں دیکھا ، اس لئے آنکھ کی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے اس طرح کہ آپ کی نظر پڑے تو کسی اچھی چیز پر پڑے اور آپ کے سامنے کوئی آئے تو اچھی بات آئے ۔

بُرا دوست سانپ سے بدتر ہے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

یار بد بد تر بود از مار بد

بُرے دوست سے ہمیشہ بچو اور اس سے پناہ پکڑو اور ایک جگہ لفظ ہے کہ برا دوست سانپ سے بھی برا ہے ، برا سانپ وہ ہوتا ہے کہ جس کے کاٹنے سے انسان مر جائے ۔ اور برا ساتھی ، اس سے بھی زیادہ برا ہے وجہ کیا ؟ وہ یہ کہ اگر کسی کو سانپ نے کاٹ لیا تو کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ نقصان یہ ہوگا کہ وہ مر جائیگا اور مرنا تو انسان نے ویسے بھی ہے تو یا اس سے زیادہ اور بھی کوئی نقصان ہے (نہیں) سانپ کے کاٹنے کا کیا نقصان ہے مر بھی

جائیگا انسان اس سے زیادہ اور تو کوئی بات نہیں اور مرنا تو انسان نے ویسے بھی ہے تو سانپ کے کاٹنے سے آپکا کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا کہ جس کو ہم کہیں گے آپ تباہ ہو گئے برباد ہو گئے نہیں سانپ کے کاٹنے سے موت آ گئی اگر وہ نہ بھی کاٹتا تو بھی آپ نے مرنا تھا، موت تو آنی ہی آنی تھی اس لئے سانپ کے کاٹنے سے کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس کو سانپ کاٹ لے وہ قبر میں، حشر میں قیامت میں روئے گا نہیں کہ ہائے مجھے سانپ نے کیوں کاٹا نہ قبر میں روئے گا کہ سانپ نے کاٹ لیا نہ حشر میں کہ ہائے کاش مجھے سانپ نہ کاٹتا۔ ہوسکتا ہے کہ سانپ کے کاٹنے سے مرا ہوا آخرت میں ثواب پالے اور اس کو اجر ملجائے ۔ ہوسکتا ہے کہ اس کو شہادت کا درجہ حاصل ہوجائے بہر حال سانپ کا کاٹا ہوا چیخے چلائے گا نہیں ۔

لیکن جو......یار بد...... ہے اگر اس نے کسی کو کاٹ لیا اور کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی برائی کے اثرات اس پر واقع ہو گئے ۔ جیسے سانپ کی زہر چڑھ گئی اس طرح سے آپ کو یار بد کی زہر چڑھ گئی برائی کی زہر چڑھ گئی آپ کو آپ برباد ہو گئے ۔

- دنیوی طور پر برباد ہو گئے ....
- اخروی طور پر برباد ہو گئے ....
- قبر میں بھی چیخیں گے............
- حشر میں بھی چیخیں گے............
- قیامت میں بھی پچھتائیں گے......

کوئی موقعہ ایسا نہیں آئیگا کہ جس پر آپ کو حسرت نہ ہو۔

برے دوست کا ذکر قرآن میں:

یار بد کے کاٹے ہوئے کی چیخیں قرآن کریم نے نقل کی ہیں انیسویں پارے کی ابتداء میں آپ پڑھتے ہیں

"يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (الایه)"

منہ کیساتھ کاٹنا ہاتھ کاٹنا ہمارے ہاں اردو میں محاورہ ہے انتہائی حسرت کے موقع پر کہ فلاں شخص اپنے ہاتھ کاٹ رہا ہے۔ پچھتائے ہوئے انسان کی یہ کیفیت ہوتی ہے ......**یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ**۔

جس دن ظالم اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا ...... **یَا لَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا**......

کاش میں رسول کیساتھ راستہ اختیار کر لیتا اور ویسے چلتا جس طرح کہ رسول چلا ہے۔ **یٰوَیْلَتٰا لَیْتَنِی لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا** ہائے میری بربادی ہائے میری تباہی کیا ہی اچھا ہوتا میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا ......**یاویلتٰی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلاً** ......میں فلانے کو دوست نہ بناتا میں تو برباد ہو گیا اس کو دوست بنا کے کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اس کو دوست نہ بناتا ایسے دوست جس کے متعلق آج ہمارے دل میں یہ ہے۔ہم اس کو یاد کر کر کے آہیں بھرتے ہیں اور کہتے ہیں ''خاک ایسی زندگی پہ تم کہاں اور ہم کہاں''ایسی زندگی کا کیا فائدہ جس میں ہماری ملاقات نہیں ہے تم کہاں اور ہم کہاں۔ آج ہم آہیں بھرتے ہیں اس دن کہیں گے کاش اس کے اور میرے درمیان بعدالمشرقین ہوتا۔ **بِئْسَ الْقَرِیْنُ**...... بڑا بُرا ساتھی ہے یہ مشرق میں ہوتا میں مغرب میں ہوتا اتنی دوری ہمارے درمیان ہوتی بڑا بُرا ساتھی ہے۔ **یَالَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ**......**بعد المشرقین** کا معنیٰ ہے تو مشرقی کنارے پر ہوتا میں مغربی کنارے پر ہوتا۔اتنی ہم میں دوری ہونی چاہیے تھی۔ یہ ان دوستوں کے متعلق ہوگا جن کے بارے میں ہے **لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْجَآءَنِیْ**۔ **الآیۃ** کہ میرے پاس نصیحت آ گئی تھی مجھے اللہ کے رسول نے نصیحت کر دی تھی۔ مجھے رسول اللہ نے نصیحت کر دی تھی کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے اور اللہ کے رسول کے تابعین نے نصیحت کر دی تھی کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔لیکن دوست کے بہکاوے میں آ کر میں وہ کام کرتا رہا اور اس نے مجھے اس نصیحت پر عمل کرنے دیا۔اور یہ چیخیں قرآن نقل کر رہا ہے۔

بُری دوستی دنیا و آخرت خراب کر دیتی ہے

اور یہی آپ کو بتانے کے لئے نقل کررہا ہوں کہ سمجھ جاؤ سوچ لو سانپ کی زہر تو دنیا میں بھی رونے نہیں دیتی بلکہ کہتے ہیں کہ سانپ جب مارتا ہے تو سلا کے مارتا ہے یہ بھی آپ کو پتہ ہونا چاہیے اسکی زہر کا اثر بڑھتا ہے نیند آجاتی ہے نیند نیند میں انسان مرجاتا ہے۔لیکن برا دوست تو ایسے مارتا ہے کہ دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔

لٹریچر کے اثرات

اس لئے لٹریچر کا مطالعہ بہت اہم مسئلہ ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی آنکھ سے ہے اس لئے جب آپ کوئی اچھی کتاب پڑھتے ہیں تو اس کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔خدا خوفی کے واقعات پڑھیں گے تو آپ کا دل متاثر ہوگا اور پھر انسان میں نیکی آتی ہے بلکہ ہمارے اکابر تو ہمیں نصیحت کیا کرتے تھے کہ اگر کسی بزرگ کی صحبت نصیب نہ ہو کہ آپ کے پاس کوئی بزرگ نہیں ہے تو کسی بزرگ کے حالات کی کتاب پڑھا کرو کیونکہ وہ بھی صحبت اختیار کرنے کے قائم مقام ہے اور واقعہ ہے کہ آپ بزرگوں کے ملفوظات پڑھیں ان کے واقعات پڑھیں تو طبیعت پر اثر ہوتا ہے اور اگر آپ عشقیہ ناول پڑھنا شروع کردیں،فلمی رسالے دیکھنے شروع کردیں،فحش تصویریں دیکھنا شروع کردیں،اخباروں میں مختلف قسم کی تصاویر دیکھنا شروع کردیں تو اس کے برے اثرات آپ کی طبیعت پر پڑیں گے اور یہ سارے کے سارے اثرات آنکھوں سے دیکھنے کے ہیں اس لئے دوست ہمیشہ وہ اختیار کرو جو آپ کو نیکی کی تلقین کرے اور ایسا دوست جو آپ کو بازار میں گھومنے کیلئے کہتا ہے ،گانے سننے کی ترغیب دیتا ہے اُس کو سانپ سے بھی بدتر سمجھو اگر ان دوستوں سے بچ جاؤ گے تو زندگی سدھر جائے گی ورنہ دنیا اور آخرت کو خراب کر بیٹھو گے۔

صحبت کی تعریف اور اس کے اثرات:

ایک اشکال اور اُس کا حل ۔۔اپنی بات شروع کرنے سے پہلے آپ طالب علموں کے ذہن میں اُبھرنے والا ایک اشکال حل کردوں۔اشکال ہوسکتا ہے؟ کہ ایک

آدمی اچھا ہے اور ایک بُرا ہے۔ جب ہم کسی کو نصیحت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بُرے آدمی سے بچو۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ بُرے کو قریب نہ کرو۔ تو پھر جوڑ کیسے بیٹھے گا؟ یہ ایک طالب علمانہ منطقی اشکال آپ کے ذہن میں آسکتا ہے۔ کہ بُروں کو تو کہا جاتا ہے کہ اَچھوں کے قریب جاؤ، اُن کے پاس جا کے بیٹھو اور اَچھوں کو کہا جاتا ہے کہ بُرے کو قریب نہ لگنے دو، اُس کے پاس ہرگز نہ بیٹھو تو پھر دونوں کا جوڑ کیسے لگا؟ اس اشکال کا جواب آپ کے سامنے عرض کردوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحبت اُس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو کسی دوسرے کے تابع بنا کر، اُس سے متأثر ہوکر، اُس کی عقیدت ومحبت میں اُس کے اَثرات قبول کرنے اور اپنے آپ کو اُس کے رنگ میں رنگنے کی نیت سے اُس کے قریب لگے۔ اس کو صحبت اختیار کرنا کہتے ہیں۔ جس کے دل میں دوسرے کی عظمت ہوگی وہ صحبت اختیار کرنے والا اور جس کی عظمت ہوگی وہ صحبت عطا کرنے والا کہلاتا ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی آپ پر برتری رکھتا ہے اور آپ اُس کے حالات سے متأثر ہیں اور آپ اُس کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے ہیں تو یقیناً اُس بڑے کے اَثرات آپ پر واقع ہوں گے۔ اُس کے برعکس اگر کوئی بڑا آدمی آپ کے قریب آتا ہے عقیدت اور محبت کے ساتھ، اور آپ کی عظمت کا قائل ہے، اور آپ سے اَثر لینے کی نیت سے آتا ہے، اَثر ڈالنے کی نیت سے نہیں آتا تو پھر وہ نیکی سے متأثر ہوگا۔ آپ اُس پر اَثر انداز ہوں گے۔

اَب یہاں سے ایک اُصول نکل آیا کہ آپ متأثر کسی آدمی سے تب ہوں گے جب محبت وعقیدت کے ساتھ۔ فیض حاصل کرنے اور نیکی سیکھنے کی نیت سے اُس کے قریب جا کر بیٹھیں گے۔ ورنہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مشرکین مکہ 53 سال تک حضور ﷺ کو دیکھتے بھی رہے، ملتے بھی رہے آپ ﷺ کے وعظ بھی سنتے رہے لیکن اُن پر کوئی اَثر نہیں ہوا کیونکہ اُنہوں نے عقیدت ومحبت نہیں اپنائی۔ چنانچہ جب تک دل کو دل کے ساتھ نہیں جوڑیں گے اَثرات نہیں آئیں گے۔ بڑے سے محبت کرلیں، اُس کی عظمت کے

قائل ہوجائیں، بُرائی کے اَثرات آنے شروع ہوجائیں گے۔ اچھے سے محبت کرلیں اور اچھے کے ساتھ دل کو جوڑ لیں، اُس کے اَثرات آنا شروع ہوجائیں گے۔

صحبت کا اَثر تب ہوگا کہ آپ جس کی صحبت میں بیٹھیں اُس کی محبت آپ کے دل میں ہو، اُس کی عقیدت آپ کے دل میں ہو اور آپ اپنے آپ کو چھوٹا قرار دے کر اُس کے اَثرات لینا چاہیں۔ اُس کی عظمت آپ کے دل میں ہو تو بہت جلدی اَثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بہت جلدی انسان اَثر قبول کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اُس کی عادت بدلتی ہے اُس کے دل کے جذبات بھی بدلتے ہیں اور اتنے بدلتے ہیں کہ بسا اوقات اُس کا اُٹھنا، بیٹھنا بھی بدل جاتا ہے۔ اور بسا اَوقات دونوں دوستوں کی شکلیں ایک جیسی ہوجاتی ہیں۔ یوں رنگے جاتے ہیں ایک دوسرے کے رنگ میں۔ یہ ہوتا تب ہے کہ جب انسان عقیدت اور محبت کے ساتھ جائے۔

کونوا مع الصادقین کا مطلب:

یہ الفاظ قرآن کریم کے ہیں۔ آج بھی میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام میں دیکھ رہا تھا اور بہت اچھا نکتہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں بیان فرمایا کہ ”**کونوا مع الصادقین**“ صادقین کے ساتھ رہو۔ اِس ساتھ رہنے کا کیا مطلب ہے؟ ہر وقت اُن کے ساتھ جڑے رہو نہ رات کو علیحدہ ہو نہ دن کو علیحدہ ہو؟ جدھر جا رہے ہیں اکٹھے ہی جا رہے ہیں یہ مطلب ہے؟...... **کونوا مع الصادقین**...... کا اگر معیت یہ ہے تو یہ ممکن ہی نہیں۔ یہ تو ایک دوسرے کے لئے نری مصیبت ہیں کہ ہر وقت مسلط ہوجائیں۔ کسی وقت پیچھا ہی نہ چھوڑیں۔ یہ معیت یہاں مراد نہیں...... صادقین کے ساتھ رہنے کا یہ معنی نہیں کہ ہر وقت اُن کے ساتھ ساتھ لگے رہو، کسی وقت بھی اُن سے جدا نہ ہوو، یہ باعثِ تکلیف ہے۔ یہاں معیت سے وہی قلبی معیت مراد ہے۔

کہ آپ نے ایک بزرگ سے تعلق قائم کرلیا جیسے ہم لوگ اپنے بزرگوں سے بیعت ہوجاتے ہیں۔ بیعت ہونے کے ساتھ ایک تعلق قائم کیا تو دل میں دھیان رہنے

لگ جائے اپنے اس بزرگ کا۔ چلتے پھرتے اُس کا خیال رہنے لگ جائے۔اُس کا اُٹھنا، بیٹھنا، نماز وغیرہ پڑھنا آنکھوں کے سامنے آتا رہے، یہ منظر آنکھوں کے سامنے ہو۔

- جیسے اُس کو نماز پڑھتے دیکھا آنکھوں کے سامنے ہے۔
- جیسے اُس کو گفتگو کرتے دیکھا آنکھوں کے سامنے ہے۔

چلتے پھرتے اُٹھتے، بیٹھتے اُس کا دھیان آتا ہے۔ تو یوں سمجھو کہ یہ شخص اپنے اُس صادق کے ساتھ ہے۔ صادقین کے ساتھ ہے۔ دل میں جم جانا کسی خیال کا کہ ہمارا فلاں سے تعلق ہے، فلاں ہمارا بزرگ ہے ، ہمارا اُن سے تعلق ہے۔ یوں نماز پڑھتے ہوئے میں نے اُن کو دیکھا ہے، یوں اُٹھتے بیٹھتے میں نے اُن کو دیکھا ہے۔ فلاں بات میں نے اُن کی سنی تھی، یوں وہ مسکرا رہے تھے، یوں وہ بات کررہے تھے۔ یہ شکل جو ہر وقت ذہن میں گھومنے لگ جاتی ہے، یہ وہ معیتِ صادقین ہے جس کی برکت سے خود انسان کے اپنے اندر صدق کے اَثرات پیدا ہوتے ہیں۔

بُری صحبت کے اَثرات:

اور اگر دل میں آپ کے کوئی موسیقار سما گیا یا کوئی گانے والی سما گئی۔ کوئی دوسرا چمٹا بجانے والا سما گیا۔ اُٹھتے، بیٹھتے اُسے یاد کرتے رہو، اُس کے بول گنگناتے رہو، اور اُسی کے گیت آپ کے کان میں آتے رہیں تو چاہے آپ مسجد میں بیٹھے ہوں حقیقتاً مسجد میں نہیں ، بلکہ آپ گانے والی کی صحبت میں ہیں۔ اگر آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے بھی اُسی کا تصور ذہن میں لئے ہوئے ہیں، اُسی کے بول گنگنا رہے ہیں اور اُسی کے بول آپ کے کان میں گونج رہے ہیں تو آپ مسلسل اُس کی صحبت کا لطف لے رہے ہیں۔

اچھی صحبت کے اَثرات:

اور اگر آپ کے دل کا تعلق کسی اچھے آدمی سے ہوگیا ہے، کہ ہمیشہ جب بھی آپ اپنے کام سے فارغ ہوجاتے ہیں ،فوراً دھیان اُدھر جاتا ہے اور اُن کی نیکی سامنے آتی ہے،

اُن کی پیاری پیاری باتیں اپنے کان میں آتی ہیں ،اُن کی نصیحت یاد آتی ہے۔ اُن کا حال آنکھوں کے سامنے آتا ہے کہ ہم نے اُن کو یوں بیٹھے دیکھا تھا، ہم نے اُن کو یوں کرتے دیکھا تھا۔ تو جب چاہیں آپ تجربہ کرکے دیکھ لیں وہی اَثرات انسان پر آتے ہیں جو صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے آتے ہیں تو یہاں معیت سے وہی معیت معنوی مراد ہے کہ تعلق پیدا کرو صادقین کے ساتھ۔ جب تعلق پیدا ہوجائے گا...... دل دماغ میں سما جائیں گے تو پھر وہ اَثرات انسان کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ بہرحال اُن اَثرات کا منتقل ہونا متفق علیہ ہے۔

جانوروں کی صحبت کے بھی اَثرات ہوتے ہیں:

مجھے یاد پڑتا ہے شاید حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ویسے تو یہ بات حدیث شریف میں آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بکریاں چرانے والوں میں مسکنت ہوتی ہے۔ (بخاری ص ۴۹۶ ج ۱، مسلم ص ۵۳ ج ۱) حدیث شریف میں بہت سی روایات میں یہ لفظ آتا ہے کہ بکریاں چرانے والوں میں مسکنت ہوتی ہے اور اُونٹ چرانے والے اکثر و بیشتر سخت مزاج ہوتے ہیں کیونکہ اُونٹ کے مزاج میں کینہ بہت ہے جب یہ ضد پر آجائے تو مارے بغیر چھوڑتا نہیں ہے۔ آپ کو پتہ ہونا چاہئے ویسے بڑا فرمانبردار ہے، چھوٹا سا بچہ بھی مہار پکڑ کے جدھر چاہے لے جائے لیکن یہ جب کسی کے ضد پڑجائے،

- غصہ میں آجائے
- اس کا کینہ اُبھر آئے۔

تو پھر یہ قتل کیئے بغیر رہتا نہیں، پھر اُس کو جان سے مارتا ہے۔ اُونٹ کے مزاج میں بڑی سختی ہے۔ جو ہر وقت اُس کی صحبت میں رہنے والے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُن کے مزاج میں بھی سختی ہوتی ہے۔ (بخاری ۱/۴۶۶)

فخر، تکبر فرمایا کہ گھوڑے والوں کے مزاج میں ہوتا ہے۔ کیونکہ گھوڑے کا اپنا مزاج ایسے ہے۔ جانوروں کی صحبت سے بھی متأثر ہونے کا ذکر حدیث شریف میں ہے۔

صحبت کے اَثرات معلوم کرنے کا طریقہ:

مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں لکھا ہے کہ اَثرات کا تجربہ کرنا ہو تو چند دن شیر کی کھال کے اُوپر بیٹھ کر دیکھ لو تو اُس میں تکبر اور بڑائی کے اَثرات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ شیر کے خود اَثرات ایسے ہیں۔ یہاں تک اَثرات واقع ہوتے ہیں۔

صالحین کی زیارت کے اَثرات:

اس لئے میرے عزیزو! اس بات کو خاص طور پر یاد رکھو۔ اپنے ماحول کو اچھا بنایا کرو۔ اچھے رفقاء اختیار کرو، اچھے ساتھی اختیار کرو، ان شاء اللہ العزیز اچھے اَثرات مرتب ہوں گے۔ بزرگوں کے ساتھ ملنے اور اُن کو دیکھنے کا جو شوق چلا آ رہا ہے ہماری جماعت میں اس کی اصل وجہ یہ ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں میں ہماری محبوب شخصیت حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ قریب زمانہ میں گزرے ہیں۔ ویسے تو بزرگوں کی لمبی فہرست ہے لیکن یہ ہمارے قریب زمانے کے ہیں۔ اللہ نے بڑی محبوبیت دی تھی اُن کو، مدینہ میں کتنے سال تک حدیث پڑھائی۔ پھر بہت عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر رہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شوق

آپ جمعیت علماء ہند کے صدر رہے۔ میں نے اُن کی صرف ایک دفعہ زیارت کی ہے۔ چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا تو وہ ہمارے گاؤں میں آئے۔ جب یہ قیامِ پاکستان کا الیکشن ہونے والا تھا آپ بھی جگہ جگہ جلسے کرتے پھر رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا رہا جلسے میں، سمجھ تو اُس وقت کچھ آیا نہیں کہ حضرت نے کیا بیان فرمایا، البتہ زیارت ہوگئی۔ مجھے سکول میں پتہ چلا تھا کہ حضرت مدنی تشریف لا رہے ہیں تو میں سکول سے بھاگ آیا تھا۔ اور غیر حاضری کا ایک آنہ جرمانہ بھی بھرا۔ کیونکہ ہمارے وقت میں سکول سے غیر حاضری پر ایک آنہ جرمانہ ہوتا تھا۔ اَب معلوم نہیں جرمانہ ہوتا ہے کہ نہیں؟

بہر حال اُس زمانے میں ایک آنہ جرمانہ ہوتا تھا۔میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دو آنے جرمانہ ادا کیا ہے۔ پہلے دن پتہ چلا کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں اُس دن سکول سے بھاگ آیا۔ سارا دن لوگوں کے ساتھ سڑک پر بیٹھا رہا، اُس دن غیر حاضری ہوگئی ۔ایک آنہ جرمانہ اُس کا ہوا تو حضرت تشریف نہیں لائے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے حضرات آ گئے۔

اگلے دن سکول پہنچا تو وہاں جا کر کسی نے اطلاع دی کہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تو پھر بھاگ آیا۔ پھر جتنی دیر تک حضرت گاؤں میں رہے، میں پیچھے پیچھے رہا، جیسے بچے لگ جاتے ہیں بزرگوں کے پیچھے، میری عمر کوئی گیارہ بارہ سال ہوگی ،چھٹی میں پڑھتا تھا۔تو اُس دن بھی غیر حاضری ہوگئی لہٰذا پھر ایک آنہ جرمانہ بھرا۔

وہ ایک زیارت ایسی دل میں پیوست ہوئی ہے کہ پھر نکالے نہیں نکلی ۔جس طرح بہت سخت قسم کا تعلق ہو جاتا ہے کہ اگر انسان ادھر اُدھر ہونا بھی چاہے تو نہیں ہوسکتا۔محبت دل میں جاگزیں ہوگئی ایک ہی صحبت اور ایک ہی نظر کا اَثر۔اس طرح جب کسی نیک آدمی کو دیکھو، سنو، زیارت کی کوشش کرو، ملنے کی کوشش کرو تو اُس کے اَثرات یقیناً اچھے سے اچھے واقع ہوتے ہیں۔

بزرگوں کی زیارت کیلئے پیدل سفر

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان تشریف لائے تو ہم اُن کی زیارت کرنے کے لئے کبیر والہ سے خانیوال پیدل آئے تھے۔ میں اور میرے اُستاد حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں دار العلوم کبیر والہ کے مہتمم ہوئے۔ہم رات کو بارہ بجے اُٹھ کے چل دیئے اور فجر کی نماز خانیوال آ کے پڑھی۔ اُس وقت بسیں زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ بہت کم ہوتی تھیں۔ دن کو چلتی تھیں رات کو نہیں چلتی تھیں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ زیارت کے لئے میں مدرسہ رَبانیہ ٹوبہ سے کمالیہ پیدل آیا تھا۔کم از کم اٹھارہ ،اُنیس میل کا فاصلہ ہوگا۔قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیارت کے لئے مَیں آٹھ نو میل پیدل چل کے گیا ہوں ۔بات سمجھے کہ نہیں۔؟

تو اُن بزرگوں کے ساتھ تعلق کی بناء پر یہ ایک کشش تھی اللہ کا شکر ہے۔ جیسے اُن کو دیکھا جی چاہتا ہے کہ اللہ ویسا بننے کی توفیق دے۔ جو کچھ ہوگا اللہ کی توفیق سے ہوگا لیکن کم از کم اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ انسان کیسے ہوتے ہیں؟ اُن کو دیکھنے کے ساتھ اتنا طبیعت پر اثر ہوگیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ حقیقت میں انسان یہ لوگ تھے اور اللہ نے اُن کو انسانیت کے شرف سے نوازا تھا۔

- اُن کے دن کیسے تھے۔
- اُن کی راتیں کیسی تھیں۔
- یہ خدا سے کیسے ڈرتے تھے۔
- اللہ کی عبادت کیسے کرتے تھے۔

اُن کے سامنے آنے سے پتہ چلا کہ انسان ایسا ہے اور انسانوں کو ایسے رہنا چاہئے۔ اللہ اکبر! تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہی ہے کہ

- نیکوں کی زیارت کی کوشش کرو۔
- نیکوں سے ملنے کی کوشش کرو۔
- اُن کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرو۔
- یہ چیز انسان کی زندگی میں انقلاب لانے والی ہے۔
- اور بُرے ماحول سے۔
- بُرے اَثرات سے۔
- بُری تصویروں سے۔
- بُری صحبت سے۔
- بُرے کھیلوں کے میدانوں سے۔ ہر چیز سے بچو!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق دے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رَبّ العالمین۔

چند سوالات اور اُن کے جوابات

سوال: نیت کی حقیقت کیا ہے اور نیت کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: نیت اصل کے اعتبار سے دل کا فعل ہے۔ زبان کا فعل نہیں ہے۔ لیکن دل ودماغ میں کیئے جانے والے ہر فعل کی حیثیت اور مرتبہ کا تعین ضروری ہے۔ مثلاً آپ نماز کی نیت کریں تو یہ فرق کرنا ضروری ہے کہ آپ فرض پڑھ رہے ہیں؟ وتر پڑھ رہے ہیں؟ سنت پڑھ رہے ہیں یا نفل پڑھ رہے ہیں؟۔ جب تک آپ یہ فرق نہیں کریں گے آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ شروع ہی سے آپ کو فرق کرنا ہوگا کہ فرض پڑھ رہا ہوں، سنت پڑھ رہا ہوں، وتر پڑھ رہا ہوں، نفل پڑھ رہا ہوں ،اس کا تعین ضروری ہے۔ امام کے پیچھے نماز پڑھے تو نیت میں یہ تعین بھی ضروری ہے کہ امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں۔ زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں۔ دل میں خیال کرلینا کہ میں ظہر کے فرض پڑھ رہا ہوں امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں ،بس یہ کافی ہے۔۔ باقی یہ کہ میرا منہ قبلہ کی طرف ہے تو قبلے کی طرف ہی تو منہ ہوتا ہے اور آپ نے کس طرف منہ کیا ہوا ہے، خواہ مخواہ کی ایسی باتیں بنا کے اُمت کو اختلافات میں تقسیم کردیا گیا۔

جیسے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ جنازے سے پہلے یہاں نیت کی اذان دیا کرتے تھے، بڑی مشکل کے ساتھ میں نے اُس کو بند کروایا۔

چار تکبیر نماز جنازہ پڑھداں واسطے خدا دے درود واسطے حضور ﷺ دے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہتے۔ تو میں نے کہا کہ کبھی سنا ہے کہ ثناء اللہ کے علاوہ کسی اور کے واسطے بھی ہوتی ہے۔؟ درود شریف حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کے واسطے بھی ہوتا ہے۔؟ بھائی جب ثناء پڑھیں تو ہوتی ہی اللہ کے لئے ہے اور درود شریف پڑھیں تو ہوتا ہی حضور ﷺ کے لئے ہے۔ اسی طرح منہ قبلے کی طرف کیئے کھڑے ہو اور جس میت کے لئے دُعا کرنی ہے وہ سامنے پڑی ہے۔ تو اس لمبی چوڑی عبارت کی ضرورت ہی کیا ہے۔؟ اور یہ کس کو سنا رہے ہو۔؟

جب تم نماز پڑھتے ہو تو کیا ساری تفصیل اللہ کو بتایا کرتے ہو کہ میں چار رکعتیں پڑھوں گا۔ چار رکوع کروں گا، آٹھ سجدے کروں گا، دو قعدے کروں گا، تشہد پڑھوں گا

،فاتحہ پڑھوں گا، یہ سب کے سب شمار کر کے اللہ تعالیٰ کو بتایا کرتے ہو؟ نماز میں حمد وثناء نہیں پڑھتے؟ وہاں کیوں نہیں کہتے ثناء واسطے اللہ تعالیٰ دے...... اُس میں درود نہیں ہے؟ وہاں کیوں نہیں کہتے دُرود واسطے اللہ تعالیٰ دے، سجدہ واسطے اللہ دے، رکوع واسطے اللہ دے تو پھر جنازے میں کونسی ایسی خصوصیت ہے کہ اُس میں سب کچھ شمار کر کے اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہو۔

جب ارادہ کرلیا کہ اس میت کے لئے دُعا کرنی ہے اور دُعا کا مفہوم آپ کے سامنے ہے کہ چار تکبیریں ہیں اور اصل ہے دُعاء۔دُعاء کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے حمد وثناء پڑھی جائے ،پھر دُرود شریف پڑھا جائے اور بعد میں دُعاء مانگی جائے۔ اسی قاعدہ کے مطابق جنازے میں پہلے ہم ثناء پڑھتے ہیں۔ پھر دُرود شریف پڑھتے ہیں پھر دُعا کرتے ہیں ۔بس جنازہ ہوگیا۔

ایک دفعہ میں قبرستان میں جنازہ پڑھانے گیا تو میں ابھی کھڑا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے یہی کہہ دیا (چار تکبیر نماز جنازہ فرض کفایہ۔۔۔) جیسے کہ کہا کرتے ہیں تو ایک اچھا بھلا بزُرگ میں اُس کا نام نہیں لیتا۔ مجھے کہتا ہے مولوی صاحب! اقاُمت ہوگئی، نماز شروع کرو۔ میں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ یعنی لوگ اس کو جنازے کی اقاُمت سمجھتے ہیں تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کیا شک رہا بات سمجھے یا نہیں؟ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔نیت دل میں ہوتی ہے۔ دل میں آپ فرق کریں ہاں البتہ بچوں کو سکھانے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ فرض ہیں ۔ یہ سنت ہیں۔ یہ نفل ہیں اور تعداد میں دو ہیں، تین ہیں، چار ہیں اور نماز کون سی ہے ظہر ہے یا عصر، قضاء ہے یا ادا؟ تا کہ فرق معلوم ہو جائے۔ جب دُرود شریف پڑھیں گے تو وہ حضور ﷺ کے لئے ہوگا۔ یہ فرق دل میں ضروری ہے اگر یہ فرق نہیں کروگے تو پھر نماز نہیں ہوگی۔

یا محمد لکھنے کا شرعی حکم:

سوال: دیواروں پر **یا اللہ** کے ساتھ **یا محمد**ﷺ لکھا ہوتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس بارہ میں اپنے ایک بزرگ کی بات آپ کو سنادوں قرآن کریم کی سورۂ نور کے آخری رکوع میں آتا ہے **لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا** کہ رسول کے پکارنے کو ایسے نہ کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو۔ اس کے دو معنی ہیں۔ **دعاء الرسول** یہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے یا مفعول کی طرف۔اس سے دو مطلب نکلیں گے۔اگر مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہوتو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر رسول تمہیں بلائے تو یوں نہ سمجھا کروتو اُسکا بلاوہ تمہارے آپس کے بلاوے کی طرح ہے کہ مرضی ہے آؤ مرضی ہے نہ آؤ ایسا نہیں بلکہ رسول بلائے تو ضرور آؤ۔ رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہ سمجھا کرو۔ایک معنی اس کا یہ ہےاور اگر **دعاء الرسول** میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہوتو معنی اس کا یہ ہوگا کہ جیسے ایک دوسرے کو بلاتے ہو **یا زید، یا بکر، یا عمرو** نام لے کر آواز دیتے ہواس طرح نہ بلایا کرو۔ رسول کو ادب سے بلایا کرو۔تفسیر کی کتابوں میں یہ دونوں مطلب ہیں۔

اس لئے صحابہؓ میں **یا محمد** کہنے کا معمول نہیں تھا۔صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے **یا رسول اللہ**، یا حبیب اللہ۔یا محمد کہنے کی اُنہیں عادت نہیں تھی۔گو ہم آپس میں بولیں گے تو نام لے کر بلائیں گے لیکن رسول اللہ کو نام لے کرنہیں بلائیں گے یا اَبا القاسم تو کہتے تھے، یا رسول اللہ بھی کہتے تھے لیکن یا محمد کہہ کر بلانے کی صحابہؓ میں عادت نہ تھی۔ کوئی پہلے بلاتا تھا یا بعد میں آنے والے کسی بدو نے بلایا ہو، جس کو تہذیب کا پتہ نہیں، وہ ایک علیحدہ بات ہے۔ ورنہ عمومی ممانعت ہوگئی کہ آپ کا نام لے کر آپ کونہیں بلایا جاتا تھا۔

ایک بات بتاؤں جو طالب علموں کے یاد رکھنے کی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ

کہتے تھے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو **یا محمد** کا لفظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے پسند نہیں آیا کہ صحابہ کہیں **یا محمد**۔تو اللہ نے منع کر دیا۔ اور فرمایا۔ رسول کو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو۔ گویا صحابہؓ کی زبان سے تو **یا محمد** پسند نہیں کیا لیکن تمہاری دیواروں پر لکھا پسند آ گیا؟

پھر **یا اللہ**۔ **یا محمد** کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ ہاں ایک مطلب بنتا ہے جیسے علامہ خالد محمود نے خود سنایا۔ میں نے خود اُن کی زبان سے سنا۔ مولانا خالد محمود ہمارے طنز و مزاح والے آدمی ہیں۔ بہت اچھے لطائف بنا لیتے ہیں۔

کہنے لگے ایک دفعہ مَیں بریلویوں کی مسجد میں غیر مقلدوں کے خلاف درس دے رہا تھا۔(ذرا جوڑ دیکھئے اور داد دیجئے؟) بریلویوں کی مسجد میں درس ہو رہا تھا غیر مقلدوں کے خلاف......اور بریلویوں کی دیگر مساجد کی طرح اُس مسجد میں بھی لکھا ہوا تھا **یا اللہ**۔ **یا محمد** تو کسی نے پرچی دے دی کہ **یا محمد** لکھنا جائز ہے یا نہیں؟۔ مقصد اُن کا یہ تھا کہ علامہ کہہ دیں گے کہ یہ جائز نہیں تو بریلوی بھڑک اُٹھیں گے۔ اِن کی آپس میں گڑ بڑ ہو جائے گی۔ اور یہ کہنا کہ جائز ہے یہ اِن سے ممکن ہی نہیں، لا محالہ یہ ناجائز کہیں گے۔اس طرح ان کی اور بریلویوں کی لڑائی ہو جائے گی۔ علامہ کہتے ہیں کہ جب یہ پرچی میرے سامنے آئی تو میں نے کہا۔ بھائی! **یا محمد** لکھنے میں کیا حرج ہے؟ تم لوگ اس کا مطلب غلط سمجھتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم حنفیوں کے نزدیک **یا اللہ** ہے۔۔**یا محمد** ہیں۔ ہم تو ان دونوں کے قائل ہیں۔ یہ مطلب ہے اس کا۔ اور اس میں حرج ہی آخر کیا ہے؟ جیسے تم کہتے ہو کہ ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ہم **یا اللہ** کو مانتے ہیں **یا محمد** کو مانتے ہیں۔

آپ کی اس توجیہہ پر مجمع میں سے ایک شخص بول پڑا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ 'یا' پنجابی والا ہے، کیونکہ یہ مطلب نکالنے کے لئے اس 'یا' کو پنجابی کا ماننا پڑے

گا؟ تو کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے کہا کہ بھائی اگر یہ 'یا' پنجابی نہ ہوتا عربی ہوتا تو کیا سعودی عرب کی مسجدوں میں نہ لکھا ہوتا؟ تو علامہ صاحب نے اس کا مطلب یوں بنا دیا۔۔خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ خواہ مخواہ کا یہ ایک رواج اور بلاوجہ کا جھگڑا ہے۔اسکا کوئی معنیٰ نہیں بنتا۔نداء کے بعد منادیٰ کیا ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔کیا کہنا چاہتے ہو یا **محمد**...... اے محمد...... آگے کیا کہنا چاہتے ہو؟ صرف نداء تو مقصود نہیں ہوتی۔اصل تو یہ ہے کہ کہنا کیا چاہتے ہو؟ اب آپ دیکھو کہ آپ کہو یا اللہ۔ پھر آگے کہو کہ مجھ پر رحم فرما۔ مجھے رزق دے، مجھے عزت دے، مجھے صحت دے، یہ ہے بات جو اصل انسان نداء کے بعد کہا کرتا ہے کیونکہ اگر نداء کے بعد منادیٰ نہ ہو تو کلام پوری نہیں ہوتی ،لیکن بتاؤ کہ یا محمد کے بعد تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کون سا کلام ہے جو آپ حضور ﷺ کو آواز دے کر کہنا چاہتے ہیں؟ اس لئے یہ محض ایک رواج اور بلاوجہ کی ایک جاہلانہ ضد ہے جس کا کوئی علمی معنیٰ نہیں بنتا۔ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ** لکھو گنجائش ہے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ** لکھو گنجائش ہے۔بات پوری ہے کلمہ پورا ہے۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک طالب علمانہ بات یاد رکھئے کہ بعض مسجدوں پر لوگ لکھ دیا کرتے ہیں **افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**، یہ بات بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ افضل الذکر صرف **لا الہ الا اللہ** ہے۔کیونکہ **لا الہ الا اللہ** ذکر ہے اور **محمد رسول اللہ** کوئی ذکر نہیں بلکہ ایک عقیدہ ہے۔ اور جو حدیث میں آتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے۔ **افضل الذکر لا الہ الا اللہ**۔(ترمذی ۲/۱۷۵) اُس کے ساتھ **محمد رسول اللہ** کا اضافہ نہیں ہے۔

لہٰذا جہاں پر اضافہ ہے وہاں کریں جہاں نہیں ہے وہاں نہ کریں۔آذان میں آپ **اشھد ان محمد رسول اللہ** کہتے ہیں بالکل ٹھیک ......لیکن اذان کے آخر میں صرف **لا الہ الا اللہ** پڑھتے ہیں پورا کلمہ نہیں پڑھتے اور اگر کوئی یہاں پر **محمد**

رسول اللہ پڑھے گا تو یہ بدعت اور گناہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں پر حضور ﷺ سے صرف **لا الہ الا اللہ** ہی ثابت ہے، آگے محمد رسول اللہ نہیں ہے۔ اَب ہم سے کوئی کہے کہ تم **لا الہ الا اللہ** کے بعد اذان میں **محمد رسول اللہ** بھی کہو تو ہم کہیں گے کہ یہ بدعتی ہے۔ اَب اُس پر کوئی کہے کہ لو یہ **محمد رسول اللہ** کہنے والے کو بدعتی کہتے ہیں اور یوں ڈنڈا اُٹھا لے تو اس کو سوائے جہالت کے اور کیا کہہ سکتے ہیں؟۔ اس لئے بات صرف اتنی کریں جتنی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ **افضل الذکر لا الہ الا اللہ** ......ذکر جو کرنا ہے **لا الہ الا اللہ** کرنا ہے...... **محمد رسول اللہ** ذکر نہیں ہے۔ سارا دن بیٹھے پڑھتے رہو...... محمد رسول اللہ...... محمد رسول اللہ...... محمد رسول اللہ۔ یہ کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ **لا الہ الا اللہ** ذکر ہے۔ اور **محمد رسول اللہ** عقیدہ ہے۔ ذکر نہیں۔

❀❀❀

تصور بخشش و سزا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!

اَمَّابَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔

نبئ عِبَادِیْ اَنِّی اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ
وَاَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیِ الْعَظِیْم وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

❀❀❀

تمہید:

قرآن کریم کی یہ چھوٹی سی دو آیات جو آپ کے سامنے پڑھی ہیں بڑے طلباء تو ان کا ترجمہ سمجھ گئے ہوں گے۔ البتہ چھوٹوں کے لئے عرض کرتا ہوں ۔اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔ **نبئی عبادی**...... میرے بندوں کو بتا دو۔ حضور ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ میرے بندوں کو بتا دو اور انہیں یہ خبر دے دو کہ میں **غفور الرحیم** ہوں ۔بہت بخشنے والا ہوں، بہت رحم کرنے والا ہوں ۔**وان عذابی هو العذاب الالیم** اور ساتھ ساتھ یہ خبر بھی دے دو کہ میری سزا بھی بڑی سخت سزا ہے...... **ان عذابی**...... بے شک میرا عذاب...... **هو العذاب الالیم**...... بہت درد ناک عذاب ہے...... **غفور الرحیم** بھی ہوں اور ساتھ ساتھ میری سزا بھی بہت سخت ہے۔ یہ میرے بندوں کو بتا دو۔

اللہ کی قدرت ہر چیز کا احاطہ کرنیوالی ہے:

اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری خالق ہے، مالک ہے اور ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں نہ ہو۔

اللہ کی قدرت، اللہ کا علم ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے، ہر چیز اللہ کے علم کے گھیرے میں ہے۔

- لیکن چونکہ ہماری آنکھیں دیکھتی نہیں۔
- اور ہمارے کان براہ راست اُس کی بات سنتے نہیں۔
- ہم اُس کو اپنی کسی حس کے ساتھ محسوس کر سکتے نہیں۔

اللہ کا تعارف انبیاء کے واسطے سے:

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف اور براہ راست اپنی معرفت دینے کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا اور انبیاءؑ نے اللہ کا تعارف اللہ کے بندوں کو کروایا تو جن لوگوں

نے انبیاءؑ کی وساطت سے اللہ کو سمجھنے کی کوشش کی، اُنہوں نے اللہ کو صحیح سمجھا۔ اور ان کو اللہ کی صحیح معرفت حاصل ہوئی اور انہوں نے حقیقت کو پالیا۔

اور جن لوگوں نے انبیاء سے ہٹ کر اپنی عقل کے ساتھ، اپنی دانش کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے متعلق تصورات قائم کئے تو تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اُن لوگوں نے بہت غلط تصور کیا اور اللہ کی ذات کو صحیح نہیں پہچانا بلکہ وہ بھٹک گئے گمراہ ہوگئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے متعلق بات وہی صحیح ہے جو اللہ کے نبیوں کی وساطت سے ہم تک پہنچے۔

اللہ کی رحمت اللہ کے غصہ پر غالب ہے:

اللہ تعالیٰ کے جتنے نبی آئے اور انہوں نے مخلوق کو اللہ کا جو تصور دیا اس میں زیادہ حصہ اللہ کی رحمت کا ہے۔ یہ بتایا کہ اللہ کی رحمت اللہ کے غصہ پر غالب ہے ۔چنانچہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں ۔جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بنانے کا ارادہ کیا تو ایک لوح پر ایک تحریر لکھی جو اللہ کے عرش پر موجود ہے۔جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایک مرکزی نقطہ ہے اور سارے کام اُسی کے گرد گھومتے ہیں۔ ایک بنیادی چیز جو طے کر لی جاتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک بنیادی بات، ایک مرکزی نقطہ طے کر کے عرش پر لکھ کر رکھ لیا اور وہ مرکزی نقطہ کیا ہے...... **ان رحمتی سبقت غضبی**...... سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے یہ ایک مرکزی نقطہ اپنی مخلوق کے بارے میں عرش پر لکھ کر رکھا ہوا ہے **ان رحمتی غلبت غضبی**...... میری رحمت میرے غصہ پر غالب رہے گی یعنی مخلوق کے ساتھ میرا جو معاملہ ہوگا اُس میں میری رحمت میرے غصہ پر غالب رہے گی۔

(بخاری ۱/۴۵۳۔۲/۱۱۰۴)

اللہ کی رحمت جزاء میں تقسیم نہیں ہوتی:

اور حضور ﷺ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کی بات کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اجزاء نہیں بن سکتے تجزی نہیں ہے۔ ہماری زبان میں ہمیں سمجھانے

کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں سمجھو جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا اور اُس میں سے ایک حصہ یعنی اپنی رحمت کا سوواں حصہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں تقسیم کیا حتیٰ کہ

- حیوانات میں......
- پرندوں میں......
- درندوں میں......
- انسانوں میں......
- فرشتوں میں......

اپنی رحمت کے سوویں حصے کو تقسیم کیا اور اُس رحمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں تقسیم کی ہے جانور بھی اپنے بچوں کے ساتھ پیار کرتے ہیں۔ پرندے بھی درندے بھی، چوپائے بھی، انسان بھی ایک دوسرے کے ساتھ پیار کرتے ہیں۔ (بخاری ۲/۸۸۷) تو اس ساری مخلوق میں اللہ کی رحمت کا سوواں حصہ تقسیم ہوا ہے۔ آپ اندازہ کر کے دیکھ لیں کہ ساری مخلوق کی محبت، شفقت اور پیار کو جمع کر لیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سوواں حصہ ہے۔ یہ صرف آپ کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفت متناہی نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ اس کے اتنے جزء ہو گئے۔ یہ صرف سمجھانے کی بات ہے۔

اللہ کا قیامت کے دن مخلوق سے برتاؤ:

اور ساتھ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو برتاؤ فرمائیں گے تو اس ساری رحمت کو جو اُس نے مخلوق میں تقسیم کی ہے اپنی صفت کے ساتھ ملالیں گے اور صفتِ رحمت کو سو درجہ کامل کر کے پھر اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ کریں گے (مسلم ۲/۳۵۶) تو اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی محیط ہوگی؟ اور کتنی اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہو جائے گی۔ اللہ کا تعارف جو کروایا ہے انبیاء

نے وہ رحمت کے عنوان سے ہی کروایا ہے کہ اللہ بہت مہربان ہے، بہت رحمت کرنے والا ہے۔ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ اور انبیاء نے اللہ کی رحمت یاد دلا کر اللہ کے بندوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔

لفظ رحمٰن و رحیم کی تحقیق:

یہی وجہ ہے کہ **بسم اللہ** ہر وقت ہماری زبان پر جاری ہے پانی پیتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، کھانا کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، کپڑا پہنتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، گھر میں داخل ہوتے ہوئے بسم اللہ پڑھو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بسم اللہ میں اللہ کا نام لینے کے بعد سب سے پہلا لفظ جو ہماری زبان پر جاری ہوتا ہے وہ ہے **الرحمٰن الرحیم**، تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہم اللہ کے رحمان اور رحیم ہونے کو یاد کرتے ہیں۔ جب اللہ کا نام لیتے ہیں تو ہماری زبان پر اللہ کے نام کے ساتھ جاری ہوتا ہے رحمان رحیم، اور رحمان اور رحیم دونوں رحمت سے بنے ہیں۔ رحمان بھی مبالغے کا صیغہ ہے کہ بہت رحم کرنے والا، اور رحیم بھی مبالغے کا صیغہ ہے بہت رحمت کرنے والا، ایک رحمت کرنے والا ایسا جو دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا ہے اور ایک رحم کرنے والا ایسا جو آخرت میں رحم کرے گا۔ بہرحال رحمان اور رحیم کے معنی میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ وہ تو آپ جانیں صرف کے صیغوں کا اشتقاق کرنے والے۔ لیکن بہرحال اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ کی رحمت کا تکرار اور اللہ کے نام کے ساتھ اُس کی رحمت کا تصور ہمیں ایسا دیا گیا ہے کہ ہم بچے کو سب سے پہلے جب پڑھنا سکھاتے ہیں تو بچے کو اللہ کا تعارف رحمان اور رحیم سے کرواتے ہیں اور صبح شام اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے ہمیں جو تلقین کیا گیا ہے کہ بسم اللہ پڑھو تو بسم اللہ کے ساتھ اللہ کا تعارف اللہ کے رحمٰن و رحیم ہونے کے ساتھ کروایا گیا۔

بندے کا توبہ و استغفار:

اس رحمت کے حوالے کے ساتھ ایک بات جس کی یاددہانی کروانی مقصود ہے وہ ہے بندے کا توبہ اور استغفار کرنا کیونکہ اللہ نے بندوں کو اپنی خبر جو دِلوائی وہ غفار ہونے

کے ساتھ دی ہے...... **نبئی عبادی انی انا الغفور الرحیم**...... یہاں غفور کا لفظ استعمال فرمایا...... بخشنے والا ...... اور استغفار کا لفظ اسی غفور کے لفظ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۂ ہود میں انبیاء کا تذکرہ تسلسل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جب آپ اُس تذکرے کو پڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہر نبی نے اپنے مخاطبین سے یہی کہا کہ اپنے رَب سے استغفار کرو جو **غفور الرحیم** ہے۔ اُس سے توبہ کرو۔ اللہ کی رحمت کو یاد دلا کر یہ کہا کہ توبہ کرو اور استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کوتاہیاں معاف کردے گا۔ گویا اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے مخلوق جو اللہ سے دُور ہوئی اور بھٹکی پھرتی ہے اُس کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کا جو ذریعہ انبیاء نے اختیار کیا اور جو سبب بتایا وہ توبہ اور استغفار ہے۔

سورۂ نوح میں حضرت نوحؑ کے تذکرہ میں بھی ہے **استغفرو رَبکم انه کان غفارًا** اس طرح دوسرے انبیاء کے تذکرے میں بھی ہے۔ سورۂ مزمل کے آخر میں بھی یہی ہے۔ استغفار کرو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے تو **غفور الرحیم** کا حوالہ دے کر توبہ اور استغفار کی تلقین کی گئی ہے۔

توبہ اور استغفار کی حقیقت:

توبہ اور استغفار کی حقیقت کیا ہے؟ استغفار کا لفظ بول کر اللہ سے معافی مانگنا ...... اور توبہ قلب کی صفت ہے...... اللہ کی طرف رجوع کرنا ...... اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اُس کی رحمت کے ساتھ انسانوں پر اتنی زیادہ ہیں کہ یہ انسان اُن نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرسکتا، اس بارے میں پوری طرح قاصر ہے۔

ہر سانس پر اللہ کا شکر واجب ہے:

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گلستان کی ابتداء میں فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم سانس لیتے ہیں سانس اندر کو جاتا ہے تو مُمِدِّ حیات ہے۔ اس سے ہماری عمر بڑھتی ہے پھر نکلتا ہے تو ہمیں راحت حاصل ہوتی ہے۔

پس در ہر نفس دو نعمت موجود است
وبر ہر نعمت شکرواجب است

ایک سانس پر دو نعمتیں ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے تو اگر آپ ہر سانس پر دو دفعہ الحمدللہ کہیں تو صرف سانس والی نعمت کا شکر ادا کر پائیں گے۔ باقی نعمتوں کا تو کیا کہنا اور ہمیں یہ تصور دیا گیا کہ تم یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کتنے زیادہ ہیں۔ ان احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ کسی بھی وقت اللہ کی نافرمانی نہ کرو جو اتنا مہربان ہو۔

- تمہیں کھلاتا ہے......
- تمہیں پلاتا ہے......
- تمہیں عزت دیتا ہے......
- تمہیں رزق دیتا ہے......
- تمہیں راحت دیتا ہے......
- تمہاری تکالیف دور کرتا ہے......

دنیا کی کونسی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطاء نہیں فرمائی تو کتنی بڑی بے حیائی اور کتنی بڑی بے غیرتی ہے کہ اس قسم کے محسن اور اس قسم کے مہربان کی نافرمانی کر کے انسان اُسے ناراض کرے۔ بہت بڑی بے حیائی اور بہت بڑی بے غیرتی ہے کہ اتنے بڑے مہربان اور اتنے کرم فرمانے والے اور اتنی مہربانی کرنے والے اور اتنے کھلانے پلانے والے کی نافرمانی کریں۔

محسن کے سامنے نیازمندی فطری تقاضہ ہے:

ہمارا آپس کا معاملہ آپ کے سامنے ہے۔ ایک دن آپ کسی کو چائے پلا دیں دوسرے وقت میں آپ اُس کو کوئی کام کہیں اور وہ انکار کردے آپ کہتے ہیں بڑا طوطا چشم ہے۔ چائے پلائی تھی اُس کا بھی خیال نہیں رکھا۔ ایک پیالی چائے پلا کر آپ

خیال کرتے ہیں کہ میں نے اُس کو چائے پلائی تھی اور میں نے ذرا سا کام کہا اُس نے اتنا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ایک پیالی چائے پی کر اگر آپ کی کوئی فرمانبرداری نہیں کرتا تو آپ اُس کو بے لحاظ کہتے ہیں۔طوطا چشم کہتے ہیں۔ پتہ نہیں کیا کچھ کہتے ہیں۔ذرا سا احسان کرنے کے بعد آپ کو خیال ہوتا ہے کہ اَب اُس کو میرا بندہ بن کے رہنا چاہئے اور میری فرمانبرداری کرنی چاہئے لیکن جس اللہ کی اتنی نعمتیں کھاتے ہیں صبح و شام ہمیں کبھی خیال نہیں آتا کہ ہم بھی اُس اللہ کے بندے بن کے رہیں۔اس بات کو اگر آپ سوچیں تو واقعتاً طبیعت میں ایک جذبہ اُبھرتا ہے کہ ایسے کریم آقا کو تو بالکل ناراض نہیں کرنا چاہئے اور ایسے مہربان کی نافرمانی نہیں کرنی چاہئے۔ہمیں اُس کا فرمانبردار بن کے رہنا چاہئے۔

اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں ہوسکتا:

پھر ہمیں یہ تصور دیا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے اس لئے ہمیشہ اپنے آپ کو کوتاہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرتے رہو۔تم معافی مانگتے رہو اللہ معاف کرتا رہے گا۔اور یہ سمجھنا کہ ایک دن نماز پڑھ لی۔دو چار نفل پڑھ لئے اللہ پر بہت بڑا احسان کر دیا۔دیکھو ہم نے عبادت کر لی۔یہ تصور غلط ہے۔

اسرائیلی روایات کا حکم:

اسرائیلی روایات میں جن کو ہمارے بزرگ بھی وعظ میں سمجھانے کے طور پر کبھی ذکر کرتے ہیں، اگر اُن کا ہماری شرعی روایات جو سرور کائنات ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہیں اُن سے ٹکراؤ نہ ہو تو اُن کا بیان کرنا بھی جائز ہے۔ان سے عبرت لینا بھی جائز ہے۔احکام کے سلسلے میں ہم کسی دوسری شریعت سے ہدایت نہیں لے سکتے لیکن وعظ و نصیحت کے طور پر اگر اُن باتوں کو لیا جائے تو درست ہے۔

راہب کا معنی:

ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ براہ راست تو میں نے حدیث کی کتابوں میں نہیں دیکھا کہ ایک اسرائیلی راہب تھا۔ راہب کا معنی ہے ڈرنے

والا ......جس طرح ہم لفظ متقی استعمال کرتے ہیں۔ اُس زمانے میں لفظ راہب استعمال کرتے تھے اور معنی تھا......اللہ سے ڈرنے والا...... وہ اللہ سے ڈرنے والے تو ہوتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اگر مخلوق میں شامل ہوکر رہتے ہیں تو گناہ کرنا پڑتا ہے رشتہ داروں کے لحاظ میں۔ پڑوسیوں کے لحاظ میں۔ بیوی بچوں کے لحاظ میں اس لئے صحیح طور پر عبادت نہیں ہوسکتی ۔لہٰذا وہ سب کچھ چھوڑ کر جنگل میں چلے جاتے تھے اور جنگل میں جھونپڑی بنا کے بیٹھ جاتے۔ بس صرف وہاں پر جنگلی پھل کھاتے، چشموں کا پانی پیتے اور اپنا وقت عبادت میں صرف کرتے تھے۔ اور مخلوق کے قریب نہیں لگتے تھے تا کہ کوئی گناہ نہ ہو۔

اسرائیلی راہب کا واقعہ:

ایسا ہی کوئی راہب تھا وہ پہاڑوں میں رہتا تھا۔ اور چارسو سال تک اس کو عبادت کا موقع ملا۔ پہلے لوگوں کی عمریں بہت لمبی ہوتی تھیں ۔جیسے نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا زمانہ ساڑھے 9سو سال ہے اور چالیس سال کی عمر میں اُن کو نبوت ملی تھی تو یہ 990سال ہوگئے ہیں۔ پھر جب طوفان آیا تھا تو اُس کے بعد تقریباً 150 سال تک زندہ رہے تو اسطرح حضرت نوح علیہ السلام کی گیارہ سو چالیس (1140) سال عمر ہوئی ۔اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زمینی عمر پوری ایک ہزار(1000) سال ہے۔ (ترمذی ۲/۱۷۴) سو اُس وقت بہت لمبی لمبی عمریں ہوتی تھیں۔ یہ ایک علیحدہ قصہ ہوا۔ میں عرض کررہا تھا کہ اُس راہب کو چارصد سال تک اللہ کی عبادت کا موقع ملا ۔مرتے وقت اُس کے دل میں یہ زعم پیدا ہوا کہ میں نے اللہ کی اتنی عبادت کرلی ہے اَب بھی کیا اللہ مجھے جنت نہیں دے گا۔؟ چارسو سال عبادت کرکے وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ اَب جنت میرا حق ہے۔

جنت میں داخلہ صرف اللہ کی رحمت سے ہوگا:

جبکہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ تم کتنا ہی عمل کرلو جنت میں داخلہ صرف

اللہ کی رحمت ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حدیث میں صاف صاف تاکید کی گئی لَنْ یُدْخِلَ اَحَداً عَمَلُهُ الْجَنَّةَ۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے زور سے جنت میں نہیں جاسکتا۔ کہنے والے نے کہہ دیا۔ مجلس میں بیٹھنے والے سوال کرتے تھے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا گیا...... ولا انت یا رسول اللہ؟...... یا رسول اللہ کیا آپ ﷺ بھی عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جاسکتے۔؟ تو آپ ﷺ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا...... وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیْ اللّٰہُ بِرَحْمَتِه...... میں بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جاسکتا۔ (بخاری ص ۸۴۷ ج ۲، مسلم ص ۳۷۶ ج ۲) اَب اس کے بعد کسی اور کے لئے کیا گنجائش رہ گئی کہ وہ دو رکعتیں پڑھ کر حساب لگانے بیٹھ جائے کہ اَب تو میں نے اتنا نفع حاصل کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ضروری ہوگیا ہے کہ مجھے جنت میں لے کر جائے۔ یہ حساب کتاب اللہ کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ اس طرح کا حساب اللہ تعالیٰ سے نہ کیا کرو۔ بلکہ صرف اللہ کی رحمت پر بھروسہ اور توقع رکھو کیونکہ اللہ کی رحمت کے بغیر معاملہ نہیں چلتا۔

اللہ کی رحمت کے لئے عمل ایک بہانہ ہے:

ہاں اللہ کی رحمت کے لئے عمل ایک بہانہ ہے۔ یہ درمیان میں ایک بات کہہ دوں کہ آپ یہ بھی نہ سمجھیں کہ پھر عمل کا فائدہ کیا ہوا؟ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ ہیں اُن کا قول شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی کے حاشیہ میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں سورۂ اعراف میں جہاں آتا ہے **ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون** تم اپنے عملوں کے سبب سے جنت میں داخل ہوجاؤ تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل جنت میں جانے کا ذریعہ ہے۔ اس پر حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ کوئی شخص عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اللہ کی رحمت کی وجہ سے جائے گا۔ اور یہاں پر آ گیا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں جاؤ۔ یہ دو باتیں کیسے ہوگئیں؟ بہت پیارا جملہ لکھا کیونکہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد تھے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مترجم محقق فرمایا کرتے تھے

(اس سے حضرت شیخ الہند مراد ہیں) کہ گاڑی تو اللہ کی رحمت سے چلے گی لیکن عمل وہ جھنڈی ہے کہ جس کے اشارے کے ساتھ اُس کو چلاتے ہیں اور روکتے ہیں۔

عمل کی حیثیت:

سٹیشن پراگر کھڑے ہوں تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ گاڑی پر جو گارڈ کھڑا ہوتا

ہے

اُس کے ہاتھ میں ایک سبز جھنڈی ہوتی ہے اور ایک سرخ جھنڈی ہوتی ہے جس وقت وہ سبز جھنڈی ہلاتا ہے تو گاڑی چل پڑتی ہے۔اَب جو شخص حقیقت نہ جانتا ہو وہ سمجھے گا کہ جھنڈی میں بڑا زور ہے کہ اس شخص نے اُسے ہلایا تو گاڑی چل پڑی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ سرخ جھنڈی ہلادے تو گاڑی کھڑی ہوجاتی ہے تو اَب بھی وہ شخص یہی سمجھے گا کہ اُس جھنڈی میں اتنی طاقت ہے کہ اُس نے اُسے ہلایااور گاڑی رک گئی۔تو حضرت فرماتے ہیں کہ عمل کی یہ حیثیت ہے کہ جنت میں جانا تو اللہ کی رحمت کے ساتھ ہے لیکن عمل وہ گارڈ کی جھنڈی ہے جس کے اشارے سے اللہ کی رحمت آتی ہے یا نہیں آتی ۔جھنڈی سرخ ہوگی تو گاڑی رک جائے گی اور جھنڈی سبز ہوگی تو گاڑی چل پڑے گی۔

آپ غور کریں تو اس مسئلے کو سمجھانے کے لئے شاید اس سے بہتر اور کوئی مثال نہیں دی جاسکتی ہے جیسی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے دی ۔اگر چہ کپڑے میں کوئی قوت نہیں ہے کہ گاڑی کو چلادے۔گاڑی کو چلانے کی قوت انجن میں ہے لیکن جھنڈی کے اشارے کی ایک اصطلاح متعین ہے کہ جب یہ جھنڈی ہلے گی تو گاڑی چل پڑے گی یا رُک جائے گی۔عمل بھی اسی طرح ہے کہ رحمت آئے گی تو اللہ کی طرف سے لیکن آپ کا عمل اس کے لئے ایک علامت بن جائے گا۔جیسا عمل ہوگا اُسکے مطابق اللہ کی طرف سے برتاؤ ہوگا۔عمل کی حیثیت سمجھانے کیلئے ایک بہت ہی عمدہ مثال ہے۔

ایک گلاس پانی کی قیمت:

ہمیں تو یہ ذہن دیا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت پر نظر رکھو اور رحمت کے حاصل ہونے کا ذریعہ عملِ صالح ہے۔ نیک عمل کرو گے تو اللہ کی رحمت اترے گی۔ تو اُس راہب کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں نے چار سو سال عبادت کی ہے مجھے بھی جنت نہیں ملے گی تو اور کس کو ملے گی؟ کہتے ہیں کہ جب اُس کی وفات ہوگئی، اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ اس کو لا کر جہنم کے کنارے پر کھڑا کرنا ہے جہنم میں پھینکنا نہیں۔ جب فرشتوں نے اُس کو جہنم کے قریب کیا اور اُس کو جہنم کی تپش پہنچی تو فوراً ہائے پیاس، ہائے پیاس پکارنے لگا۔ پانی چاہیے، پانی پلا دو، اُس نے شور مچا دیا۔ فرشتے کہنے لگے کہ یہاں پانی ایسے نہیں ملتا۔ یہاں پانی عمل کے عوض ملتا ہے۔ قیمتاً ملتا ہے مفت نہیں ملتا۔ کہنے لگا کہ کیا قیمت ہے۔؟ اُنہوں نے کہا کہ ایک گلاس پانی چار سو سال کی عبادت کے عوض ملے گا۔ پینا ہے تو اتنی عبادت دو۔ ورنہ تمہاری مرضی۔ آپ جانتے ہیں کہ جب انسان مر رہا ہوتا ہے تو وہ سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اتنی عبادت تو میرے پاس ہے۔ مجھے پانی پلا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُسے بلا کر کہا کہ چار سو سال کی عبادت ایک گلاس کی قیمت ہے۔ لہٰذا تو نے چار سو سال تک جتنا پانی پیا ہے پہلے اُس کا حساب کر۔ جنت کی بات بعد میں ہوگی۔

عمل پر بھروسہ نہ کریں:

اَب اندازہ کیجئے چار سو سال میں اُس نے کتنا پانی پیا ہوگا۔؟ یہاں ایک گلاس کے لئے چار سو سال کی عبادت دینے کے لئے تیار ہوگیا۔ جس نے چار سو سال تک مفت پانی پلایا اُس کی رحمت کے کیا کہنے؟ یہ تو صرف ایک پانی کی بات ہے۔ غور کریں پانی کے علاوہ اللہ نے کیا کیا نعمتیں انسان کو دی ہیں؟ اللہ کی نعمتیں انتہائی قیمتی ہیں۔ اس لئے یہ تو کبھی تمہارے دماغ میں نہ آئے کہ ہم نے عبادت کر لی اَب اللہ ہمیں ضرور جنت میں لے جائے گا۔ جس کے دل میں یہ خیال آیا اس نے اپنی عبادت غارت

کردی۔ سب کچھ کرو اس کے باوجود بھی کہو کہ اے اللہ تیرے احسانات اتنے ہیں کہ میں اُن کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی کہ تم میری نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرو، اور اگر تم سے کوتاہی ہوجائے کیونکہ تم انسان ہو اور انسان سے کوتاہی ہو ہی جاتی ہے تو مجھ سے معافی مانگ لیا کرو۔ میں معاف کردوں گا۔ جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں كُلُّ بَنِیْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ (ترمذی ۲/۷۶) آدم کی ساری ہی اولاد گناہ کرتی ہے سوائے انبیاء کے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں باقی انسانوں سے کوتاہیاں ہوتی ہیں لیکن بہترین آدمی وہ ہے جو خطاء کرنے کے بعد اللہ سے معافی مانگتا رہے۔

پہلی کوشش تو یہ کرنی چاہیے کہ انسان جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی ہی نہ کرے کیونکہ اللہ کی نافرمانی باطن کو بھی برباد کرتی ہے اور دنیا کی زندگی کو بھی تلخ کرتی ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اس پر نادم ہو کر توبہ واستغفار کرے۔ طالب علموں کے لئے خصوصیت سے بات عرض کر رہا ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

مشہور ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میرا حافظہ خراب ہے مجھے کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ یہ بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں ذکر کی۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَاَوْصَانِیْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِیْ

میں نے اپنے اُستاد کے سامنے شکایت کی کہ میرا حافظہ کمزور ہے، مجھے بات یاد نہیں رہتی تو میرے اُستاد نے مجھے وصیت کی کہ گناہ چھوڑ دو۔ گناہ نہ کیا کرو۔

لِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰهٍ
وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِیْ

(روح المعانی ۶/۹۰)

کیونکہ قرآن وحدیث کا علم تو اللہ کا نور ہے اور معصیت ظلمت ہے۔ جس وقت تم گناہ کر کے اپنے دل میں ظلمت بھر لو گے تو یہ اللہ کا نور کیسے آئے گا؟ اس لئے طلباء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں علم کا نور اور اللہ کی معرفت پیدا کرنے کے لئے گناہ سے بچتے رہیں۔ کیونکہ گناہ کرنے سے قلب میں تاریکی آتی ہے۔ دل میں ظلمت آتی ہے۔ اس سے علم کے اثرات واقع نہیں ہوتے۔ اس لئے بچو، گناہ نہ کرو اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم دی اس میں خصوصیت کے ساتھ ایسی باتیں بتائیں جو انسان کو گناہ سے بچانے والی ہیں وہ ذہن میں حاضر رکھیں۔

گناہ چھپ نہیں سکتا:

گناہ کا مبنیٰ اخفاء پر ہے (آپ بالترتیب یاد رکھیں) گناہ کا مبنیٰ اخفاء پر ہے۔ گناہ انسان چھپ چھپا کر کرتا ہے۔ علی الاعلان گناہ بہت کم کرتا ہے۔ بڑے گناہ جتنے بھی ہیں انسان چھپ چھپا کر کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ جبکہ ہمیں تعلیم یہ دی گئی ہے کہ گناہ چھپتا نہیں ہے چاہے تم جو کچھ کر لو، یہ بالآخر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ یہ کبھی چھپتا نہیں ہے۔ قرآن کریم نے کہا کہ تمہارے ہاتھ، تمہارے پاؤں اور تمہارا چمڑا اور تمہارا ایک ایک عضو وہ سب کچھ ریکارڈ کر رہے ہیں جو تم کرتے ہو۔ پرانے زمانہ میں لوگ اپنی قوت ایمانی کے ساتھ اس بات کو سمجھتے تھے لیکن آج تو سمجھنا بہت آسان ہو گیا۔ یہ ریکارڈنگ کا سلسلہ بتاتا ہے کہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے صلاحیت رکھی ہے کہ یہ آواز کو ضبط کر لیتے ہیں اور دوسرے وقت میں جب چاہو وہی آواز ان سے سنی جا سکتی ہے۔

یہ تسمے انسان کی آواز اور تصویر محفوظ کر لیتے ہیں۔ بلکہ اَب تو بات ان تسموں سے بہت آگے جا چکی ہے کہ صرف دھات کی چند لکیروں میں ایک آدمی کی سو سالہ زندگی کا ریکارڈ رکھا جا سکتا ہے۔ آج جو مجلس موجود ہے اگر اس کو فلمایا جاتا اور وہ کیسٹ تیار کی جاتی تو ہم سب کی حرکتیں، ہلنا جلنا اور مسکرانا، وہ سب کچھ اس میں آ جاتا اور اگر دس سال کے بعد آپ اس کو دیکھنا چاہتے اور اس کو چلا لیتے تو ایسے محسوس ہوتا کہ یہی رات کا وقت ہے

اور یہی بتیاں جل رہی ہیں، یہی شکل وصورت اور آواز سامنے آجائے گی۔ ایک چیز بھی مخفی نہیں رہے گی۔ جو کچھ کیا ہوگا سب آپ دیکھ لیں گے۔ یوں سمجھو کہ

- ہمارے چمڑے میں……
- ہمارے ہاتھوں میں……
- ہمارے پاؤں میں……
- ہماری آنکھوں میں……
- ہمارے کانوں میں……

جو کچھ ہم سنتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں، جو کچھ ہم کرتے ہیں، وہ ریکارڈ ہوتا جارہا ہے۔

ہمارے اعضاء بولیں گے:

قرآن کریم کہتا ہے کہ قیامت کے دن ہاتھ پاؤں انسان کے بولیں گے اور بتادیں گے کہ ہمارے ساتھ اس نے کیا کیا۔ کیا کام سرانجام دیئے۔ اَب اگر آپ کوئی گناہ چھپانا چاہتے ہو تو گناہ ایسے طور پر کیا کرو کہ ہاتھ پاؤں چمڑا وغیرہ سب کچھ اُتار کے رکھ دیا کرو۔ ورنہ جس وقت آپ کوئی کام کریں گے وہ ریکارڈ تو ہوگیا۔ اَب اُس کو کیسے جھٹلاؤ گے۔ جس وقت فلم آپ کے سامنے چلادی جائے گی۔ سب کچھ آپ کے سامنے آجائے گا۔ کہ آپ نے کیا کیا، کیا نہیں کیا۔

ہم جو کرتے ہیں زمین میں ریکارڈ ہوتا ہے:

قرآن کہتا ہے کہ زمین میں یہ سب کچھ ریکارڈ ہورہا ہے جو تم کررہے ہو ……**اذا زلزلت الارض زلزالها**…… اس میں آگے آتا ہے…… **یومئذ تحدث اخبارها**……جس دن زمین اپنی چیزیں بیان کرے گی۔ اس آیت کی تلاوت فرما کر حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہیں کہ زمین بتائے گی کہ میرے اُوپر فلاں شخص نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں شخص نے مجھ پر چوری کی تھی۔ فلاں شخص نے مجھ پر

بدمعاشی کی تھی۔ فلاں شخص نے میرے اُوپر کسی کو قتل کیا تھا۔ آپ کی ہر بات اور ہر کام آپ کے درو دیوار اور آپ کی زمین میں ریکارڈ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ (ترمذی ص ۶۸ ج ۲)
پھر بتایئے آپ گناہ کرنے کے لئے آخر کون سی جگہ تلاش کرو گے؟ جہاں بھی جاؤ گے آخر اس زمین پر ہی جاؤ گے۔ اور سب کچھ زمین میں ریکارڈ ہوتا چلا جائے گا۔ چھپ کر چھوٹے سے چھوٹا گناہ، جو کسی پتھر کے اندر گھس کر بھی کیا ہو، جس کا نہ کوئی روشن دان ہو، نہ کھڑکی ہو، وہ بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیں گے۔ ہمیں بتایا گیا سورۂ لقمان میں آتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی...... کہ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ...... ○ اگر رائی کے دانے کے برابر گناہ ہوگا...... فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ...... پھر وہ کسی چٹان میں ہو...... اَوْفِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...... یا آسمان پر چڑھا ہوا ہو یا زمین میں گھسا ہوا ہو......

يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ...... اللہ تعالیٰ اُس کو لے آئے گا اور آپ کے سامنے کر دے گا۔ کوئی جگہ چھپنے کی نہیں۔ جہاں پر چھپ چھپا کر گناہ کر لیا جائے۔ معلوم ہوا گناہ کبھی چھپا نہیں رہتا، بہر صورت ظاہر ہو کر رہے گا۔ اگر اس بات کو آپ پختہ کر لیں اور اپنے دل دماغ میں بٹھا لیں تو آپ کوئی گناہ کرنے سے پہلے یوں نہیں دیکھیں گے کہ میں نے دروازہ بند کر لیا ہے۔ یوں نہیں کہیں گے کہ میں کمرے میں چھپا ہوا ہوں۔ پوشیدہ ہوں کسی کو نظر نہیں آ رہا ہوں۔

چوری ہو، چکاری ہو، عیاشی ہو، بدمعاشی ہو یا جو بھی گناہ ہو۔ وہ ایک دن ظاہر ہو جائے گا اور یہ چھپا نہیں رہے گا۔ اگر یہ بات دل میں بیٹھ گئی تو اُس سے انسان میں گناہ کی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور گناہ کی قوت مضمحل ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔ اگر اس کے ذہن میں یہ بات رہے کہ یہ چھپی نہیں رہے گی ایک دن ظاہر ہو کر رہے گی۔ تو انسان گناہ نہیں کرے گا۔

فرشتے ہمارے نگران ہیں:

ان سب چیزوں کے باوجود ساتھ ساتھ یہ بھی کہا **ان علیکم لحا فظین کراماً کاتبین**...... تمہارے اُوپر نگران فرشتے متعین ہیں جو ہر وقت لکھنے والے ہیں کہ آپ نے کیا کیا، کیا نہیں کیا۔ یہ ساری فلم علیحدہ تیار ہورہی ہے اور قیامت کے دن جب یہ نامۂ اعمال نکال کر دیا جائے گا تو انسان حیران ہوکر کہے گا **ما لھٰذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرہ**...... اس کتاب کو کیا ہوگیا اس نے تو نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑی۔ نہ بڑی چیز چھوڑی سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ یہ چیزیں اگر ذہن میں ہوں کہ

- ہمارے پیچھے ہر وقت سی آئی ڈی لگی ہوئی ہے......
- زمین ہمارے اعمال کو ریکارڈ کرتی ہے۔......
- ہمارے بدن کے اعضاء ہمارے اعمال کو ریکارڈ کرتے ہیں......

اس بات کا استحضار اور اس کو یاد رکھنا انسان کو گناہ کرنے سے بچاتا ہے اور اگر یہ چیز ذہن میں راسخ ہوجائے تو انسان لازماً گناہ سے بچ جاتا ہے۔ اور اسی کی یاد دہانی انسان کو ہوتی رہے۔ تو ان شاء اللہ انسان گناہ کے قریب نہیں جائے گا۔

توبہ گناہوں کا تریاق:

لیکن اس کے باوجود بھی اگر انسان کسی وقت غفلت سے کوئی غلطی کر بیٹھے، کوئی گناہ ہوجائے، تو بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے بندے کیلئے توبہ ایک ایسی چیز بنائی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت شیطان نے یہ چیلنج کیا تھا کہ میں آدم کے بچے کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اور تیرے خلاف اُس کو بھڑکاتا رہوں گا، تو اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ کوئی بات نہیں یہ مجھ سے معافی مانگتا رہے گا۔ میں اُسے معاف بھی کرتا رہوں گا۔ (مسند احمد، رقم ۱۰۸۰۷۔ مشکوٰۃ ۱/۲۰۴) تو اُس سے گناہ کروائے گا اور یہ مجھ سے معافی مانگے گا تو میں اُس کو معاف کرتا رہوں گا۔ یہ اللہ کی

طرف سے بہت بڑی رحمت ہے کہ اُس نے ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا اور ہمارے لئے استغفار کی گنجائش رکھ دی ہے۔ اور اگر اللہ کی طرف سے یہ بات نہ ہوتی تو ہم غلطی کرنے کے بعد اُس کی تلافی نہ کرسکتے اور بالآخر مجرم ہوکر سزا پاتے۔ یہ اللہ کے غفور الرحیم ہونے کا تقاضا ہے جو اللہ نے کہا کہ میرے بندوں کو بتادو میں غفور الرحیم ہوں۔ تم معافی مانگو گے تو میں بخشتا رہوں گا۔

جان کنی سے پہلے توبہ کرلو:

اور توبہ کا دروازہ انسان پر اُس وقت بند ہوتا ہے جب انسان پر غرغرہ کی کیفیت طاری ہوجائے۔ یعنی سانس اکھڑ گیا۔ عالم آخرت منکشف ہوگیا۔ دنیا سے جانا یقینی ہوگیا۔ اَب اگر وہ توبہ کرے گا تو توبہ قبول نہیں ہے۔ صاف طور پر قرآن کریم نے اعلان کردیا ہے......
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ للذ ین یعملون السیئات حتیٰ اذاحضر احدھُمُ الموت قال انی تبت الآن...... اُن کی کوئی توبہ قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب موت آموجود ہوتی ہے تو پھر کہتے ہیں......تبت الآن...... کہ اَب میں توبہ کرتا ہوں تو اُن کیلئے...... لیست التوبۃ......کوئی توبہ نہیں۔ ایک تو توبہ کا دروازہ انفرادی طور پر اُس وقت بند ہوتا ہے۔

عالمی سطح پر توبہ کا دروازہ بند ہونے کا وقت

اور ایک اُس وقت عالمی سطح پر توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا جبکہ سورج مغرب سے نکل آئے گا۔ اور یہ علامت ہوگی کہ اَب دنیا پر جان کنی کی کیفیت طاری ہوگئی ہے۔ اُس وقت کوئی کافر ایمان لائے گا تو اُس کا ایمان معتبر نہ ہوگا۔ اور کوئی گناہ گار توبہ کرے گا تو توبہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ ۱/۲۰۵) مغرب کی طرف سے سورج نکلنے سے پہلے توبہ کی گنجائش ہے۔ اور اسی طرح انسان پر موت کی غشی طاری ہونے سے پہلے پہلے توبہ کی گنجائش ہے۔ اللہ نے اس بارے میں وسعت رکھی ہے کہ توبہ کرو، استغفار کرو اللہ تعالیٰ

گناہ معاف کر دے گا۔

اللہ بندے کی توبہ پر خوش ہوتے ہیں:

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت آتی ہے کہ بندہ جس وقت بھول بھٹک کر اللہ سے اپنا رُخ موڑ لیتا ہے اور پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں......اُس وقت اللہ تعالیٰ کی خوشی کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مثال سے سمجھایا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو نقل کیا کہ ایک آدمی بیابان ریگستان میں اپنی اونٹنی پر سفر کرتا جا رہا ہے اور اس کے کھانے پینے کا سامان اُس اونٹنی کے اوپر لدا ہوا ہے۔ پرانے زمانے کا تصور کیجئے جب میلوں میلوں تک پانی نہیں ملتا تھا اور بڑے بڑے ریگستان ہوتے تھے کہ نہ اُن کو انسان پیدل چل کے طے کر سکے نہ وہاں پر انسان کو کچھ کھانے پینے کے لئے ملے۔ ایسے بیابان میں سفر کرتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ اپنی کسی ضرورت کے لئے اُترا۔ جیسے مسافر سونے اور کھانے پینے کی ضرورتوں کے لئے اُترتا ہے۔ تو وہ اونٹنی بھاگ گئی گم ہوگئی۔ اُسی پر اُس کا کھانا، اُس کا پینا، سب کچھ تھا۔ اَب وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں پر نہ کچھ کھانے کو ہے، نہ پینے کو، اور نہ پیدل چل کے انسان سفر طے کر سکے۔ تو اَب اُس کو یقین آ گیا کہ میں مر جاؤں گا۔ اَب میرے مرے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس خیال کے ساتھ لیٹ جاتا ہے کہ اَب لیٹے لیٹے میں مر جاؤں گا۔ اَب کوئی صورت نہیں بچنے کی۔

تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اُونٹنی بمع ساز و سامان کے وہاں پر موجود ہے۔ اَب یوں سمجھو کہ یہ شخص مر کے دوبارہ زندہ ہوا ہے یعنی جو شخص مرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اَب وہ دوبارہ زندہ ہو گیا۔ اُس کو زندگی کا سامان مل گیا۔ وہ اُونٹنی کو بمع ساز و سامان دیکھ کر اتنا خوش ہوا، اتنا خوش ہوا کہ اُس نے اپنے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ اور اَب وہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ اللہ پاک انت ربی وانا عبدك...... اے اللہ واقعی تو میرا رَب ہے میں تیرا بندہ ہوں کہ تو نے اس مشکل وقت میں مجھ پر مہربانی کی ......لیکن بدحواسی میں

وہ یوں کہتا ہے **اللھم انت عبدی و انا ربك**.....اے اللہ واقعی تو میرا بندہ ہے میں تیرا رَب ہوں۔ (مسلم ص ۳۵۵ ج ۲۔مشکوٰۃ ۱/۲۰۳) اُس کے منہ سے یوں نکل گیا خوشی کی شدت میں ہوش گم کر بیٹھا۔اُس کو یہ بھی نہیں پتہ کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔اندازہ لگائیے وہ شخص کتنا خوش ہوا ہوگا ؟عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جیسے اُس بندے کواُس اونٹنی کے واپس آنے سے خوش ہوئی تھی تو اسی طرح اللہ کا نافرمان بندہ اگرتوبہ کرکے اللہ کی طرف متوجہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اُس اونٹنی والے آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے کہ یہ میرا بھولا بھٹکا بندہ واپس آ گیا ہے۔یہ ہے اللہ کی رحمت۔

روزانہ استغفار کریں:

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم بھی روزانہ جس طرح حدیث شریف میں تاکید آتی ہے ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں خود ہر روز سو دفعہ استغفار کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ ۱/۲۰۳) ایک روایت میں آتا ہے کہ کثرت سے استغفار کرتا ہوں ۔باوجود یکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی غلطی،کوئی لغزش سرزد نہیں ہوتی۔لیکن اُمت کی تعلیم کے لئے یا اپنی شان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سامنےتوبہ اوراستغفار اتنی کثرت سے کرتے تھے کہ سوسو دفعہ استغفار کرنے کا ذکر حدیث شریف میں ہے ۔ہم بھی اس بات کو اپنی عادت بنالیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اٹھائیں۔

توبہ کے بھروسے پر گناہ کرنا عظیم غلطی ہے:

توبہ کے بھروسے پر جو شخص گناہ کرتا ہے کہ چلو میں توبہ کرلوں گا ۔یہ بہت بڑی غلطی کرتا ہے۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے آپ کوایک کامیاب مرہم مل جائے کہ اگر یہ زخم پر لگالیں تو زخم ٹھیک ہوجاتا ہے۔ آپ اس خیال سے کہ مرہم تو موجود ہے چلو اپنے آپ کو زخمی کر کے دیکھیں ۔یہ نری حماقت ہے۔اسی طرح توبہ پر اعتبار کر کے گناہ کرنا بھی حماقت ہے۔کیونکہ پتہ نہیں ہوتا کہ گناہ کرنے کے بعد آپ کوتوبہ کا موقع بھی ملتا ہے یا نہیں۔بعض اوقات انسان کسی گناہ میں مصروف ہوتا ہے اور موت آجاتی ہے۔مثلاً چور چوری کرنے گیا وہیں قتل ہوگیا،

بدمعاش بدمعاشی کرنے گیا وہیں مار دیا گیا۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ جب انسان یوں کہتا ہے کہ گناہ کے بعد میں توبہ کرلوں گا تو دل میں ندامت نہیں ہوتی۔ جبکہ توبہ کی حقیقت ہی دلی ندامت ہے، جب تک دل میں ندامت نہیں ہوتی توبہ کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی۔ توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے کبھی توبہ کے اعتبار پر گناہ کی غلطی ہرگز نہ کرنا۔ یہ بہت خطرناک جرأت ہے۔ یہ اللہ کی رحمت کو غلط استعمال کرنا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نہ ہو۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے غلطی ہوجائے تو پھر توبہ میں دیر نہ کی جائے اور اللہ کی رحمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔

توبہ کا طریقہ:

اچھا طریقہ وہ ہے جو حدیث شریف میں آتا ہے۔ صلوٰۃ توبہ کے عنوان سے دو نفل پڑھے جائیں۔ اگر متعین گناہ ہے تو متعین گناہ کی نیت سے اور اگر متعین گناہ نہیں تو ویسے توبہ کی نیت سے دو نفل پڑھ کر اُس کے بعد اللہ کی حمد وثناء، حضور ﷺ پر درود شریف اور اُس کے بعد توبہ اور استغفار کے کلمات زبان سے ادا کریں تو ان شاء اللہ العزیز ہر قسم کا گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ اس سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے اور توبہ اور استغفار کی یومیہ عادت بنانی چاہیئے۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھے بھی انسان استغفار کرتا رہے۔ خصوصیت کے ساتھ صبح کے وقت۔ یعنی تہجد کے وقت کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ تم مجھ سے معافی مانگو میں معاف کرتا ہوں۔ (ترمذی ص۹۲ ج۱، ابن ماجہ ص۱۰۰ ج۱) اگر یہ وقت کسی کو نصیب ہوجائے تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ طلباء کو چاہئے چھوٹوں کو بھی چاہیئے، بڑوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے نیکی کی توفیق مانگ کر توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق دے اور ہمیں صحیح سچی توبہ نصیب کردے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین

❀❀❀

سوال: آب زم زم کھڑے ہوکر پینا کیسا ہے؟

جواب: آب زم زم کھڑے ہوکر پینا بھی جائز ہے۔بیٹھ کر پینا بھی جائز ہے۔ زم زم کے علاوہ باقی پانی کھڑے ہوکر پینا مکروہ ہے اور زم زم کا پانی مکروہ نہیں ہے۔ باقی زم زم کیلئے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے بیٹھ کر بھی پیا جاسکتا ہے۔

سوال: کیا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پینا سنت ہے؟

جواب: یہ بات یاد رکھئے کہ وضو کا بچا ہوا پانی یہ نہیں ہوتا جو آپ کے لوٹے میں بچا ہوتا ہے۔ وضو کا پانی بچا ہوا جس کو متبرک سمجھا جاتا ہے وہ ہے کہ کھلے برتن میں پانی لے کر بیٹھو، اُس میں ہاتھ ڈال ڈال کر پانی لے کر وضو کرو۔ بار بار اُس برتن میں آپ کا ہاتھ پڑے تو وہ بچا ہوا پانی ......وضو سے بچا ہوا پانی کہلاتا ہے۔ اگر آپ لوٹے کے ساتھ وضو کرتے ہیں تو لوٹے میں جو پانی بچا ہوا ہے اُس کے ساتھ آپ کے وضو کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو ایسے ہے جیسے کہ ٹینکی میں بچا ہوا پانی ......کہ لوٹے سے پانی لے کر آپ نے وضو کرلیا ٹینکی کے پانی سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ تو وضو کا بچا ہوا پانی وہ کہلاتا ہے جس میں بار بار ہاتھ ڈال کر پانی لے کر وضو کیا گیا ہو۔ اُس پانی کے بارے میں آتا ہے کہ یہ پانی متبرک ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرور کائنات ﷺ کے اُس بچے ہوئے پانی کو تبرک کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے اُسے کھڑے ہوکر پیا اور کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔(بخاری ۸۴۰/۲) تو یہ پانی کھڑے ہوکر پینا ٹھیک ہے ۔لیکن یاد رکھو کہ وضو کا بچا ہوا پانی وہ ہونا چاہیئے جس میں وضو کرتے ہوئے آپ نے بار بار ہاتھ ڈالا ہو۔ اور کھلے برتن میں وضو کیا ہو۔ تب وہ پانی وضو کا بچا ہوا کہلائے گا۔

❀❀❀❀

وسیلہ کا حکم

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن!

اَمَّابَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔

وَلَمَّا جَآءَ ھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ وَمِنْ قَبْلُ کَا نُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ مَاعَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَافِرِیْن۔○ (سورہ بقرہ آیت)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیَ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیِ الْکَرِیْمُ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْن
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِیْنْ۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمَ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔
اَسْتَغْفِرُاللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ!

تمہید:

گزشتہ منگل ایک پرچی دی گئی تھی جس میں یہ وضاحت طلب کی گئی تھی کہ وسیلہ کسے کہتے ہیں؟ اور یہ وسیلہ جائز ہے یا نہیں۔؟ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ منگل اس مسئلے کی وضاحت کروں گا۔

کوئی زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی ہمت نہیں ہے۔منہ میں بھی تکلیف ہے۔ کچھ کوشش کرتا ہوں آپ حضرات کو بات سمجھانے کی۔

وسیلہ کی تعریف:

دعا میں وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔دعا غیر اللہ سے نہیں کرنی۔ مانگنا غیر اللہ سے نہیں ہے۔ مانگنا تو اللہ سے ہی ہے،لیکن دعاء میں یوں کہنا...... یا اللہ بطفیلِ فلاں، ببرکتِ فلاں، بوسیلۂ فلاں، بحقِ فلاں میری دعا قبول کر، اور میری یہ حاجت پوری کر دے۔

سرور کائنات ﷺ کے وسیلہ سے۔ اولیاء اللہ کے طفیل۔ اپنے بزرگوں کے واسطے سے۔ اس طرح کہہ کے اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔ اس کو وسیلہ کے ساتھ دعا کرنا کہتے ہیں...... توجہ کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں...... یہ دعا کرنے کا ایک طریقہ ہے...... اے اللہ انبیاء کے صدقے سے میری دعا کو قبول فرما۔ سرور کائنات ﷺ کے طفیل مجھے یہ چیز عطا فرما ...... اپنے اولیاء کے وسیلہ سے مجھے یہ چیز دے...... ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنا اس کو کہتے ہیں وسیلہ کے ساتھ مانگنا۔

وسیلہ کے بارے میں اکابر کا مسلک:

اس بارے میں سب سے پہلے تو یہ سمجھو کہ ہمارا، ہمارے اکابر، ہمارے اساتذہ اور ہمارے مشائخ کا وسیلہ کے بارے میں کیا مسلک ہے؟ دلیل کی بات بعد میں ہوگی۔ پہلے اپنے مسلک کو سمجھ لیجئے ...... ہمارا مسلک ،ہمارے اکابر کا مسلک ،ہمارے

اساتذہ ومشائخ کا مسلک ،اس بارے میں یہ ہے کہ ان الفاظ کا دعا میں کہنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا باعث ہے۔اور اس طرح دُعا کرنا بالکل درست ہے...... اور اسی طرح دُعا کرنی چاہئے۔ یہ ہمارا دو ٹوک اور واضح مسلک ہے...... میں بھی اسی کا قائل ہوں...... ہمارے اساتذہ بھی اسی کے قائل تھے...... ہمارے مشائخ بھی اسی کے قائل تھے ...... بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اس طرح کے الفاظ کے ساتھ دُعا کرنا یا اُس کو قبولیت کا ذریعہ سمجھنا، تقریباً اہل سنت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

المھند علی المفند کا پس منظر:

علماء دیوبند کے عقیدوں کے متعلق ایک چھوٹی سی کتاب ہے جس کا پورا نام ہے **المھند علی المفند**۔ اس کتاب کے لکھے جانے کا پس منظِر یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک شخص نے علماء دیوبند...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری...... حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی...... مولانا محمد قاسم نانوتوی...... مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمہم اللہ کی عبارات سے کچھ نئی عبارتیں بنا کر، کچھ عقیدے گھڑ کر اُن حضرات کی طرف غلط منسوب کر دیئے کہ ان لوگوں کے یہ عقیدے ہیں ۔اور وہ یہاں سے لکھ کر یہ باتیں حرم میں لے گیا۔ وہاں کے علماء کو اِن کے بارے میں کچھ علم نہ تھا ۔اُنہوں نے صرف وہ استفتاء دیکھا تھا اور فتویٰ دے دیا کہ جن لوگوں کے یہ عقیدے ہیں وہ مسلمان نہیں کافر ہیں ۔اور اُس فتویٰ پر اس بدطینت شخص نے مکے و مدینہ کے علماء سے دستخط بھی لے لئے کہ جن کے یہ عقیدے ہیں وہ کافر ہیں مسلمان نہیں۔

وہاں سے یہ فتویٰ لا کر یہاں ہندوستان میں ایک رسالے میں اُس کی اشاعت کی گئی ۔رسالے کا نام **حسام الحرمین** رکھا۔ جب وہ شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا تو اُس وقت علماء دیوبند کو پتہ چلا کہ ہمارے خلاف ایک بہت بڑی سازش کی گئی ہے۔

رضا خانی دجل وفریب:

جو عبارتیں اُس نے لی تھیں وہ اصل کتابوں سے مختلف تھیں۔ مختلف جگہوں سے فقرے لے کر جوڑ لیئے گئے اور ایک مسلسل عبارت بنالی گئی۔ اوراکابر علماء دیوبند کی طرف منسوب کردی گئی۔ ان میں سے کچھ حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کردی اور کچھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی طرف منسوب کردی۔

مولانا خلیل احمد کے متعلق کہا کہ ان کے نزدیک شیطان کا علم اللہ سے زیادہ ہے۔ کسی کی طرف منسوب کردیا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے۔ کسی کی طرف منسوب کردیا کہ جیسا علم حضور ﷺ کے پاس تھا ویسا علم تو پاگلوں اور مجنونوں کے پاس بھی تھا۔ کسی کی طرف منسوب کردیا کہ یہ لوگ ختم نبوت کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد بھی نبی آسکتا ہے۔ کسی کی طرف منسوب کردیا کہ یہ تو حضور ﷺ کو صرف بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہیں۔ اُن کے دل میں حضور ﷺ کی قدر و قیمت ہی کوئی نہیں۔ کسی کی طرف منسوب کردیا کہ نماز میں حضور ﷺ کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ باتیں خود بنا کر اُن بزرگوں کی طرف منسوب کر کے فتویٰ لے لیا۔

جب یہاں پتہ چلا اور عرب علماء کو مطلع کیا گیا کہ تمہارا یہ فتویٰ تو اُس جماعت کے خلاف چلا گیا جو ہندوستان میں دینِ حقیقی کی محافظ ہے اور انگریزوں کے ساتھ محارب ہے۔ ہندوستان میں کافروں کے ساتھ اُن کا مقابلہ جاری ہے۔ عیسائیوں کے مقابلہ میں ہیں، ہندوؤں کی مذہبی تنظیموں کے خلاف جہاد کرنے والے ہیں۔ جب بھی کوئی باطل فرقہ سر اُٹھاتا ہے اُن کے خلاف وہ لوگ پوری تندہی سے کام کرتے ہیں۔ یہ باتیں قطعی غلط ہیں جو اُن کی طرف منسوب کی گئیں ہیں۔ تو عالمِ عرب میں اس بات کی وضاحت کی گئی یہ جعلسازی کی گئی ہے۔ ایسا تو انسان اگر چاہے تو قرآن کی آیت میں ایک آدھا لفظ آگے پیچھے کردے تو مطلب کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ ایک لفظ کے بدلنے سے ایمان سے کفر آجاتا ہے اور کفر سے ایمان آجاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطلب میں تم

جتنی چاہو گڑ بڑ کرلو الفاظ بھی قرآن کے ہی ہوں گے۔ باہر سے الفاظ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عبارتوں میں ردو بدل کرنے سے اصل مفہوم بدل جاتا ہے۔

علماء عرب کی طرف سے حق کی تحقیق:

تو جب اُن کے سامنے یہ حقیقت رکھی گئی تو اُنہوں نے پھر علماء دیوبند کے عقائد معلوم کیئے تا کہ صحیح طور پر پہلے عقائد کی تفتیش ہو جائے تب جا کے پہلے فتویٰ کی تردید کی جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے علماء دیوبند کی طرف غالباً تئیس سوال لکھ کر بھیجے تا کہ اُن کے عقائد معلوم کریں۔ جب وہ سوال ہندوستان پہنچے تو عرب علماء کے اُن سوالات کے جوابات حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھے۔ جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ پیر بھی ہیں اور اُستاد بھی۔ چونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وفات ہو گئی تھی اور یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ خلفاء میں بڑے سمجھے جاتے تھے اس لئے اُنہوں نے اُن کے جوابات لکھے۔ جوابات کی تحریر لکھنے کے بعد اُس وقت جو بڑے بڑے علماء دیوبند موجود تھے۔ جن میں مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ وہ اس وقت مدینہ میں تھے لیکن بہر حال موجود تو تھے)۔ اُن کے علاوہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بیٹے مولانا مسعود احمد صاحب اُن سب حضرات نے اُس پر دستخط کیئے اور یہ کہا کہ ہمارا اور ہمارے اکابر کا یہی عقیدہ ہے جو مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔ اُن سب حضرات نے باقاعدہ ذمہ داری کے ساتھ یہ قبول کیا کہ جو کچھ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے یہ ہمارا اور ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے۔ اس طرح علماء دیوبند کے عقائد کی یہ دستاویز بن گئی اور اُس کو مکہ معظّمہ بھیجا گیا اور مکہ معظّمہ کے علماء نے پڑھ کر بالاتفاق اس پر دستخط ثبت کر دیئے۔

- چاہے وہ شافعی تھے......
- چاہے وہ مالکی تھے......

- چاہے وہ حنبلی تھے……
- چاہے وہ حنفی تھے……

کیونکہ اختلاف مسائل میں ہے عقائد میں نہیں ہے۔ چنانچہ مکے کے علماء نے اس پر دستخط کیئے کہ یہ جماعت اہلِ حق کی جماعت ہے اور اِن کے عقائد بالکل صحیح ہیں۔ پھر وہ تحریر مدینہ گئی مدینہ کے علماء نے بھی اس پر دستخط کیئے کہ یہ جماعت اہلِ حق کی جماعت ہے اور یہ عقائد صحیح ہیں۔ پھر وہ دستاویز شام بھیجی گئی شام کے علماء نے دستخط کیئے کہ یہ علماءِ حق کی جماعت ہے اوران کے عقائد درست ہیں۔ پھر وہ تحریر مصر بھیجی گئی تو جامعہ اَزہر کے علماء نے اُس پر دستخط کیئے کہ یہ عقائد صحیح ہیں اور یہ جماعت اہلِ حق کی جماعت ہے۔ پھر یمن اوراس کے علاوہ کئی دوسرے اسلامی ممالک میں جہاں جہاں اسلامی مراکز تھے وہاں اس رسالے کو بھیجا گیا اور ہر جگہ کے علماء نے تصدیق کی کہ یہ علماءِحق کی جماعت ہے۔ اوراسمیں جو عقائد لکھے گئے ہیں بالکل صحیح ہیں۔

یہ سب کچھ مرتب ہوکر جس وقت وہ صحیفہ واپس آیا تو اُس کو ''**المھند**'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ آج وہ عربی میں بھی ملتا ہے۔ اُردو میں بھی ملتا ہے۔ اور ایک طرف عربی اور اُس کے سامنے اُردو ترجمہ یہ بھی ملتا ہے۔ کتب خانوں سے بار بار اُس کو شائع کیا گیا۔ آپ حضرات کو کسی جگہ سے مل جائے تو ایک نسخہ لے لیں۔ اُس میں علماء دیوبند کے عقائد کی ایک مصدقہ فہرست ہے۔ اَب جو شخص اُن عقائد کا حامل ہوگا وہ سمجھے کہ میں علماء دیوبند سے تعلق والا ہوں اور جو اُن عقیدوں سے اختلاف کرے گا اُس کا علماء دیوبند سے کوئی تعلق نہیں باقی جو چاہے ہو۔

یہ تمام دنیا کے علماء کا مصدقہ رسالہ ہے۔ اس رسالے کا میں تعارف کرواتے ہوئے جو بات میں کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ علماء دیوبند کے عقائد ایسے نہیں ہیں کہ گھر بیٹھ کے بنالئے گئے ہوں۔ بلکہ ساری اسلامی دنیا کے علماء نے پوری تحقیق کے بعد اُس پر دستخط کیئے۔ دنیا بھرمیں اُن کی اشاعت ہوئی اور اسلامی ممالک کے ہر مرکز نے اُن کی

تصدیق کی۔ اور اُن کے دستخطوں کے ساتھ یہ رسالہ شائع ہوا اور اَب تک مسلسل شائع ہورہا ہے۔ اس طرح یہ بار بار چھپا۔ بار بار تقسیم ہوا۔ ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ اور ملتان کے قریباً ہر بڑے کتب خانے سے بھی ملتا ہے۔ اگر پہلے آپ حضرات کو علم نہ تھا تو اَب آپ کے علم میں آ گیا۔ اس رسالے کو ضرور حاصل کریں۔

علماء دیو بند سے علماء عرب کا وسیلہ کے بارے میں استفسار:

جو سوالات اُنہوں نے لکھ کر بھیجے تھے اُس کا تیسرا اور چوتھا سوال اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔ کہ تم دعا میں وسیلہ کے قائل ہو یا نہیں؟ اور یوں کہنا کہ **بطفیل رسول اللہ ﷺ، بوسیلہِ فلاں، بحقِ فلاں**...... اس طرح دُعا کرنے کے تم لوگ قائل ہو یا نہیں؟ مکہ معظّمہ سے جو سوال آئے تھے علماء دیو بند کے عقائد کی تحقیق میں اُن میں یہ سوال خصوصیت کے ساتھ موجود تھا۔ مختصر سا سوال ہے دو تین سطروں کا اور دو تین سطروں کا ہی آگے جواب ہے۔ جواب تو یہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ ہم اور ہمارے بزرگ سب اس طرز سے دُعا کرتے ہیں اور وسیلہ کے ساتھ دُعا کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا اور اس پر تمام علماء دیو بند کے دستخط تھے۔ اس لئے میں کہہ رہا تھا کہ میرا اور میرے اکابر کا مسلک یہ ہے...... پہلے مسلک کو سمجھ لیجئے۔

علماء دیو بند علم ظاہر و باطن کے جامع ہیں:

اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ علماء دیو بند نہ صرف یہ کہ محدث تھے۔ بلکہ محدث بھی تھے...... مفسر بھی تھے...... اور فقیہ بھی تھے۔ چونکہ ان علوم کا تعلق صرف ظاہر کے ساتھ ہے، ان سب کے ساتھ ساتھ وہ صوفی بھی تھے۔ تصوف کے تمام سلسلوں کے بھی وہ حامل ہیں۔ ہندوستان میں چار سلسلے تصوف کے معروف ہیں۔ نقشبندی...... چشتی...... قادری...... سہروردی ...... اگرچہ باقی دنیا میں ان سلسلوں کے علاوہ اور سلسلے بھی ہیں لیکن ہمارے علماء دیو بند ان چاروں سلسلوں میں تصوف کے حامل ہیں اور ہمارے اکثر و بیشتر اکابر کو چاروں سلسلوں میں اجازت ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ امداد اللہ مہاجر مکی

سے چاروں سلسلوں میں اجازت تھی۔حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری ......حضرت شیخ الہند...... رحمۃ اللہ علیہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سب کو چاروں سلسلوں میں خلافت حاصل ہے۔اس لئے تصوف میں یہ قادری بھی ہیں ......چشتی بھی ہیں......نقشبندی بھی ہیں ......سہروردی بھی ہیں......تصوف کے یہ جامع ہیں...... جیسے محدث ہیں ......جیسے مفکر ہیں ......جیسے فقیہ ہیں۔اسی طرح صوفی بھی ہیں ......اور اولیاء اللہ کے جتنے سلاسل ہیں۔وہ سب اُن میں موجود ہیں۔اور پھر ہر سلسلے میں ایک شجرہ چلا آتا ہے۔شجرہ کا معنی ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے نام سلسلہ وار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے جائیں۔جیسے میں یوں کہوں کہ مجھے تصوف کے سلسلہ میں تعلق ہے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے......اُن کا تعلق تھا مولانا عبدالرحیم سے......اُن کا تعلق تھا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ...... اُن کا تعلق تھا حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ...... اور حاجی امداد رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق تھا حاجی نور محمد سے ......اس طرح پھر سلسلہ کی بالترتیب سند موجود ہے۔اور تمام سلسلوں کے مشائخ کے نام از اول تا آخر ترتیب وار لکھے ہوئے ہیں۔

علماء دیوبند اور تصنع و تکلف:

لیکن ہمارے اکابر کو چونکہ تکلف کی،شوبازی کی عادت نہیں ہے اس لئے اپنا نام شو کرنا کہ فلاں کاندھلوی ......فلاں چشتی ......فلاں قادری ......ہم میں اس طرح لکھنے کا رواج نہیں۔البتہ اس طرح لکھنا جائز ہے۔اور بالکل مناسب ہے جس طرح:

- ہم اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھیں تو ٹھیک......
- ہم اپنے نام کے ساتھ چشتی لکھیں تو ٹھیک......
- ہم اپنے نام کے ساتھ قادری لکھیں تو ٹھیک......
- ہم اپنے نام کے ساتھ سہروردی لکھیں تو ٹھیک......

یہ لکھنا ٹھیک ہے کیونکہ ہمارے اندر چاروں سلسلے پائے جاتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم میں سے کسی پر نقشبندی کا،کسی پر قادری کا اور کسی پر چشتی کا غلبہ ہے۔لیکن ہم

میں پائے چاروں سلسلے جاتے ہیں۔ تو ہمارے ناموں کے ساتھ قادری، چشتی کا آنا بالکل مناسب ہے اور واقعہ کے مطابق ہے۔ ہم صرف علم ظاہر کے حامل نہیں بلکہ ہمارے اکابر علم باطن یعنی تصوف، ریاضت مجاہدے کے بھی حامل ہیں۔ جب ہم میں چاروں سلسلے موجود ہیں تو پھر ہر سلسلے کا ایک شجرہ ہے۔ یعنی اولیاء اللہ کے نام نظم کی شکل میں مرتب کیئے گئے ہیں۔ کوئی شجرہ اولیاء کا ایسا نہیں ہے کہ جس میں اپنے اکابر کے وسیلہ کے ساتھ دُعا نہ مانگی گئی ہو۔ یا اللہ فلاں کے واسطے، یا اللہ فلاں کے وسیلے، فلاں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما۔ چاروں شجرے چھپے ہوئے ہیں اور چاروں میں دعا کا یہی طریقہ منقول ہے۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ کا وسیلہ سے دعا کا حکم:

بلکہ میں آپ حضرات کے علم میں اضافے کے لئے ایک بات عرض کردوں کہ مولانا غلام اللہ خان اور مولانا عنایت اللہ شاہ گجرات والے۔ اُن کا تعلق ہے مولانا حسین علی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ بھچراں) والوں سے ......واں بھچراں ضلع میانوالی کا ایک قصبہ ہے۔ آپ وہاں کے رہنے والے تھے ......شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ مولانا عنایت اللہ شاہ کے پیر یہی مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ....مولانا حسین علی صاحب نے دورۂ حدیث گنگوہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پاس پڑھا ......اس طرح آپ حدیث میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں......اور تصوف میں یہ حضرت اقدس خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ صاحب موسیٰ زئی شریف والوں کے مرید تھے۔

موسیٰ زئی ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے یہ بھی بہت بڑی خانقاہ ہے جہاں پر مولانا دوست محمد صاحب قندھاری رحمۃ اللہ علیہ ٹھہرے اور نقشبندی سلسلہ پھیلایا اور پاکستان میں پورے نقشبندی سلسلے کی کڑی وہیں پہنچتی ہے۔ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ مرید تھے اور خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادے مولانا خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ اُن کو اجازت تھی اور یہ اُن کے خلیفہ تھے، بیعت بھی کرتے تھے۔ تو مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات ''فوائد عثمانی'' کے نام سے مرتب کروائے

تھے اور اُس کے اُوپر نظر ثانی مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی۔ (وہ میرے پاس ہیں) مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آخر میں لکھا...... **قرأت هذا الكتاب من اوله الى آخره با مرسيدى و مولائى خواجه سراج دين** رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ میں نے اس کتاب کو اول سے لے کر آخر تک پڑھا۔ اپنے شیخ کے حکم سے اور میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے۔ گویا اُس پر مولانا حسین علی کے تصدیقی دستخط ہیں۔ اور جگہ جگہ اُس پر مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ چڑھایا ہے۔

اُس کتاب میں بھی جو شجرہ منقول ہے اُس میں بھی دُعا اسی طرح ہے بزرگوں کے توسل کے ساتھ اور اُن کے طفیل سے ہے...... اور اُس کے آخر میں مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ لکھا کہ مجھے میرے شیخ نے یہ حکم دیا تھا کہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ شجرہ پڑھا کرو۔ اور اسی طرح بزرگوں کے وسیلہ کے ساتھ دُعا کیا کرو۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ بھی شجرہ کے قائل تھے اور اسی طرح وسیلہ کے ذریعہ سے دُعا کرنے کے قائل تھے۔ اور اُنہوں نے لکھا ہے کہ مجھے شیخ نے کہا تھا کہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ شجرہ پڑھا کرو اور اسی طرح دعا کیا کرو۔

اہل حق کا معمول:

بہر حال اہل حق کی جماعت جو ہندوستان میں تھی اُن کا معمول اسی طرح ہے کہ یوں دُعا کرنا قبولیت کا باعث ہے۔ اور ہم اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح وسیلہ کے ذریعہ سے دعا کرنے کے قائل ہیں۔ یہ تو میں نے اپنا مسلک بتایا ہے آپ کو۔ اُمید ہے آپ کے علم میں اچھی طرح بات آ گئی ہوگی اور آپ اس کو سمجھ گئے ہوں گے؟۔ میں نے آپ کے سامنے علماء دیوبند کا مسلک ذکر کر دیا ہے۔ اس بات کو اپنے ذہن میں بٹھاؤ اور اپنے مسلک کو اچھی طرح سمجھو۔

مسئلہ وسیلہ کی وضاحت:

اس کے بعد میں اس مسئلہ کی تھوڑی سی وضاحت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مانگا جاتا ہے۔ دینے والا اللہ ہے، اللہ کے غیر سے مانگنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شعبہ کسی دوسرے کے سپرد کر رکھا ہے اور وہ بھی دے سکتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اس کی وضاحت میں آپ کے سامنے کر دینا چاہتا ہوں۔ دعا تو اللہ سے کرنی ہے لیکن قرآن و حدیث میں دعا کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں۔ جن میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اگر دعا اس طرح کی جائے تو اس کی قبولیت کی توقع زیادہ ہے۔ بالترتیب بات کو ذہن میں بٹھایئے۔ دعا اللہ سے کرنی ہے۔

قبولیت دعا کے آداب:

دعا کے کچھ آداب ہیں جن کی رعایت رکھ لی جائے تو اللہ تعالیٰ سے اُس دعا کی قبولیت کی توقع زیادہ ہوتی ہے۔ وہ آداب جن کی رعایت رکھنے سے قبولیت کی توقع زیادہ ہوتی ہے اور وہ موانع جو دُعا کی قبولیت میں رکاوٹ ہوتے ہیں کا خیال رکھا جائے

غذا حلال ہو:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کی غذا حرام ہے اُس کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ حدیث میں روایت موجود ہے کہ ایک آدمی بال بکھرے ہوئے ہیں۔ مسافر ہے۔ گھر سے دُور ہے۔، میلے کپڑے ہیں، ہاتھ پھیلا کے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یا رَب یا رَب یا رَب۔ اَب سفر میں مسکنت ہوتی ہے اور مسکنت میں دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے وہ مسافر بھی ہے۔ مسکین بھی ہے۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کے یا رَب یا رَب۔ کہتا ہے سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں...... **مطعمه حرام**...... اُس کا کھانا حرام...... **مشربه حرام**...... اُس کا پینا حرام...... **ملبسه حرام**...... اُس کا پہننا حرام...... **فانی یستجاب له**...... تو اُس کی دعا کیسے قبول ہو۔؟ جس کا لباس حرام۔ کھانا پینا حرام۔ اُس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ وہ کتنا ہی اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرے۔ اُس کی قبولیت کیسے ہو سکتی

ہے۔ (مسلم ص ۳۲۶ ج ۱، ترمذی ص ۱۲۸ ج ۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اپنی قدرت کے تحت اُس کی دعا بھی قبول کرسکتا ہے۔وہ اگرقبول کرنے پہ آئے تو شیطان کی بھی قبول کرلیتا ہے۔ دیکھئے عین اُس وقت جب شیطان آدم کوسجدہ نہ کر کے اللہ کو ناراض کر چکا تھا۔اُس وقت بھی اُس نے دعا مانگی جس میں یہ کہا کہ مجھے قیامت تک مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول کرلی ...... یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور حکمت کا معاملہ ہے وہ چاہےتو کافر کی قبول کرلے، شیطان کی قبول کرلےلیکن اللہ تعالیٰ کی ایک عام عادت حضور ﷺ نے ذکر کی کہ اللہ حرام کھانے والے کی دعائیں قبول نہیں کرتا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ہو:

اور فرمایا کہ جس وقت وہ نیکی سکھانا بند کردیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کریں گے تو اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ (ترمذی ص ۳۹ ج ۲، ابن ماجہ ص ۹۷) آپ ﷺ نے متعدد ایسی باتیں بتائیں جوقبولیتِ دُعا میں رکاوٹ ہیں اور کئی ایسی باتیں بھی بتائیں کہ اُن پر عمل کرنے سے قبولیتِ دُعا کی بہت قوی توقع ہے۔

دعا کے آداب وقت کے اعتبار سے بھی ہیں ......جگہ کے اعتبار سے بھی ہیں ...... اقوال کے اعتبار سے بھی ہیں......افعال کے اعتبار سے بھی ہیں اور اشخاص کے اعتبار سے بھی ہیں...... وقت کے اعتبار سے آداب مثلاً...... حدیث شریف میں آتا ہے کہ آدھی رات کے بعد اور طلوع فجر سے پہلے کا وقت ایسا ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ خود بندوں کی طرف متوجہ ہوکر کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو میں عطا کرتا ہوں ......مجھ سے سوال کرو میں قبول کرتا ہوں ......(بخاری ۱/۱۵۳) اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف متوجہ ہوکر خود یہ فرماتا ہے تو ہم جانتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ خود متوجہ ہو اور بندوں کو دعوت دے کہ:

- مجھ سے معافی مانگو میں معاف کرتا ہوں......

- مجھ سے رزق مانگو میں رزق دیتا ہوں......
- مجھ سے صحت مانگو میں صحت دیتا ہوں......
- مجھ سے عافیت مانگو میں عافیت دیتا ہوں......

اُس وقت جب بندہ ہاتھ پھیلائے گا تو دعا کی قبولیت کی توقع زیادہ ہے۔ حدیث میں صراحتاً یہ بات موجود ہے اور جب اُس وقت کو قبولیت دعا میں سبب کے طور پر مؤثر مان لیا گیا تو اَب اگر کوئی بندہ کہے کہ...... اے اللہ میں اس وقت تیری طرف متوجہ ہوں۔ تو نے خود فرمایا ہے کہ تو اس وقت بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ جس میں تو بندوں سے کہتا ہے کہ مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کرتا ہوں......میرے مولا! اس مبارک وقت کے صدقے میں...... اس مبارک وقت کے برکت سے ......تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ تُو میری توبہ کو قبول فرمالے......اَب بتایئے اس میں کوئی حرج ہے۔؟ ببرکتِ ھٰذا الوقت کہنے سے اس میں کیا قباحت پیدا ہوئی ۔؟ جب اس وقت کو اللہ نے خود قبولیت دعا کا سبب قرار دے دیا تو اَب اگر آپ اس کو اپنی دعا میں سبب کے طور پر ذکر کریں کہ اے اللہ میری دعا کو اس وقت کے صدقے قبول فرما تو اس میں کوئی حرج کی کیا بات ہے اور اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔؟

قبولیت دعا کے مواقع:

اسی طرح فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اُس میں جو مانگو اللہ عطا فرماتے ہیں...... (بخاری ۱۲۸/۱۔) وہ ساعت کون سی ہے؟ اُس کی تعین نہیں کی گئی۔ اس لئے تم جمعہ کے دن جمعہ کی اذان سے لے کر شام تک اللہ کی رحمت کی طرف متوجہ رہو......صفا مروہ پر دُعا قبول ہوتی ہے......سعی میں دُعا قبول ہوتی ہے......طواف کے دوران دُعا قبول ہوتی ہے......ملتزم تو جگہ ہی ایسی ہے کہ جہاں چمٹ کر اللہ سے مانگا جاتا ہے...... ایک روایت تسلسل کے ساتھ چلی آرہی ہے جس کی اجازت مجھے بھی

حاصل ہے۔ راوی اس میں کہتا ہے کہ میں نے ملتزم میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول کی ......(ومثله فی شعب الایمان لا ھج لا)

اس کا اگلا شاگرد کہتا ہے کہ میں نے اپنے اُستاد سے یہ بات سنی تھی اور میں نے ملتزم میں اللہ تعالیٰ سے ایک دُعا کی وہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی ......اور پھر آگے والا اُسی طرح کہتا ہے کہ میں نے بھی ایک دعاُ کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول کی ......اس طرح اُوپر تک یعنی سرورکائنات ﷺ تک جتنی سند ہے......سند کا ہر راوی یہ بات کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک دُعا کی وہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی ......اس طرح وہ سند ہم تک بھی پہنچی اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اُمید کر کے یہ کہتا ہوں کہ میں نے بھی ایک دُعا کی اور وہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی......مُلتزَم ایسی جگہ ہے کہ اُس سے چمٹ کر اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے۔ یہ کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان والی جگہ ہے......کعبہ کی دہلیز سے چمٹ کر سوال کرتے ہیں......میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہوکر سوال کرتے ہیں......طواف کے دوران بھی مانگتے ہیں......یہ جگہیں ایسی ہیں کہ جن کی قبولیتِ دُعا میں نشان دہی کی گئی ہے۔

اسی طرح میدانِ عرفات میں بھی دعا قبول ہوتی ہے......مزدلفہ میں بھی قبول ہوتی ہے......اَب ایک آدمی عرفات کے دن دُعا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ تُو نے مجھے اس برکت والی جگہ میں پہنچا دیا۔ آج اس دن کی برکت سے......آج اس جگہ کی برکت سے ......میری دعا قبول فرما ......اس کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جگہ کا وسیلہ دے دیں آپ۔ وقت کا وسیلہ دے دیں آپ۔ کہ اے اللہ اس وقت کی وجہ سے......اس جگہ کی برکت سے ......میری یہ دعا قبول فرما۔ جب اُس کو سبب کے طور پر مان لیا گیا تو اُس کو دُعا میں ذکر کرنے میں حرج نہیں۔ یہ سب کے سب دُعا کے آداب ہیں۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا ادب ہے:

اس کے علاوہ ہاتھ اُٹھا کے، ہاتھ پھیلا کے، دعاء مانگی جاتی ہے...... ہاتھ اُٹھانا یہ بھی دُعا کا ایک ادب ہے...... صرف ہاتھ اُٹھانے کو دعا نہیں کہتے...... یاد رکھنا۔ **دعا...... یدعو** زبان کے ساتھ پکارنے کو کہتے ہیں...... ہاتھ اُٹھانے کو دعا کرنا نہیں کہتے...... ہاتھ اُٹھانا تو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے وقت ایک فقیرانہ ہیئت بنانے والی بات ہے۔ اس لئے جہاں گنجائش ہو ہاتھ اُٹھائیں گے۔ جہاں گنجائش نہ ہو نہیں اُٹھائیں گے۔ چنانچہ ہر دُعا میں ہاتھ نہیں اُٹھائے جاتے...... التحیات میں ہم دُعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اُٹھاتے...... بیت الخلاء کو جاتے ہوئے دعاُ مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اُٹھاتے...... بیت الخلاء سے نکلتے ہوئے دعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اُٹھاتے...... بازار کو جاتے ہوئے دعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اُٹھاتے...... مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے...... مسجد سے نکلتے وقت دعا مانگتے ہیں کوئی بھی اُس میں ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ اس لئے ہر دُعا کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھائے جاتے۔ البتہ جہاں پر کوئی اور بات نہ ہو اپنی مرضی سے آپ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ وہاں پر ہاتھ پھیلا کر دعاء مانگیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا...... **ان رَبکم حیّ کریم**...... (بوداؤد ص۲۰۹ ج۱۔ مشکوٰۃ ۱۹۵/۱۔ ج۱) تمہارا رَب بڑا باحیا ہے، بڑا کرم والا ہے...... **ان رَبکم حیّ کریم یَسْتَحِیُ** اللہ تعالیٰ حیاء کرتا ہے اپنے بندے سے کہ جس وقت بندہ اُس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اللہ اُن کو خالی واپس کرتا ہوا حیا کرتا ہے کہ میرے بندے نے میرے سامنے ہاتھ پھیلائے ہیں میں اُن کو خالی کیسے واپس کروں۔ تو ہاتھ پھیلا کے دعا کرنا قبولیت کا ذریعہ ہے۔

دعا میں ہاتھ اُٹھانے کا طریقہ:

یہ بھی ایک بات یاد رکھئے، ہمارے ہاں یہ کوتاہی عام ہے۔ ہم اکثر و بیشتر دُعا کے

لئے ہاتھ صحیح طرح نہیں اُٹھاتے۔ جبکہ دُعا کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ہاتھ سینے کے برابر ہوں سینے سے اُونچے نہ ہوں۔ (مشکوٰۃ ۱۹۶) دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اُٹھاؤ یا کھلے ہوں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کو جب اللہ کے سامنے لجاجت کرنی ہوتی اور خصوصیت کے ساتھ دُعا کرنی ہوتی تو حضور ﷺ اتنے ہاتھ اٹھاتے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی...... **بیاض ابطیہ**......(مسلم ص۲۹۳ ج۱) اور آپ ﷺ اللہ کے سامنے ایسے ہاتھ پھیلاتے تھے جیسے کھانا مانگنے والا مسکین اپنے ہاتھ پھیلایا کرتا ہے۔ اس طرح ہاتھ پھیلاتے تھے۔ تو **بیاض ابطیہ**...... کا نظر آ جانا، بغلوں کے اندر کی سفیدی کا نظر آ جانا، یہ ہاتھ پھیلانے کے ساتھ ہوتا ہے سینے سے اوپر نہیں کرتے۔ سینے کے برابر رکھتے تھے۔ تو مسکین کھانا مانگنے والے کی طرح اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرو جیسے کہ...... فٹ پاتھوں پر بیٹھے ہوئے مسکین ہر آنے جانے والے کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے بھی اس طرح ہاتھ پھیلائے جائیں۔ یہ بھی قبولیت کا باعث ہے۔ تو وقت کا وسیلہ بھی ہے...... جگہ کا وسیلہ بھی ہے...... ہاتھ اٹھانے کا وسیلہ بھی ہے...... اور درود شریف پڑھنے کا وسیلہ بھی ہے۔

درود شریف کا وسیلہ:

حدیث میں آتا ہے مشکوٰۃ میں روایت موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دعاء زمین اور آسمان کے درمیان میں لٹکی رہتی ہے۔ جب تک کہ تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو اس وقت تک دعاء قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذی ص۱۱۰/۱) اس لئے دعا کی ابتداء اور دعا کے آخر میں درود شریف پڑھنا ہمارے اکابر کا معمول ہے۔ درود شریف یقیناً قبول ہوتا ہے۔ اوّل سے بھی قبول آخر سے بھی قبول تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ درمیان والی چیز کو چھوڑ دے۔ اور اللہ کی رحمت سے توقع کریں کہ جب اول و آخر قبول ہو گا تو درمیان بھی قبول ہو جائے گا۔ اسلئے درود شریف پڑھنا بھی قبولیت دعا کے لئے وسیلہ

ہے۔

اعمال صالحہ کا وسیلہ:

ایسے ہی اعمال صالحہ کا تذکرہ کرنا۔ بخاری شریف کی صحیح ترین روایت ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ تین اسرائیلی جا رہے تھے بارش شروع ہوگئی اسرائیلیوں کا قصہ ہے۔ حضور ﷺ سے پہلے کی اُمتوں کا۔ وہ بارش سے بچنے کے لئے ایک پہاڑ کی غار میں گھس گئے۔ حدیث غار کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا جاتا ہے۔ بارش جب زور سے ہوئی تو اوپر سے ایک پتھر لڑھکتا ہوا آیا اور غار کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ عام طور پر بارش میں پہاڑوں کی چٹانوں کے نیچے سے مٹی نکل جاتی ہے تو چٹانیں لڑھک جاتی ہیں۔ اُس پتھر نے غار سے باہر نکلنے کا راستہ بند کر دیا۔ اور وہ اتنا وزنی پتھر تھا کہ اُن تینوں کے زور لگانے سے بھی نہ ہلتا تھا۔ جب غار کا دروازہ بند ہوگیا تو سوچنے لگے کہ کیسے نکلیں؟ تو حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ تینوں نے مشورہ کیا کہ اَب اپنا کوئی ایسا عمل یاد کرو جو تم نے صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا ہو۔ اور اُس عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنا اپنا ایک عمل ذکر کیا۔

ایک آدمی نے اپنے والدین کی خدمت کا ذکر کیا۔ ایک آدمی نے مزدور پر احسان کرنے کا ذکر کیا اور ایک آدمی نے یہ ذکر کیا کہ اے اللہ فلاں وقت میں مجھے تیری نافرمانی پر پوری قدرت ہوگئی تھی لیکن میں تجھ سے ڈر گیا۔ میں نے تیری نافرمانی نہیں کی۔ قدرت حاصل ہو جانے کے بعد نافرمانی نہ کرنا یہ عمل اس نے اللہ کے سامنے بطور وسیلے کے پیش کیا کہ اگر یہ عمل تیرے ہاں قبول ہے تو یہ مصیبت ہم سے ٹال دے تو سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ پہلے کے دُعا کرنے سے چٹان کچھ کھسکی، دوسرے کے دعا کرنے سے اور کھسک گئی، تیسرے کے دُعا کرنے سے مزید کھسکی اور دروازہ کھل گیا۔ (بخاری ص۴۹۳ ج۱، مسلم ص۳۵۳ ج۲)

تو اعمال صالحہ کو بطور توسل کے پیش کرنا کہ مولا اگر یہ عمل تیرے ہاں قبول ہو گیا ہے اور نیک عمل پر تیری رحمت ہوتی ہے تو ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنی رحمت کو

ہمارے اُوپر اس رنگ میں نازل کر دے کہ ہماری یہ ضرورت پوری ہو جائے۔ **توسل بالاعمال الصالحہ** کہلاتا ہے جو بالکل جائز ہے۔ جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مقبول الٰہی اشخاص کا وسیلہ:

لیکن ایک **توسل بالذوات الفاضلہ** بھی ہے یعنی فضیلت والی کسی ذات کا تذکرہ کرنا کہ فلاں ولی، فلاں محدث، فلاں بزرگ، فلاں فقیہ، فلاں شہید کی برکت سے میرا یہ کام کر دے۔ ذواتِ فاضلہ کے وسیلے سے بھی ہمارے نزدیک دُعا کرنا بالکل صحیح ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جیسے وہاں پر کسی قسم کا شرک والا معنی نہیں ہے کہ عمل کا حوالہ دیں ...... وقت کا حوالہ دیں...... جگہ کا حوالہ دیں یا کسی ہیئت کا حوالہ دیں۔ اسی طرح کسی ذات کا حوالہ دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔

آیت لما جاء ھم کی تفسیر:

یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی اس کا ترجمہ سن لیجئے۔ پہلے پارے میں ہے؟ **لما جاء ھم کتاب من عنداللہ**...... جب اُن یہودیوں کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آ گئی...... **مصدق لمامعھم**...... جو تصدیق کرنے والی تھی اُس کتاب کی جو اُن کے پاس پہلے سے موجود تھی یعنی تورات، انجیل...... **و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا**...... یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلے میں استفتاح کیا کرتے تھے۔ یہ لفظ قران میں ہے۔ استفتاح کا لفظی معنی ہے فتح طلب کیا کرتے تھے کافروں کے مقابلے میں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ میں یہ بات لکھی ہے۔ روح المعانی (ص ۳۲۰ ج ۱) میں ہے۔ ابن کثیر میں ہے۔ درمنثور میں ہے۔ روایات کے ضمن میں یہ بات کی گئی ہے کہ وہ یہودی اس طرح دعا کیا کرتے تھے اے اللہ نبی آخر الزمان کے صدقے ہمیں فتح عطا فرما۔ گویا وہ یہودی آپ کے آنے سے پہلے ہی آپ کا وسیلہ دیتے تھے اور آپ کی کتاب کا وسیلہ دیتے تھے۔ قرآن مجید نے اس بات کو نقل کیا ہے اور اس پر انکار نہیں کیا۔

ایک تفسیر یہ ہے۔ اگرچہ اس کی دوسری تفسیر بھی ہے جو بیان القرآن میں حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کی کہ کھول کھول کر بیان کیا کرتے تھے کافروں کے سامنے کہ نبی ایسا آنے والا ہے۔ ایسا آنے والا ہے ۔جب وہ آ جائے گا ہم اُس کے ساتھ مل کر تم پر غالب آ ئیں گے۔اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے لیکن روایات کے درجے میں کثرت کے ساتھ تفسیروں میں پہلی تفسیر ہے۔کہ آپ کا حوالہ دے کر آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کیا کرتے تھے تو وہ روایات بھی اُس پر دلالت کرتی ہیں اور قرآن کریم نے اُس کی طرف اِشارہ کیا ہے۔اور حدیث شریف کی دو روایتیں عرض کرتا ہوں بہت ساری روایات ہیں جو ہمارے اکابر کتابوں میں نقل کرتے ہیں۔ایک روایت ہے...... **كان يستفتح بصعا ليك المهاجرين**...... (کبیر ص۲۹۲ ج۱) مشکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے سرور کائنات ﷺ مہاجرین میں سے جو فقراء تھے اُن کے ساتھ فتح طلب کیا کرتے تھے **كان يستفتح بصعاليك المهاجرين**......تو **بصعاليك المهاجرين** سے فتح طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں دونوں ہی اپنی جگہ پر صحیح ہیں ۔

پہلا مطلب:

۱۔تو یہ ہے کہ اُن فقراء کو کہتے تھے کہ ہمارے لئے دُعا کرو ہم کافروں سے لڑنے جارہے ہیں۔ دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح دے ۔یہ بھی اُن **صحاليك المهاجرين** کے ذریعہ سے فتح طلب کرنے کی بات ہے۔ آپ کسی دوسرے سے کہیں کہ میرے حق میں دُعا کریں۔ یہ بھی دوسرے کے ساتھ توسل ہے۔ گو اس طرح بھی دوسرے کو ذریعہ بنالیا اپنے حق میں قبولیت دعا کا ۔حضور ﷺ اُن سے فرمایا کرتے تھے ہم جارہے ہیں جہاد پر اور تم لوگ ہمارے لئے دعا کرنا اللہ ہمیں فتح دے ۔ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا ہے مرقاۃ میں۔

دوسرا مطلب:

۲۔کہ حضور ﷺ دعا میں ذکر کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ان مہاجرین فقراء کے وسیلے سے ہمیں فتح عطا فرما۔ اُن کے طفیل ہمیں فتح نصیب فرما۔ اس حدیث کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے۔تو معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ فقراء مہاجرین کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے

رحمت مانگتے تھے۔اور ایک روایت بھی مشکوٰۃ میں موجود ہے کہ حضرت سعد ہیں یا معاذ ہیں اس وقت ذہن میں نام نہیں ہے۔ وہ چونکہ سخی تھے۔مال خیرات بہت کیا کرتے تھے ۔سرور کائنات ﷺ کو ایک دفعہ اُن کے حال کو دیکھ کر شبہ پڑا کہ شاید سعد اپنے آپ کو باقیوں کے مقابلے میں اچھا سمجھتا ہے کہ میں مال دار ہوں اور میں بہت سخاوت کرتا ہوں۔ دوسروں کے مقابلے میں اُس کے ذہن میں کوئی برتری سی آ گئی ہے۔حضور ﷺ کو ایسا محسوس ہوا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ سعد تمہیں جو رزق ملتا ہے وہ ان مساکین کے واسطے اور ان مساکین کی برکت سے ملتا ہے۔اس لئے تم یہ نہ سمجھو کہ اُن کو رزق تم دیتے ہو۔نہیں تمہیں رزق اُن کی وساطت سے ملتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۴۶ ج ۱) اَب جب سرور کائنات ﷺ نے ان فقراء کو رزق کے حاصل ہونے کا ذریعہ بتایا کہ ان کی وجہ سے تمہیں رزق ملتا ہے تو کوئی شخص اپنی دعا میں یہ کہے کہ اے اللہ ان فقراء کی برکت سے مجھے رزق دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت آتی ہے کہ دو بھائی تھے اُن میں سے ایک بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں علم حاصل کرنے آتا تھا اور دوسرا بھائی رزق حاصل کرتا تھا۔جو کمائی کرنے والا تھا وہ دوسرے کو کہتا کہ کمائی ساری میں کرتا ہوں تُو تو صرف کھانے کے لئے بیٹھا ہے۔کمائی کیوں نہیں کرتا۔اُس نے حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ یہ کام نہیں کرتا۔آپ ﷺ کے پاس آتا ہے اور پڑھنے میں لگا رہتا ہے کام نہیں کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خیال کر، تجھے رزق اس کی برکت سے ملتا ہے۔(ترمذی ص ۶۰ ج ۲)

توسل بالذات اصل میں توسل بالعمل ہی ہے:

آخری بات عرض کرتا ہوں کہ اگر غور کیا جائے **توسل بالذات** حقیقت کے اعتبار سے **توسل بالعمل** ہی ہے کیونکہ جب ہم کسی ولی کا نام لیتے ہیں تو اُس کے ساتھ اپنا تعلق بتاتے ہیں۔یہی تعلق و محبت ہمارا عمل ہے۔کیونکہ اللہ کے مقبول بندوں کی فضیلت قرآن و حدیث میں آئی ہے ۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ **المرء مع من**

احب......(بخاری ص۹۱۱ ج۲ مسلم ص۳۳۴ ج۲) جس کے ساتھ محبت رکھو گے اُسی کے ساتھ ہوو گے۔ فلاں تیرا مقبول بندہ ہے میں اُس کے ساتھ محبت رکھتا ہوں اُس کے ساتھ تعلق اور محبت کی برکت سے یا اللہ مجھ پر رحمت فرما اور یا اللہ میرا یہ کام کردے تو توسل بالذات الفاضلہ کا انجام بھی توسل بالاعمال ہی نکلتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک بلا غبار قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ توسل ہر طرح جائز ہے۔ وقت کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ۔ جگہ کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ۔ اور ہاتھ پھیلانے کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ۔ کسی اچھے بزرگ سے دعا کروانے کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ اپنے لئے۔ جیسے حضور ﷺ خود کہا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعا کے لئے کہنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرے پر جارہے تھے اور حضور ﷺ سے ملنے کیلئے گئے۔ جیسے بزرگوں سے ملاقات کرکے جانے کا رواج ہے جب وہاں پر گئے تو حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا...... لاتنسنا یا أخیّ ...... (ترمذی ص۱۹۶ ج۲۔ ابوداؤد ۱/۲۱۰) اے ہمارے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں بھلا نہ دینا اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معلوم ہوا دوسروں سے دعا کروانا بالکل ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہرحال آپ کے دل میں اتنی بات تو راسخ ہوجانی چاہئے کہ ہم ان میں سے کسی توسل کے ناجائز ہونے کے قائل نہیں ہیں کیونکہ مانگنا اللہ سے ہوتا ہے اور ان چیزوں کو ذریعہ بنایا جاتا ہے قبولیت کا۔ اور یہ نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث کے خلاف۔ دُعا کرنے کا یہ طریقہ درست اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ ادب اختیار کرنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

چند سوالات اور اُن کے جوابات

سوال: کیا کسی چھوٹے سے عمل کا وسیلہ بھی دیا جا سکتا ہے؟

جواب: اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کا ہی مسئلہ تو مفصلاً ذکر کیا ہے۔ بڑا عمل ہو یا چھوٹا عمل اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

سوال: اس وقت افغانستان میں جانا کیسا ہے جب کہ دوسری طرف تمام کفر متحد ہو چکا ہے وضاحت فرمائیں۔ مہربانی ہوگی؟

جواب: اس وقت افغانستان میں جہاد ہو رہا ہے۔ جہاد فرض ہے لیکن ہر شخص کے اوپر فرض نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ والدین اُس کو اجازت نہیں دے رہے تو اُس کو اپنے گھر سے نہیں جانا چاہیے۔ سرور کائنات ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کی قیادت میں جہاد ہوتا

تھا تو بھی قرآن کریم نے کہا ہے کہ سارے جہاد میں نہ جایا کرو۔ کچھ پڑھنے پڑھانے میں لگے رہا کرو۔ کچھ فقہ حاصل کیا کرو۔ تاکہ جب لوگ باہر سے آئیں تو اُن کو مسائل بتائے جاسکیں۔ تو جو طالب علم پڑھنے میں لگے ہوئے ہیں اس عمر میں اُن کے لئے تحصیل علم مقدم ہے جہاد سے ...... مَیں علی وجہ البصیرۃ اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں اگر کوئی علم کو نقصان پہنچا کر اس وقت جہاد پر جاتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ پڑھنے کا زمانہ یہی ہے۔ دو چار سال میں پڑھ کر فارغ ہو جاؤ گے۔ اور جہاد کے لئے ساری زندگی باقی ہے۔ اپنے اسباق کو ضائع نہ کرو۔ اس لئے دورانِ تعلیم جانا یہ مفید نہیں ہے۔

سوال: حضرت اُستاذ محترم! آپ نے ملتزم پر کون سی دعا مانگی تھی جو قبول ہوئی؟

جواب: یہ نہیں بتاؤں گا یہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ البتہ ایک دُعا میں آپ حضرات کے لئے کچھ مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول کی تھی۔ میرے اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے وہ قبول کی اور اُس کے اثرات نمایاں ہیں اور میں اپنے دل میں

یقین رکھتا ہوں ۔ ابتدا میں جب بابُ العلوم کی بنیاد رکھی تھی،اس کے لئے دعا کی تھی کہ اے اللہ باب العلوم کو ظاہراً اور باطناً آباد کردے اور میں نے اُس کی قبولیت کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے۔

ظاہری آبادی کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری رونق ہے، تعمیرات ہیں ۔جبکہ ہمارے پاس کوئی وسائل نہیں۔محض اللہ کے فضل وکرم سے اور اُس کی رحمت کے ساتھ یہ آبادی ہے......

باطنی آبادی کا مطلب یہ ہے کہ اس سے علم پھیلے......لوگ عمل سیکھیں...... **بابُ العلوم** کو ظاہراً و باطناً آباد کردے ۔یہ دُعا میری ملتزم کی دعا ہے اور اُس کی قبولیت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ نہ یہ میری محنت کا نتیجہ ہے نہ کسی دوسرے اُستاد کی محنت کا نتیجہ ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے صدقے ہورہا ہے۔تو میں سمجھتا ہوں یہ سب کے سب آثار اُسی دعا کے ہیں۔ دعائیں تو کچھ اور بھی تھیں لیکن وہ سب بتانی ضروری نہیں ہیں۔ جو آپ سے متعلق تھی وہ بتادی۔

سوال: کیا زندہ بزرگ کا وسیلہ دیا جاسکتا ہے؟

جواب: زندہ مردہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔وسیلہ دونوں کا دیا جاسکتا ہے۔

اللھم صلی وسلم وبارك علی سیدنا محمد واله واصحابه كما تحب وترضٰی عددما تحب وترضٰی استغفر اللہ۔

❀❀❀

فتنۂ دجال اور سورۂ کہف (اوّل)

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ

خطبہ

بیان نمبر(1)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ و نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن!

اَمَّابَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اُتْلُ مَا اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْم وَنَحْنُ عَلٰى ذٰالِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْه

فضائل قرآن:

اللہ کی کتاب کا ایک ایک لفظ بابرکت ہے۔ جہاں سے بھی اس کو پڑھو، اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، ثواب ملتا ہے۔ ایک ایک لفظ پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ بات معروف ہے اور آپ سنتے رہتے ہیں لیکن اللہ نے اپنی حکمت کے ساتھ اپنی اس کتاب کے بعض حصوں میں کچھ بہت نمایاں قسم کے اثرات رکھے ہیں جن کی نشاندہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ میرا اِشارہ اُن فضائل کی طرف ہے جو بعض سورتوں کے احادیث میں آئے ہیں۔

سورۂ تبارک الذی والم السجدہ کی فضیلت:

مثلاً مشہور بات ہے سورة تبارك الذى پڑھنے والے کو قبر میں عذاب نہیں ہوگا۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو سورة تبارك الذى پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھیں گے۔ (ترمذی ص ۱۱۷ ج ۲۔ السنن الکبریٰ للنسائی ۱۱۷۹۶)

اور بالکل بعینہٖ یہی فضیلت الم تنزیل السجدہ کی بھی ہے۔ دونوں سورتیں تیس تیس آیتوں پر مشتمل ہیں۔ ایک روایت میں لفظ یہی آتے ہیں کہ قرآن میں ایک سورة ہے جو تیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اُس کی تلاوت عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔

اس کا مصداق یہ الم تنزیل السجدہ اور سورہ تبارك الذى ہے۔ اور صحیح روایات میں موجود ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ سونے سے پہلے دونوں سورتوں کو پڑھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۳۹۶) ہمارے بزرگوں میں بھی ان کو پڑھنے کا معمول ہے۔ آپ حضرات بھی اس کا کچھ اہتمام کرلیا کریں۔ کیونکہ زیادہ وقت نہیں لگتا جو حافظ ہیں اُن کے لئے تو اور بھی آسانی ہے کہ چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر توجہ کے ساتھ بیٹھ کر پڑھیں تو عشاء کے بعد سونے سے پہلے زیادہ سے زیادہ پانچ چھ

منٹ لگیں گے۔ اور آپ آسانی کے ساتھ ان دونوں سورتوں کی تلاوت کر سکتے ہیں۔

سورۂ واقعہ کی فضیلت:

سورۂ واقعہ کے متعلق بیان فرمایا کہ جو اس کو رات کے وقت پڑھے...... **لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ**...... (شعب الایمان ص۴۹۲ ج۲ مشکوٰۃ ص۱۸۹/۱) اُس کو فاقہ نہیں پہنچے گا فاقہ صرف بھوک کو نہیں کہتے ۔عربی میں فاقہ احتیاج کو کہتے ہیں اور جو سورۂ واقعہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ رزق کی برکت اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سرور کائنات ﷺ نے نشاندہی فرمائی کہ اس میں اللہ نے یہ اَثر رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ سورۂ واقعہ ہر رات کو ضرور پڑھا کرو۔ یہ بھی ہمارے اکابر کے معمول میں ہے۔ مغرب کے بعد طلوع فجر سے پہلے رات کو جب چاہیں پڑھ لیں لیکن عام معمول مغرب کے بعد سورۂ واقعہ پڑھنے کا ہے۔ اور عشاء کے بعد سورۂ **تبارك الذی** اور **الم تنزیل السجدہ** پڑھنے کا ہے۔

سورۃ یٰسین کی فضیلت:

سورۃ یٰسین کے بارے میں بھی حدیث شریف میں آتا ہے...... **قُضِيَتْ حَوَائِجُهٗ**...... کہ جو شخص **فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ**...... دن کی ابتداء میں سورۂ یٰسین پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی ضرورتیں پوری فرماتے ہیں۔ (دارمی ۔رقم ۳۲۸۴۔ مشکوٰۃ ۱۸۹/۱) آپ لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تجارت کرتے ہیں۔ زراعت کرتے ہیں۔ ملازمت کرتے ہیں۔ محنت کرتے ہیں۔ مزدوری کرتے ہیں۔ اور وہ چیزیں آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں، یہ سب مادی اَسباب ہیں۔ اور جو کچھ میں ذکر کر رہا ہوں یہ روحانی اَسباب ہیں ۔اور مادی اَسباب کے مقابلے میں روحانی اَسباب پر اَثرات زیادہ مرتب ہوتے ہیں کیونکہ مادی اَسباب تو ہماری تجویز کی ہوئی تدابیر ہیں۔ اور یہ روحانی اَسباب اللہ اور اللہ کے رسول کی بتائی ہوئی تدابیر ہیں۔ تو اگر ہم مادی اَسباب کو بھی اختیار کریں کہ اُن کا ترک کرنا جائز نہیں ہے رزق کمانے کے لئے تجارت

وزراعت کی تدابیر اختیار کریں اور اُن کے ساتھ ساتھ یہ روحانی تدابیر بھی اختیار کرلی جائیں تو باعث برکت ہوں گی۔

سورۃ کہف کی فضیلت:

ان سورتوں میں سے ایک سورۃ کہف بھی ہے جس کا تذکرہ میں آپ کے سامنے کررہا ہوں۔ سورۂ کہف کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اس کو پڑھتا رہے تو وہاں پر لفظ آتا ہے...... **عصم من فتنه الدجال**......(مسلم ص۲۷۱ ج۱، ابوداؤد ص۲۳۷ ج۲ ولفظہ من حفظ عشر آیات من اول سورہ الکہف عصم من فتنۃ الدجال) یہ دجال کے فتنے سے محفوظ رکھا جائے گا۔ دجال کے فتنے سے بچنے کے لئے سورۂ کہف کے پڑھنے کی حضور ﷺ نے تلقین فرمائی۔ اور ایک روایت اس بارے میں یہ بھی آتی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے تو اگلے جمعے تک یعنی سات دن اس کے قلب میں نور رہتا ہے۔ نورانیت رہتی ہے اور سات دن تک اس کے اَثرات پڑتے ہیں۔ شیطنت کے اَثرات ختم ہوتے ہیں اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۷ ۔ مشکوٰۃ ص۱۸۹/۱) جمعے کے دن اس کا پڑھنا اکابر کے معمول میں سے ہے۔

سورۃ کہف کی فتنۂ دجال سے مناسبت:

لیکن یہاں ایک سوال اُٹھایا ہے؟ ہمارے بزرگ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ جن کا ذکر گاہے گاہے میں آپ حضرات کے سامنے کرتا رہتا ہوں۔ جو فاضلِ دیوبند اور بہت عظیم آدمی تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ شاگردوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے سورۂ کہف کی تفسیر لکھی ہے۔ اس کا نام فتنۂ دجال اور سورۂ کہف'' رکھا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ آخر اس سورۃ کی کیا خصوصیات ہیں جن کی بناء پر اس کو فتنۂ دجال سے حفاظت کا ذریعہ بتایا گیا؟ بہت بہترین اور بہت اچھی معلومات کی حامل تفسیر ہے۔ اُنہوں نے قرآنِ کریم کی اس سورۃ کے ہر ہر جزء سے اُصول نکالے ہیں کہ یہ سورۃ اِن اِن اُصولوں کی نشاندہی کرتی ہے اور جو شخص ان اُصولوں کو ملحوظ رکھے گا دجال کا فتنہ اُسے

نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بہر حال جمعے کے دن پڑھنے کا معمول بنائیں۔ اور عام طور سے بھی اس کے اُوپر نظر رکھیں۔ جیسے سورۃ یوسف پر بھی دو تین بیان ہوئے تھے کہ سورۃ یوسف میں بھی موجودہ حالات پر بہت انطباق ہے۔ اور اس میں بہت سی ہدایات ہمارے لئے موجود ہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بہت مشکل حالات میں سورۃ یوسف سنائی تھی۔ یاد ہوگا آپ کو اس کے کچھ حصے پر عیدالاضحیٰ سے پہلے دو تین بیان ہوئے تھے۔ اور اس کے بعد وہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اَب خیال ہوا کہ سورۂ کہف کے متعلق کچھ موٹی موٹی باتیں آپ کی خدمت میں عرض کروں۔

فتنۂ دجال کا وقت:

پہلی بات تو یہ ہے کہ دجال کا وقت ہے کیا؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی نشاندہی ابتدا دنیا سے کی ہوئی ہے کہ ایک بہت بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس فتنے سے نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ڈرایا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اس فتنے سے۔ (مشکوٰۃ ۳۷۴/۱) لیکن جیسے قیامت کا وقت نہیں بتایا گیا کہ قیامت کب آئے گی اسی طرح اس فتنے کا بھی وقت نہیں بتایا گیا۔ بہر حال اتنا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ایک فتنہ آئے گا جس کو فتنہ دجال کہتے ہیں۔ تو نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے سامنے اس فتنے کا تذکرہ کیا تھا۔ اور باقی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ اپنی اُمتوں کو اس فتنے سے ڈراتے رہے۔ لیکن چونکہ دور گزرتے گزرتے سرور کائنات ﷺ تک آ گیا۔ قیامت کا تذکرہ بھی ہر نبی نے کیا لیکن چونکہ اَب قیامت آنی ہے سرور کائنات ﷺ کی اُمت پر اور درمیان میں کوئی دوسرا نبی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا دور قیامت سے متصل ہے۔

فتنۂ دجال اور نبی آخر الزمان کی اُمت:

اسی طرح فتنۂ دجال کسی دوسرے نبی کی اُمت میں نہیں آیا۔ وہ آنا ہے اسی اُمت میں اور کوئی نبی نہیں آنے والا۔ یہی اُمت ہے جو اس فتنے کا شکار بنے گی۔ اس

لئے سرور کائنات ﷺ نے جس طرح علامات قیامت بہت وسعت کے ساتھ بیان فرمائی ہیں کہ ایسے حالات ہو جائیں گے قیامت کے قریب جا کر اور پھر قیامت آئے گی یعنی وقت اگرچہ متعین نہیں کہ کون سے مہینے میں، کس سال اور کس صدی میں قیامت نے آنا ہے ۔لیکن آپ ﷺ نے علامات اتنی بتا دیں کہ وہ علامات بہت تیزی کے ساتھ پوری ہوتی جارہی ہیں۔ جس سے یہ اِشارہ نکلتا ہے کہ دنیا کے ختم ہونے کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے۔ اور علامات قیامت بڑی تیزی سے پوری ہوتی چلی جارہی ہیں۔

قیامت اور فتنۂ دجال:

قیامت کے آنے سے پہلے فتنہ دجال بھی ہے ۔چونکہ آپ ﷺ کی اُمت کے سامنے یہ فتنہ آنے والا تھا اس لئے سرور کائنات ﷺ نے اس دجال کا تذکرہ بہت کثرت کے ساتھ کیا۔ بہت علامات اور نشانیاں اس کی بتائیں۔

حدیث شریف کی ہر کتاب میں حتیٰ کہ مشکوٰۃ میں بھی **باب ذکر الدجال**...... بڑا لمبا باب ہے۔ اور وہ روایات حدیث کی ہر کتاب میں ملتی ہیں۔ دجال کے تذکرے کی...... اور وہ فتنہ چونکہ سر پر کھڑا ہے اس لئے اس کے متعلق زیادہ سوچنے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے ۔جیسے قیامت قریب آتی معلوم ہورہی ہے اپنی علامات کے ساتھ۔ اسی طرح فتنہ دجال بھی اپنی علامات کے ساتھ بالکل سر پر کھڑا ہے۔ اور قریب قریب آرہا ہے تو اس فتنے کی واقفیت اس کا خروج، اس کی خصوصیات اور اس سے بچنے کا طریقہ اور اس میں کیا مشکلات پیش آرہی ہیں اور اس سے چھٹکارا کس طرح ہوگا ۔؟ اس لئے وقت کی مناسبت کے ساتھ آج طبیعت ادھر متوجہ تھی کہ اس بات کا تذکرہ مختصر طور پر آپ حضرات کے سامنے کیا جائے۔

دجال اور دعویٰ رَبوبیت:

آج تو اس کا صرف ایک سبق یاد رکھیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دجال رَبوبیت کا مدعی ہوگا ۔رَب ہونے کا اعلان کرے گا کہ میں رَب ہوں ...... دجال رَب ہونے کا اعلان کرے گا۔ رَب کا کیا مطلب؟ وہ کہے گا دنیا کا رزق، دنیا کی

ضروریات میرے قبضے میں ہیں ۔دنیا میں رزق روٹی اس کو ملے گی جس کو میں دوں گا۔ جس کونہیں دوں گا اس کو روٹی نہیں ملے گی ۔

دجال کی خصوصی علامت:

اس لئے سرور کائنات ﷺ نے اس عنوان کے تحت بہت سی نشانیاں اس کی بیان فرمائیں۔لیکن ایک لفظ آپ ﷺ نے بار بار بیان فرمایا کہ اس دجال کے بارے میں تمہیں کچھ اور یاد رہے نہ رہے ایک بات یاد رکھنا ۔وہ بہت واضح سی علامت ہے۔کہ وہ کانا ہوگا ۔اور وہ جس وقت یہ دعویٰ کرے کہ رَب میں ہوں تو اس کو یوں کہنا کہ ہمارا رَب کانا نہیں ہے ۔بس سیدھا سیدھا جواب ہے۔ **ان رَبکم لیس باعور**......(بخاری ص۱۰۵٦ ج۲ مسلم ص۴۰۰ ج۲۔ مشکوٰۃ ۱/۴۷۲)فرمایا کہ یہ نشانی پکی یاد رکھیو کہ وہ ہوگا کانا۔اور جب وہ رَبوبیت کا دعویٰ کرے تو کہنا کہ ہمارا رَب کانا نہیں ہے ۔ہم اپنے رَب کو جانتے ہیں یہ نشانی سرور کائنات ﷺ نے ایسی بتائی کہ جس کے یاد رکھنے کے لئے نہ زیادہ علم کی ضرورت ہے نہ عقل کی ضرورت ہے۔سیدھا سادہ آدمی بھی اس بات کو یاد رکھ سکتا ہے کہ وہ کانا ہوگا اور کانا ہونے کے باوجود رَب ہونے کا دعویٰ کرے گا۔بس اس طرح اس بات کو یاد کرلو کے تمہارا رَب کانا نہیں ہے۔ اوراس بات کو مضبوطی سے یاد کرلو...... **ان رَبکم لیس باعور**......تمہارا رَب کانا نہیں ہے۔ بہت موٹی سی علامت ہے۔

رَب ہونے کا جو عقیدہ ہے۔ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو یہ سبق اپنی رَبوبیت کا دیا کہ رَب میں ہوں ۔میرے علاوہ کوئی دوسرا رَب نہیں ہے۔ دجال اگر رَب ہونے کا دعویٰ کرے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کے مدمقابل آئے گا۔رَب میں ہوں کوئی دوسرا نہیں ہے ۔یہ بات اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے پڑھائی ہے۔ پتہ ہے آپ کو قرآن کریم میں موجود ہے کہ آدمؑ کے پیدا کرنے کے بعد آدم کی جتنی اولاد پیدا کرنی تھی ان سب کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت موجود کیا تھا۔سب کی روحیں

موجود ہوئی تھیں۔آپ بھی وہاں موجود تھے۔میں بھی موجود تھا لیکن ہمیں یاد نہیں۔البتہ ہمیں یاد دِلانے والوں نے یاد دِلایا اور ہمیں یقین ہوگیا کہ ہم وہاں موجود تھے۔

- تم کہاں پیدا ہوئے تھے......
- کس وقت پیدا ہوئے تھے......
- کس چارپائی پر پیدا ہوئے تھے......
- کس کمرے میں پیدا ہوئے تھے......

تمہیں نہیں پتہ لیکن تمہارے بڑوں نے بتایا کہ تم اس کمرے میں پیدا ہوئے تھے۔اس چارپائی پر پیدا ہوئے تھے۔فلاں وقت میں پیدا ہوئے تھے۔فلاں دن پیدا ہوئے تھے۔تو ہمیں یقین آ گیا کہ واقعی ٹھیک ہے۔جس سے معلوم ہوگیا کہ مخبر صادق اگر اطلاع دے دے تو اس پر ایسے ہی یقین ہوتا ہے۔جیسے انسان نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

جیسے یہ چیزیں ہمیں یاد نہیں لیکن بڑوں کے کہنے سے ہمیں یقین ہے کہ ہم فلاں دن، تاریخ اور وقت میں پیدا ہوئے۔اور کس شہر میں پیدا ہوئے تھے۔آپ لوگوں کو یقین ہے یا نہیں۔حالانکہ اپنے طور پر تو تمہیں کسی چیز کا پتہ نہیں ہے۔اپنے بڑوں کے بتانے کی وجہ سے آپ نے یقین کرلیا۔اسی طرح ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول نے یہ اطلاع دی کہ تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔اب ہمیں اپنے طور پر یاد ہے یا نہیں ہے۔لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کے کہنے کے بعد ہمیں اُس کا ایسے ہی یقین ہے کہ جس طرح آج ہم اپنے مجمع میں بیٹھے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اکٹھے ہوکر یہ تقریر سنی ہے۔ہم نے اکٹھے ہوکر یہ بات سنی ہے اور اتنا ہی یقین ہمیں اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو جمع کرکے اُن کے ساتھ ایک گفتگو کی تھی۔قرآن میں اس کا ذکر ہے۔حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

انسان سے پہلا سوال:

سب کو اکٹھا کرنے کے بعد آدمؑ کے سامنے موجود کیا۔موجود کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہی سوال سب سے پہلے رکھا تھا...... **الست بر بکم**...... کیا میں تمہارا رَب نہیں ہوں...... پہلی بات جو اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے کان میں ڈالی وہ یہی ہے تو آپ سب نے جواب دیا تھا...... **بلٰی**...... یقیناً تو ہمارا رَب ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رَبوبیت کا اقرار آپ سے سب سے پہلے کروایا۔

اور جو کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنے آخری پیغمبر پر اتاری ۔اس کی پہلی سورۃ کون سی ہے؟۔سورۂ فاتحہ...... وہاں پر اللہ تعالیٰ نے جو اپنا سب سے پہلا تعارف کرایا ہے تو تعارف میں لفظ کون سا استعمال کیا **الحمدللہ رَب العٰلمین**......تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنا تعارف اسی لفظ کے ساتھ کروایا......شکر ہے اس اللہ کا جو رَب العالمین ہے...... سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو رَب العالمین ہے۔

اور اس کتاب کو ختم بھی اپنی رَبوبیت کے تذکرے پر کیا ہے کیونکہ قرآن کریم کی سب سے آخری سورۃ کونسی ہے؟...... **سورۂ ناس**...... یہ کہاں سے شروع ہوتی ہے؟...... **قل اعوذ برَب الناس**......تو اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رَب ہونے کا تذکرہ کیا۔شروع میں رَب ہونے کا ذکر کیا...... آخر میں بھی رَب ہونے کا ذکر کیا۔

اور کتاب کے درمیان میں شدت کے ساتھ جو مطالبہ کیا ہے وہ یہ ہے......

الذین قالوا رَبنا اللہ ثم استقاموا...... وہ لوگ جو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا رَب اللہ ہے پھر اسی پر ڈٹ جاتے ہیں۔انہیں لوگوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کے فرشتے بشارتیں لے کر اترتے ہیں۔استقامت کا معنی ہے جم جانا، ڈٹ جانا، کہ ہمارا رَب اللہ ہے۔

ایک لگتی لگتی بات ساتھ اور بھی کہہ دوں۔آپ نے پڑھا سنا۔آپ کے عقیدے میں ہے کہ مرنے کے بعد جہاں سے آپ کا اُمتحان شروع ہونا ہے قبر میں اس میں پہلا

سوال کون سا ہے؟۔ یاد ہے نا پرچے کے تین ہی سوال ہیں ۔ان میں سے پہلا سوال کون سا ہے؟...... **من ربك**...... تیرا رَب کون ہے؟ پہلا سوال یہی ہے۔اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ اللہ کے رَب ہونے کا عقیدہ کتنا شدت کے ساتھ۔

- کتنا وضاحت کے ساتھ......
- کتنا اہمیت کے ساتھ......
- آپ کو بتایا سکھایا گیا کہ رَب ہمارا اللہ ہے......

دعویٰ رَبوبیت دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا:

اور دنیا کا جو سب سے بڑا فتنہ آنا ہے اس کی ابتداء یہیں سے ہے کہ وہ (دجال) کہے گا کہ رَب میں ہوں ۔روٹی تمہاری میری قبضے میں ہے۔جس کا چاہوں اقتصادی بائیکاٹ کرکے بھوکا ماردوں ۔اور جس کو چاہوں ڈالروں کی بارش کرکے اسے خوشحال کردوں۔رزق تو میرے ہاتھ میں ہے۔تمہید شروع ہوگئی ہے فتنۂ دجال کی ۔ یہ بڑھتے بڑھتے اس حدتک پہنچ جائے گی کہ اقتصادیات پر قبضہ پانے کے بعد وہ دعویٰ یہی کریں گے کہ اَب ہر آدمی کی روٹی ہمارے قبضے میں ہے ۔جس کو ہم دیں گے ملے گی ۔جس کو ہم چاہیں بھوکا ماردیں۔

تفصیلی الفاظ کے ساتھ تو یہ نعرہ شروع ہوگیا ہے لیکن اجمالی لفظ کے ساتھ کہ کوئی کہے رَب ہم ہیں اس میں ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے ۔ اس کیلئے ابھی تھوڑا سا مزید وقت درکار ہے۔ وہ آرہے ہیں جلدی سے اس عنوان کی طرف ۔ جب وہ سمجھیں گے کہ اَب اس دنیا کے مالک ہم ہیں۔ اور جو ان کا قائد ہوگا جس کے ہاتھ میں قیادت ہوگی وہ بڑا دجال ہے۔ اسی کے ساتھ ہی آپ کا مقابلہ ہوگا۔

علامات دجال:

مسلک کا یہودی ہوگا ۔ دنیا کے سارے یہودی اس کے ساتھ ہوں گے۔ اور دنیا کی اقتصادیات پر قابض ہوگا اور زعم اس کا یہ ہوگا کہ میں جو چاہوں کروں ۔ مجھے کوئی

روکنے والا نہیں۔

- لوگوں کی دولت......
- ان کی عزت......
- لوگوں کی آبرو......
- لوگوں کا رزق......

سب میرے قبضے میں ہے جس کو چاہوں دوں ۔جس کو چاہوں نہ دوں ۔ یہ ہے فتنہ جس کی نشاندہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور اُس کی تمہید شروع ہے۔ حالات اُس کے لئے بنتے چلے جارہے ہیں۔ یہ رَبوبیت کے مدعی ہوتے چلے جارہے ہیں۔انہوں نے بالآخر وہ شدت اختیار کرنی ہے۔جس کا تذکرہ احادیث میں ہے۔

مدعیانِ رَبوبیت کا علاج:

اور پھر اللہ تعالیٰ اُس کا علاج کرے گا اور آپ کے سامنے آئے گا کہ ان کو کس طرح ذلیل کریں گے ۔تفصیل کا موقع نہیں۔صرف تمہید میں نے باندھی ہے کہ یہ وہ فتنہ ہے جس کی بنیاد ہوگی دعویٰ رَبوبیت پر۔ اور رَبوبیت کا عقیدہ اللہ نے بہت واضح کرکے بتایا ہے کہ رَب صرف اللہ ہے ضروریات کو پورا کرنا۔رزق دینا یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔اور فتنۂ دجال اسی عقیدے پر اثر انداز ہوگا ۔اور پھر ٹکراؤ ہوگا۔تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں اس فتنے کے سمجھنے، اس کا جواب دینے اور اس کا رد کرنے کے لئے بہت کچھ واضح فرمایا۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آپ کے سامنے آہستہ آہستہ آتی چلی جائے گی۔آج صرف اجمالاً اتنے تعارف پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔اور ایمانی قوت نصیب فرمائے کہ اس روٹی کے چکر میں آکر ہم ان کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوں بلکہ ہم اس عقیدے کو مضبوط کرکے تھامیں کہ ہم کسی کو رَب ماننے کے لئے تیار نہیں۔ رَب ہے تو صرف ایک اللہ ہی ہے ۔یہ ہے بنیاد جس پر موجودہ حالات میں ہم بہت کچھ غور کرسکتے

ہیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رَب العالمین۔

لفظ خدا استعمال کرنے کا شرعی حکم:

سوال: عرض یہ ہے کہ لفظ خدا نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔عربی زبان میں تو لفظ خدانہیں ہے اسکی وضاحت فرمائیں اور یہ بھی فرمائیں کہ دجال کس ملک میں آئے گا؟

جواب: دجال کے حالات تو آئندہ بیان میں آپ کو بتائیں گے کہ وہ کہاں آئے گا کس ملک میں آئے گا۔باقی اس کی تہذیب کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔اور ساری دنیا کے اوپر پڑیں گے۔حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کو روندڈالے گا۔چالیس دن ایسے آئیں گے جو بہت ہی زیادہ فتنے کے ہوں گے اور اُس وقت اُس کا غلبہ پوری دنیا پر نمایاں ہوگا۔(مشکوٰۃ ۱/۴۷۳) باقی رہا لفظ خدا کے بارے میں سوال ۔ یہ مسئلہ چند سالوں سے اُٹھا ہوا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ خدا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ آج کل نئی نئی باتیں نکالنے کی ایک عادت سی پڑ گئی ہے۔جس وقت تک نئی بات نہ نکالیں اُس وقت تک کسی کے محقق ہونے کی شہرت نہیں ہوتی۔منکرینِ حدیث قسم کے لوگ نئی نئی باتیں نکال کرخوش ہوتے رہتے ہیں۔

لفظ خدا کا استعمال:

خدا کا لفظ ہمارے اکابر کی کتابوں میں،تفسیروں میں ہر جگہ استعمال ہوتا ہے اور تقریباً تمام لوگوں کی زبان پر ہے۔اللہ کیلئے لفظ اللہ بھی استعمال ہوتا ہے اور ہر زبان میں اُس کے لئے کچھ وہ الفاظ بھی ہیں جو زبان کی خصوصیت کی وجہ سے استعمال کئے جاتے ہیں۔تھوڑی بہت انگریزی تو آپ لوگوں نے پڑھی ہی ہے اگر کوئی انگریزی بولتا ہو اور وہ اللہ کا تذکرہ کرنا چاہے تو انگریزی میں اللہ کو کیا کہتے ہیں (God) یہ قرآن کی کس سورۃ میں آیا ہے۔؟اس پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ یہ لفظ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ بلکہ اس لفظ (God) کی ایک خصوصیت اور بھی ہے۔کہ منطقی اُصول

کے مطابق ہر چیز کو اُس کا عکس لازم ہے ۔ اور عکس مستوی لفظوں کو آگے پیچھے کر دینا ہے۔ God کا عکس نکالو تو ڈاگ نکلتا ہے ۔ Dog ڈاگ کا معنی ہے کتا۔ جیسے روس کا عکس نکالو تو سور نکلے گا۔تو بگڑا ہوا روس سور ہے۔ یہ تو صرف لطیفے کے طور پر کہہ رہا ہوں ۔ یہ کوئی علمی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر کوئی انگریز اللہ کا ذکر کرنا چاہے لفظ God کے ساتھ تو کیا آپ اُس کو روک دیں گے۔ کہ یہ لفظ نہ بولو کیونکہ نہ قرآن میں آیا ہے نہ حدیث میں۔ قرآن کریم کے جتنے بھی ترجمے ہیں وہ آپ اُٹھا کر دیکھیں تو اُن میں لفظ اللہ کا ہم معنی ہے **بخشن ھار**...... بخشنے والا...... اَب اگر کوئی شخص فارسی زبان میں اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے پروردگار کا لفظ استعمال کرے کہ میرے پروردگار نے یہ فرمایا تو آپ کیا کہیں گے کہ اللہ کو پروردگار نہ کہو کیونکہ یہ قرآن و حدیث میں نہیں آیا۔تو اسی طرح دوسری زبانیں ہیں اُن میں اگر کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے تو جائز ہے۔ بیان القرآن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیں ۔اس میں کثرت کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔لیکن اس لفظ کے ساتھ اللہ کا ذکر نہیں ہوتا۔جب اللہ کے ذکر سے ثواب لینا ہو تو پھر یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے اور وہی لفظ استعمال کریں گے جو قرآن و حدیث میں آیا ہوا ہے۔

خدا کا معنی:

مجھے یاد ہے یہ خدا اصل میں مالک کے معنی میں ہوتا ہے یہ سوال کسی نے مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کیا تھا۔جن کے جوابات جنگ اخبار میں آیا کرتے تھے اور وہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ماہنامہ ''بینات'' میں ایک پورا مضمون اُن کا اس بات پر شائع ہوا تھا۔ یہ سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔ اس لفظ کا استعمال جائز ہے یا جائز نہیں ؟۔ آپ کا مؤقف بھی یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ جب آپ اللہ کا ذکر کرنا چاہیں ثواب کے لئے تو لفظ وہی استعمال کریں گے جو قرآن میں ہے۔ پروردگار، خدا وغیرہ

الفاظ کا وظیفہ نہیں ہے لیکن اگر صرف اللہ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تو ان الفاظ سے جائز ہے۔اس سے کون منع کرتا ہے۔ ناخدا کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

کیا بچائے گا تو اے ناخدا مجھے غرق ہونے سے
جنہوں نے ڈوبنا ہے ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ناخدا اصل کے اعتبار سے یہ لفظ ''ناؤ خدا'' ہے...... کشتی کا مالک...... جیسے رَب کا لفظ اضافت کے ساتھ غیر اللہ پر بولا جاسکتا ہے۔ **رَب الدار، رَب المال**، اور یہ لفظ آپ کی فقہ کی کتابوں میں آتے رہتے ہیں۔ بلا اضافت نہیں اضافت کے ساتھ اس کو غیر اللہ پر بول سکتے ہیں۔ کیونکہ رَب کے معنی ہیں **مالك** ۔اسی طرح **خدا** ۔مالک کے معنی میں استعمال ہو تو اس لفظ کا استعمال جائز ہے...... اور یہ بالکل نیا شوشہ چند سالوں سے لوگوں نے چھوڑا ہے کہ یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن وحدیث میں آیا ہوا نہیں ہے۔ میں نے آپ کے سامنے وضاحت کردی کہ اگر یہ دلیل ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو پروردگار بھی نہیں کہنا چاہیئے۔ یہ جو **لا الہ الا اللہ** پڑھتے ہیں تو اُس کا انگریزی ترجمہ یوں ہوتا ہے۔

There is no God; but Allah alone

کوئی خدا نہیں ہے، صرف اللہ ہی ہے ۔یہ انگریزی میں کلمے کا ترجمہ ہے تو وہاں پر God ہی پڑھیں گے۔ ہاں جب ذکر کریں گے تو اس لفظ کا نہیں ہوگا۔ذکر اُسی لفظ کا کریں گے جو لفظ قرآن و حدیث میں اللہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ جوقرآن میں ہے **قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایاً ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ**...... اللہ کا نام کوئی ایک نہیں ہے بہت سے نام ہیں اللہ کے۔ ہر زبان میں اللہ کا تذکرہ جس لفظ کے ساتھ کیا جائے ٹھیک ہے لیکن عبادت کے طور پر ذکر ٹھیک نہیں ہے۔ بس اس فرق کو آپ یاد رکھیئے۔ **خدا** مالک کے معنی میں ہے اور غیر عربی لفظ ہے۔ لیکن اس کا استعمال بڑے بڑے اکابر نے کیا۔ ہندوستان میں اُردو زبان میں عام

طور پر معمول ہے۔خداوند کا لفظ فارسی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔باقی دجال کا تذکرہ تو ان شاء اللہ آپ کے سامنے کریں گے۔

سوال: کانا دجال کیا آپ ﷺ کے زمانے میں تھا اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے؟ کیا کانا دجال اَب بھی موجود ہے اگر ہے تو کہاں ہے وضاحت فرمائیں؟

جواب: یہ بھی اسی کا حصہ ہے۔ایک روایت آتی ہے اس کا ذکر کریں گے تفصیل کے ساتھ۔بعض کہتے ہیں کہ ہماری ملاقات اس سے ہوئی۔وہ روایت چونکہ خبر واحد ہے، قطعیت کا فائدہ نہیں دیتی۔عقیدہ اس کے متعلق نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہو تو عقلاً بعید نہیں ہے ممکن ہے۔اس کی ایک مثال دے دوں۔۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے زندہ ہیں یا نہیں؟ آسمان پر ہیں۔اس دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔اللہ نے ان کو اُٹھا کر محفوظ کرلیا آسمان پر۔اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ دجال کا اصل مقابلہ عیسیٰ علیہ السلام نے کرنا ہے۔تو اگر مسیحِ ھدایت جو مجسمہ ہدایت ہے۔اگر اللہ نے اُس کو زمین پر پیدا کر کے کچھ وقت گزار کے زمین سے اُٹھایا اور آسمان پر محفوظ کرلیا جو ہمارا عقیدہ ہے۔تو اگر مسیحِ ضلالت کو اُسی طرح پیدا کر کے کسی جگہ جکڑ کے ڈال دیا ہو کسی جنگل میں اور وقت پر اُس کو ظاہر کر دیں تو اس میں عقلاً کیا بعید بات ہے۔؟

سبحان اللھم وبحمدك اشھد ان لا الہ الا
انت استغفرك و اتوب الیك۔
رَبنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔
اللھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا
من خزی الدنیا وعذاب الآخرة۔

❀❀❀

فتنۂ دجال اورسورۂ کہف (دوم)

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت: بعدنمازعشاء

تاریخ: ذوالحجہ۱۴۲۴ھ

خطبہ

بیان نمبر(2)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ و
نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ
فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن!

اَمَّابَعْد!

فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
مَنْ قَرَاءَ ثلث آیات من اول الکھف عُصِمَ مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ ○

(مشکوٰۃ ص)

سب حضرات آہستہ آہستہ درود شریف پڑھ لیا کریں بلند آواز کی ضرورت نہیں ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔
اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے سامنے اس بات کا تذکرہ شروع ہوا تھا کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا سورۂ کہف کا پڑھنا فتنۂ دجال سے بچاؤ کا ذریعہ ہے رحمۃ اللہ علیہا جو سورۂ کہف پڑھتا رہے وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔ یہ مضمون آپ کے سامنے شروع کیا تھا اور کچھ دجال کے فتنے کی تفصیل بتائی تھی۔ دجال کا تعارف کروایا تھا۔ اور وہ کیسے کیسے کرشمے دکھائے گا اُس کا کچھ تذکرہ آپ کے سامنے ہوا تھا۔

دجالی فتنے کی ابتدا ہوچکی ہے:

دجال کے متعلق باب بہت لمبا ہے۔ دجالی فتنے کی ابتدا ہوچکی ہے اور اُس کے آثار بہت تیزی سے نمایاں ہوتے جارہے ہیں۔ اور اس فتنے کی انتہا اُس بڑے دجال پر ہوگی جو یہودی ہوگا۔ یہودیوں کی قیادت کرے گا۔ بہرحال وہ فتنہ تو چند روز ہوگا لیکن یہ دجالی تہذیب اپنے ابتداء سے لے کر آخر تک بہت سارے زمانے پر حاوی ہے۔

اُس زمانے کے حالات کو ذکر کرتے ہوئے کچھ باتیں آپ کے سامنے آگئی تھیں اور کوئی دو چار باتیں آج ذکر کرتا ہوں۔ باقی تفصیل ان شاء اللہ پھر ہوتی رہے گی۔

دجال کے بارے میں حضور ﷺ کی نصیحت:

مشکٰوۃ شریف میں ذکرِ دجال والے باب میں ایک روایت ہے۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص دجال کے متعلق یہ سنے کہ دجال آ گیا تو اُس سے بھاگنے کی کوشش کرے۔ دور رہے اس کے قریب نہ آئے۔ (مشکوۃ ۱/۴۷۷) یہ آپ ﷺ کی طرف سے ایک نصیحت ہے۔ عام طور پر انسان کی عادت یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آجائے تو لوگ اُس کی طرف دوڑ دوڑ کر آتے ہیں اُس کو دیکھنے کے لئے، معلومات حاصل کرنے کے لئے۔ کیونکہ کوئی چیز عجیب آجاتی ہے تو سارے اکٹھے ہوجاتے ہیں اپنے اپنے خیال کے

مطابق اُس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

- اپنے اپنے خیال کے مطابق اُس پر تبصرے کرتے ہیں……
- اپنے اپنے خیال کے مطابق اُس پر تبادلۂ خیال کرتے ہیں……

یہ ایک عام طور پر عادت ہے۔ یہ دیکھا ہوگا آپ نے کہ ہمارے آس پاس کوئی کار ہی آ کر کھڑی ہو جائے تو محلے کے سارے بچے اُس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔ کوئی رکشہ آ جائے تو چھوٹے بچے سارے دوڑ دوڑ کے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی مثلاً کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تو سارے لوگ بھاگے ہوئے آتے ہیں۔ کسی کے متعلق خبر سن لیں کہ فلاں چیز آ گئی ہے تو سارے بھاگے جاتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب کوئی نئی چیز سامنے آتی ہے تو اُس کے متعلق معلومات لینے کے لئے لوگ اُس کی طرف جاتے ہیں۔

طالب علموں کا قصہ:

تاریخ میں اس قسم کے بہت سے عجیب و غریب واقعات بھی آتے ہیں۔

آپ لوگوں کو ایک لطیفہ سنا دوں۔ طالب علموں کے لئے ذرا ذہن میں رکھنے والی بات ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دور میں ایک روز مدینے میں ہاتھی آ گیا ۔ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتے ۔ جب ہاتھی آیا تو لوگ سب کے سب اُس کو دیکھنے کے لئے بھاگے حتیٰ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شاگردوں میں سے اکثر شاگرد بھی ہاتھی دیکھنے چلے گئے ۔ ایک شاگرد بیٹھا رہا وہ ہاتھی دیکھنے نہ گیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پتہ چلا تو اُنہوں نے اُس سے پوچھا کہ سب ہاتھی دیکھنے چلے گئے تو کیوں نہیں گیا؟ وہ کہنے لگا کہ حضرت! میں تو آپ کے پاس علم سیکھنے آیا ہوں ، مدینہ میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہوئے دل سے دعا نکلی۔ آج امام مالک کا مؤطا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ اُسی شاگرد کی روایت سے ہے۔ یہ امام کی صحبت میں بیٹھا رہا ہاتھی دیکھنے نہیں گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو خدمتِ حدیث کے لئے قبول فرمالیا۔

اَب اگر آپ یہ سن لیں کہ دجال آ گیا گدھے پر سوار ہو کے تو آپ میں سے کون ہمت والا ہے کہ بیٹھا رہے۔ سارے بھاگیں گے اُس کانے کو دیکھنے کے لئے کہ اُس کا گدھا دیکھیں کہ کیسے گدھے کے اوپر سوار ہو کر آیا ہے۔؟ اسی فطرت کے تحت۔

لیکن سرورِ کائنات ﷺ کی نصیحت یہ ہے کہ اگر دجال کا ذکر سن لو تو اُس سے دُور بھاگنا۔ اُس کے قریب نہ جانا۔ کیوں؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہو گا کہ میں مومن ہوں۔

- میرا عقیدہ بہت پختہ ہے......
- میرا عقیدہ بہت ٹھوس ہے......
- میرا عقیدہ بڑا پکا ہے......

لیکن جب وہ دجال کی صحبت میں چلا جائے گا تو دجال کو اللہ تعالیٰ نے ایسے شبہات دیئے ہوئے ہوں گے جس کو وہ شخص اپنے عقل وفہم کے ساتھ سمجھ نہ سکے گا اور اپنا ایمان کھو بیٹھے گا۔ وہ اس قسم کی مشتبہ چیزیں سامنے لائے گا کہ ان مشتبہ چیزوں کو حل کرنے کی اُس میں استعداد نہیں ہو گی۔ علم وفہم کے ساتھ اُس کو سمجھ نہیں سکے گا۔ جب سمجھ نہیں سکے گا تو ایمان خراب کر بیٹھے گا۔ اس لئے اس کے قریب نہ جانا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۷۷ ج اوقال رواہ ابوداؤد)

طالب علموں کے لئے غیر مسلک کا لٹریچر پڑھنا:

اس اصول کے پیشِ نظر ہم یہ بات ہمیشہ طالب علموں کے ذہن میں ڈالا کرتے ہیں۔ آپ بھی سمجھ لیں۔ جس وقت تک انسان اپنے عقیدے کو، اپنے مسلک کو، اپنے اکابر کے طور طریقے کو، اچھی طرح سمجھ نہ لے اور اچھی طرح اس میں رسوخ پیدا نہ کر لے تو اُس وقت تک:

- غیر مسلک کے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا......

❁ غیر مسلک کے لوگوں کی کتابوں کا پڑھنا......
❁ غیر مسلک کے لوگوں کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا......

انسان کے لئے انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ بعض بعض طالب علموں کو شوق ہوا کرتا ہے کہ ابھی نہ تو اُنہوں نے قرآن کا صحیح ترجمہ پڑھا ہوتا ہے۔ نہ اُنہوں نے صحیح طریقے سے حدیث شریف کو سمجھا ہوتا ہے۔ نہ فقہ کے مسائل کو پوری طرح جانتے ہیں۔ نہ اپنے عقائد کا پتہ ہے۔ اُٹھ کر:

❁ مطالعہ شروع کر دیتے ہیں مرزائیوں کی کتابوں کا......
❁ مطالعہ شروع کر دیتے ہیں شیعوں کی کتابوں کا......
❁ مطالعہ شروع کر دیتے ہیں پرویزیوں کی کتابوں کا......

جب اُن سے کہا جائے کہ بھائی تم یہ کتابیں نہ دیکھو۔ کہتے ہیں کہ نہیں انسان کو تحقیق کر کے عقیدہ اختیار کرنا چاہئے۔ ہم تحقیق کے نظریے کے تحت مخالف کتابیں پڑھتے ہیں۔ تو ایسے کئی طالب علموں کو ہم نے بگڑتے ہوئے دیکھا۔ اور اُن کے عقیدے کو خراب ہوتے دیکھا۔ کیونکہ اُن کے پاس اتنی علمی استعداد ہوتی نہیں کہ وہ فرق کر لیں کہ اُن میں حق بات کون سی ہے۔ باطل بات کون سی ہے۔

❁ مودودی کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں......
❁ علامہ مشرقی کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں......
❁ پرویز کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں......

اور اسی طرح دوسری چیزیں پڑھنی شروع کر دیں۔ تو پتہ نہیں چلتا کم علمی کی وجہ سے کہ اُن میں سے صحیح بات کون سی ہے اور غلط بات کون سی ہے۔ تو بسا اوقات خوش نما اور پرکشش عبارات کے چکر میں، کیونکہ اُن لوگوں کے قلم میں کشش بہت ہے، بڑے ادیبانہ لکھتے ہیں، الفاظ اُن کے اچھے اچھے ہیں، عبارت اُن کی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ اس لئے انسان ان کو پڑھ کر ایک باطل بات کو حق سمجھ بیٹھتا ہے، اور حق بات کو

باطل سمجھ بیٹھتا ہے، اور پتہ چلتا نہیں بالآخر عقیدہ خراب کر بیٹھتا ہے۔ اس لئے ہم کہا کرتے ہیں کہ ہر طالب علم کا کام نہیں ہے کہ مخالف مسلک کی کتابوں کو پڑھ کر اُن میں باطل بات کی نشاندہی کرلے اور یہ سمجھ لے کہ یہ بات غلط ہے۔ یہ بات صحیح ہے۔ غلط بات کی تردید کی جائے ۔صحیح کو قبول کیا جائے۔ یہ ہر طالب علم کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے غلط لٹریچر (Litrature) کبھی نہ پڑھو۔ اور کسی اہل باطل کی کتاب کبھی نہ پڑھو۔ ورنہ اسی لاعلمی میں انسان اپنا عقیدہ خراب کر بیٹھتا ہے۔ باطل کو پہچان لینا یہ ہر کسی کا کام نہیں ہوتا۔

فتنۂ دجال کے وقت افضل الشہداء:

چنانچہ سرور کائنات ﷺ کی اس تاکید کے باوجود کہ دجال کے قریب نہیں جانا اُس سے دُور ہٹنا ہے۔ آپ ﷺ نے اُس شخص کو افضل الشہداء......(مشکوٰۃ ص۴۷۷ ج۲ ولفظہٗ خیر الناس) بہترین شہید قرار دیا جو مدینہ منورہ سے نکلے گا۔ جب دجال مدینہ کے قریب آ کر ٹھہرا ہوا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص مدینے سے نکلے گا۔ نکل کر اُدھر جائے گا جدھر دجال ٹھہرا ہوا ہے۔ جب وہ جائے گا تو دجال کے سرحدی لوگ یا جو پہرہ دے رہے ہوں گے اُس کو پکڑ لیں گے۔ پکڑ کر اُس سے پوچھیں گے کہاں جا رہے ہو؟ وہ شخص بڑی لاپرواہی کے ساتھ جواب دے گا۔ **الٰی ھذا الذی خرج......**

یہ جو نکلا پھر رہا ہے اس کے پاس جا رہا ہوں۔ بہت تحقیرانہ لہجے کے ساتھ جواب دے گا کہ میں اُس کے پاس جا رہا ہوں یہ جو نکلا پھر رہا ہے۔ وہ اُس کو پکڑ کر کہیں گے کہ کیا تو ہمارے رَب پر ایمان نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ دجال کو رَب کہیں گے اور اُس کا دعویٰ بھی ہوگا کہ میں رَب ہوں۔ اسی لئے سرور کائنات ﷺ کے وہ اقوال میں نے آپ کو سنائے تھے کہ اور کوئی بات یاد رہے نہ رہے اس بات کو یاد ضرور رکھنا کہ

ان رَبکم لیس باعور (الحدیث) (بخاری ص۱۰۵۶ ج۲، مسلم ص ۴۰۱ ج۲)

تمہارا رَب کانا نہیں ہے۔اس بارے میں بہت تفصیل آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو بتائی ہے چونکہ فتنہ اس اُمت کو پیش آنے والا تھا۔ساری باتیں بتانے کے بعد یہ بات تاکید کے ساتھ بتائی تھی کہ کچھ اور یاد رہے نہ رہے یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ تمہارا رَب کانا نہیں ہے۔

اور وہ رَبوبیت کا دعویٰ کرنے والا کہ رَب میں ہوں مخلوق کی روٹی میرے قبضے میں ہے جس کو چاہوں گا دوں گا جس کو چاہوں گا نہیں دوں گا،کانا ہوگا۔بس تم اور دلیلوں کو چھوڑو یہ بات یاد رکھنا کہ کانا رَب نہیں ہوسکتا۔صرف یہ موٹی سی بات یاد رکھنا۔

دجال کا اپنے مدمقابل سے سلوک:

چنانچہ دجال کے چیلے اُس مدنی سے پوچھیں گے کیا تو ہمارے رَب پر ایمان نہیں لاتا؟وہ کہے گا نہیں ۔میں اپنے رَب کو پہچانتا ہوں۔وہ پکڑ کر اُس کی پٹائی کرنے لگیں گے تو اُن میں سے بعض کہیں گے اسے پیٹو نہیں ۔تمہارے رَب نے منع کیا ہوا ہے کہ اُس کے بغیر کوئی کسی کو سزا نہ دے۔اَب اُس کو پکڑ کر دجال کے پاس لایا جائے گا۔جب وہ اُس کے سامنے جاکر اُس کا حلیہ دیکھے گا،حالانکہ وہ پکڑا ہوا گرفتار ہوگا تب بھی دیکھتے ہی کہے گا یہی دجال ہے۔اسی کے متعلق میرے حضور ﷺ نے آگاہ فرمایا تھا۔وہ پکڑا ہوا بھی نعرے لگانے لگ جائے گا۔

جب وہ یہ بات کہے گا تو دجال اپنے ماتحتوں کو حکم دے گا کہ اس کی مرمت کرو ۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ اُس کو مار مار کے چپٹا کردیں گے۔پھر دجال اُس سے پوچھے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لاتا؟وہ کہے گا ......نہیں۔تُو تو دجال ہے ۔سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر دجال آری منگوائے گا اور اُس کو کھڑا کرکے سر پر آری رکھ کر چیر کے دوٹکڑے کردے گا اور پھر وہ اُن دونوں ٹکڑوں کے درمیان فخر کے ساتھ ٹہلے گا کہ میں نے اپنے مخالف کے دوٹکڑے کردیئے......اُس کے بعد پھر اُس کو کہے گا اُٹھ، کھڑا ہوجا۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ زندہ ہوکر کھڑا ہوجائے گا۔اَب ایسے

موقع پر ایمان کو سنبھالنا معمولی آدمی کا کام نہیں ۔ پھر اُس سے پوچھے گا کہ اَب مانتا ہے کہ نہیں، میں تیرا رَب ہوں ؟ وہ کہے گا کہ اَب پہلے سے بھی زیادہ یقین آ گیا ہے کہ تو دجال ہے کیونکہ حضور ﷺ نے تیرے حالات ایسے ہی بتائے ہیں۔ پہلے سے بھی زیادہ یقین آ گیا ہے سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں یہ اُس کا آخری تصرف ہوگا جو وہ کر سکے گا۔ اس کے بعد اُس کی طاقتیں سلب ہو جائیں گی۔ پھر وہ پکڑے گا اور اُس کو ذبح کرنا چاہے گا تو ذبح پر قادر نہ ہوگا ۔اللہ تعالیٰ اُس کے سارے تصرفات ختم کر دے گا۔ (مشکوٰۃ ۱/۴۷۵) پھر اُس کی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گی اور ایک عام انسان ہونے کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وہ مد مقابل ہوگا۔ شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوگا اور آخر میں مارا جائے گا۔

میں بتانا یہ چاہتا تھا کہ آپ اندازہ کریں اتنی سختی کو سہہ لینا اور اتنے دھوکے بازی کے کرتب دیکھنے کے باوجود اپنے مسلک پر پکے رہ جانا۔ یہ ہر کسی کا کام نہیں ہوتا۔

اس لئے فرمایا کہ اپنے آپ کو فتنے میں نہ ڈالنا۔ کہیں اُس کے پاس شوق سے چلے جاؤ کہ ہمارا عقیدہ ٹھیک ہے۔ اُس کے پاس اتنے شبہات ہوں گے...... اتنے شبہات ہوں گے کہ جس کے بعد انسان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے اُس سے دُور رہنا۔

واقعہ دجال کی روشنی میں حکیم العصر کی نصیحت :

اس واقعہ کی روشنی میں آپ کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جس وقت تک آپ اپنے مسلک کو خوب اچھی طرح سمجھ نہ لیں۔ **علی وجه البصیرۃ** اپنے عقیدوں کو نہ سمجھ لیں۔ حق کا معیار نہ دیکھ لیں ۔قرآن وحدیث کا صحیح مفہوم نہ سمجھ جائیں۔ اُس وقت تک کبھی بھی اہل باطل کی کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔ یہ بھی ایک قسم کا **دجل** ہوتا ہے، **فریب** ہوتا ہے۔ اور وہ بڑے پرکشش الفاظ میں اپنے نظریات کی تلقین کرتے ہیں۔ **دجال**...... **دجل** سے ہے...... دجل کا معنی ہی یہی ہے حق اور باطل کو خلط کر دینا

......دجال اُس کی صفت ہے ۔ورنہ روایات میں اُس کا نام صافن آتا ہے۔ اور معنی ہے بہت بڑا دجل وفریب والا۔ یہ نئے باطل مصنف جتنے بھی ہیں بہت دلکش عبارتوں کے انداز میں بات لکھتے ہیں اورحق و باطل یوں خلط ہوجاتا ہے کہ انسان کو امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے، تو اہل باطل کی کتابوں سے دور رہ کر ہی انسان اپنے عقیدے کی حفاظت کرسکتا ہے۔ اپنے آپ کو ابتلاء میں نہ ڈالیں کہ سختیاں سہہ کر اپنے مؤقف پر ڈٹے رہنا ہر شخص کا کام نہیں ہوا کرتا۔اس لئے اس سے دُور رہیں اور بچیں۔

ہمارے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف میں نے ابتدا میں کرایا تھا اُنہوں نے اس سورۃ کی تفسیر اسی نکتے کے تحت لکھی ہے کہ سورۃ کہف میں فتنہ دجال کا علاج کس طرح بتایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس فتنے سے حفاظت فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعٰالَمِیْن۔

❀❀❀❀

سماع الموتیٰ

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: ۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن!

اَمَّا بَعد

فَقَد قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

کُنتُ نَھَیتُکُم عَن زِیَارَۃِ القُبُورِ فَزُورُوھَا فَاِنَّھَا

تُزَھِّدُ فِی الدُنیَا وَتُذَکِّرُ الاٰخِرَۃَ ۔(مشکوٰۃ ص۱۵۴ ج۱۔ ابن ماجہ ۱/۱۱۲)

صَدَقَ رسولناُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمَنَ الشَّاھِدِیْن

وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ

وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہٖ۔

❁❁❁❁❁

تمہید!

ربیع الاول کی آمد نے ہمارے جاری مضامین کے سلسلے کو کافی حد تک موخر کردیا ہے تقریبا ڈیڑھ مہینہ ہو چکا ہے کہ وہ سلسلہ منقطع ہے۔ البتہ اللہ کریم کا شکر ہے کہ ربیع الاول کی مناسبت سے بعض ضروری باتیں چار پانچ بیانات میں آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ آج خیال تھا کہ اُسی مضمون کی طرف آیا جائے۔ حافظہ پرزور دینے کے باوجود یہ یاد نہیں آرہا کہ بات کہاں چھوڑی تھی اور کیا کہنا باقی تھا؟ اتنا یاد پڑتا ہے کہ ایصال ثواب کا مسئلہ ذکر کردیا تھا اور برزخ کے حالات زیرِ بحث تھے۔ اور اس سلسلے کی کچھ باتیں شاید رہ بھی گئی تھیں چنانچہ اپنے خیال کے مطابق آج اُن کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے بعض باتوں کا تکرار ہو جائے لیکن یہ تکرار بھی ان شاء اللہ فائدے سے خالی نہیں ہوگا ......آج باب زیارة القبور کے تحت قبروں کی زیارت کے آداب کے متعلق کچھ باتیں عرض کردیتا ہوں۔

جان کنی کے وقت کلمہ پڑھنا

جب انسان کی جان نکلنے والی ہوتی ہے تو موت آنے سے قبل اُس کے سامنے عالمِ آخرت منکشف ہوجاتا ہے ......فرشتے نظر آنے لگ جاتے ہیں......اور آخرت کی باتیں سامنے آجاتی ہیں...... جب یہ کیفیت ہوجائے تو اُس وقت کلمہ پڑھنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو مومن نہیں ہوتا اور کوئی گناہ گار توبہ کرے تو اُس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث میں صراحت آئی ہے کہ:

اِنَّ اللہ یَقبَلُ تَوبَۃَ العَبدِ مَالَم یُغَرغِر (ترمذی ص۱۹۳ ج۲، ابن ماجہ ص۳۱۴ ج۱)

آدمی کی توبہ اُس وقت تک قبول ہوتی ہے جب تک اُس پر غرغرہ کی کیفیت

طاری نہ ہو جائے جس کو سانس اُکھڑ جانا کہتے ہیں ۔ کیونکہ مرتے وقت انسان کا سانس بے ترتیب ہو کر اُکھڑ جاتا ہے ۔تو جب یہ سانس اُکھڑ جائے اور غرغرہ کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اُس وقت نہ ایمان لانا معتبر ہے، نہ کسی گناہ سے توبہ کرنا معتبر ہے کیونکہ عالم آخرت منکشف ہو جاتا ہے......فرشتے نظر آنے لگ جاتے ہیں......اُس وقت ایمان بالغیب نہیں رہتا......اس لیے توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہو جاتا ہے ۔

رُوح نکلنے کے بعد اگلوں سے ملاقات !

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح نکلنے کے بعد اپنے فوت شدہ عزیز و اقارب اور دوست واحباب کی ارواح کے ساتھ اُس کی ملاقات بھی ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اُن کو اس نئے آنے والے کی اطلاع ہوتی ہے تو وہ ارواح استقبال کے لیے اکٹھی ہو جاتی ہیں۔جس کا صاف مطلب ہے کہ برزخ (دنیا و آخرت کا درمیانہ درجہ) میں جو ارواح موجود ہیں اُن کا اس عالم دنیا کے ساتھ کچھ نہ کچھ ربط رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ منتظر ہوتے ہیں کہ:

- کون آ رہا ہے ....
- کون آ گیا ہے.......

لہذا ارواح استقبال کے لیے آتی ہیں ،حدیث شریف میں یہ مضمون موجود ہے۔

زندہ آدمی سے رُوحوں کی ملاقات !

کیا زندہ آدمی سے اس دنیا میں مرنے والے کی رُوح کی خواب یا بیداری میں ملاقات ہو سکتی ہے ؟ خواب میں تو ہوتی رہتی ہے اس کا تو کوئی انکار نہیں کر سکتا ، بیداری میں بھی ملاقات ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ یا ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ یاد رکھیے کہ ایسا عقلاً ممکن ہے کہ بیداری میں کسی مرے ہوئے عزیز یا کسی فوت شدہ بزرگ کی رُوح کے ساتھ ملاقات ہو جائے یہ کوئی ممتنع نہیں

ہے نہ ہی عقلا اور نہ ہی شرعا۔ ایسا ہو جاتا ہے۔

واقعات تو اس قسم کے بہت ہیں لیکن یہاں واقعات ذکر کرنے مقصود نہیں صرف ایک مسئلے کی حیثیت سے آپ کو عقیدے کی تلقین مقصود ہے۔

بتایئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج اس زندگی میں ہوا تھا یا وفات کے بعد؟ یہ خواب تھا یا بیداری؟۔

اسی طرح بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی ملاقات ہوئی یا نہیں۔ اَب سوائے عیسی علیہ السلام کے تمام انبیاء علیہم السلام اس دنیا سے جا چکے تھے ۔البتہ عیسی علیہ السلام جو اپنی حقیقی حیات میں تھے اور وہ آسمان سے بیت المقدس میں اُتارے گئے۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیداری میں بھی فوت شدہ بزرگوں کے ساتھ ملاقات ہوسکتی ہے۔

یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو عطاء ہوا اور جو چیز معجزے سے صادر ہوسکتی ہے وہ کرامت سے بھی صادر ہوسکتی ہے۔اب جو چیز کرامت یا معجزہ سے صادر ہو جائے وہ عقلا وشرعا ممتنع نہیں ہوتی ۔اگر ممتنع ہوتی تو وہ چیز واقع ہی نہ ہوتی کیونکہ چیز وہی واقع ہوا کرتی ہے جو ممکن ہو اور جو ممتنع ہو اُس کا وجود نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے میں نے ایک معروف واقعہ کی طرف اشارہ کر کے آپ کو بتا دیا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اِسی زندگی میں ، اِسی زمین پر اور اِسی حیات میں اُن تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جو موت کا مزہ چکھ چکے تھے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ فوت شدہ بزرگوں کی رُوحوں کے ساتھ ملاقات ہوسکتی ہے اور یہ ممکن ہے۔

اس لیے اگر کوئی بزرگ اپنے کشف کے طور پر کسی بزرگ سے ملاقات کا ذکر کرے یا واقعات میں اس قسم کی بات آئی ہو تو اُس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔خواب کے تو بے شمار واقعات آتے ہیں۔ خواب تو آپ حضرات کو بھی آسکتا ہے۔

جبکہ مرنے کے بعد ارواح سے ملاقات کی صراحت حدیث میں موجود ہے جس

کی طرف میں نے اشارہ کردیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ارواح سے ملاقات ہوتی ہے، وہ مرنے والے کی رُوح کو ملتے ہیں اوراُس سے اپنے بعض عزیز واقارب کے احوال بھی پوچھتے ہیں کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے؟ (نسائی ۲۰۲/۱) یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ مرنے کے بعد بھی اُن کی دنیا کے حالات کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ رہتی ہے۔

موت کے بعد ورثاء کا یاد کرنے کا ذکر قرآن میں

قرآن کریم کے دو مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان کو پیچھے کی طرف کچھ خیال رہتا ہے۔ایک مقام تو سورۃ یاسین میں ہے جس میں رجلِ یسعی کا ذکر ہے جس نے انبیاءؑ کی حمایت میں اپنی قوم کو سمجھایا تھا۔

وَجَاءَ مِنۡ اَقۡصَی الۡمَدِیۡنَۃِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی ......

جب وہ وفات پا گیا یا شہید ہوگیا تو اُس نے اپنی تمنا کا یوں اظہار کیا:

یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ......

اے کاش میری قوم کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے عزت والے لوگوں میں شامل کرلیا ہے تاکہ وہ بھی میرا طریقہ اپنائیں اور کفر وشرک سے باز آجائیں ۔اُس نے اپنی قوم کو یاد کیا اور تمنا کی ...... یہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

اور دوسرے مقام پر سورۃ ال عمران میں جہاں شہداء اُحد کا ذکر ہے۔فرمایا:

لَا تَحۡسَبَنَّ الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ......

اس کے آخر میں یہ لفظ بھی ہیں۔

یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم......

بشارت ہے اُن کے لیے جو ابھی لاحق نہیں ہوئے اُن کے ساتھ اور جن کو پیچھے جہاد کرتا ہوا چھوڑ آئے ہیں اُن کا خیال کرکے یہ خوش ہوتے ہیں کہ وہ بھی ایسے طریقے پر چل رہے ہیں کہ وہ بھی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت حاصل کریں گے...... اُن کے حال پر یہ شہید ہونے والے خوش ہیں...... معلوم ہوا پچھلوں کے حال پر خوش ہونا قرآن

کریم کی اس آیت میں مذکور ہے۔

یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم......

یہ اُن کے حال پر خوش ہیں کہ وہ اُسی طریقے پر چل رہے ہیں جس پر چلتے ہوئے ہم آخرت میں آ گئے اور اللہ نے ہمیں خوش حال کردیا ہے وہ ہمارے بھائی جو پیچھے ہیں جب ہمارے راستے پر چلتے ہوئے آئیں گے تو وہ بھی اللہ کا فضل حاصل کریں گے۔اس بات کا خیال کرکے وہ خوش ہوتے ہیں۔

ورثاء کو یاد کرنے کا ذکر حدیث میں

اسی طرح صحیح روایات سے بھی ثابت ہے کہ جب قبر میں انسان کو دفن کردیا جاتا ہے اور فرشتے آکر اُس سے وہ تین مشہور سوالات کرتے ہیں جو آپ پڑھتے رہتے ہیں:

من ربك......؟ ما دینك ...... ؟ وما تقول فی ھذاالرجل

......؟(ابوداؤد ص ۲۹۸ ج ۲،مشکوٰۃ ص ۲۵ ج ۱۔ بخاری ۱/۱۷۸)

یہ تین سوال ہیں اُس پرچے کے جو برزخ میں آپ کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ اور یوں سمجھیں کہ وہ پرچہ آوٹ کردیا گیاہے اور تینوں سوالوں کا آپ کو پتہ بھی چل گیا کہ کیا سوال ہونے والے ہیں؟ جن کا جواب مہیا کرنا ضروری ہے......جواب وہاں عملی زندگی کے ساتھ آئے گا یہ نہیں کہ آپ یہاں یاد کرلیں کہ.....

- **من ربك**....کا جواب ہے.....**ربی اللہ** ....
- **مادینك** کا جواب ہے.....**دینی الاسلام** ......
- **ماتقول فی ھذاالرجل** کا جواب ہے...**ھذا محمد رسول اللہ**

اتنا یاد کرلینا کافی نہیں ،وہاں ....ربی اللہ ؛....تب ہی کہہ سکو گے جب دنیا میں اللہ کو رب سمجھا ہوگا۔اور وہاں.دینی الاسلام ......تب ہی کہہ سکو گے جب اسلام کو دنیا میں اپنایا ہوگا۔اور ھذا محمد رسول اللہ ....اسی وقت کہہ سکو گے جب اُن کی رسالت پر اعتماد کرتے ہوئے اُن کے طریقے اپنائے ہوں گے،اور اگر نبی کے طریقوں

پر چلے نہیں ہوں گے ......دنیا کی زندگی میں اسلام کو اپنایا نہیں ہوگا ......اور اللہ کو رب سمجھا نہیں ہوگا.....تو پھر انسان یہ جواب نہیں دے سکے گا......جواب تب ہی دیا جا سکے گا جب اس عقیدے کے مطابق انسان نے اپنی زندگی گزاری ہوگی۔

جب اُس کو پاس قرار دے دیا جاتا ہے تو فرشتے اُس سے کہتے ہیں کہ ہمیں تو تیری شکل ہی دیکھ کر معلوم ہوگیا تھا کہ تو کامیاب ہوجائے گا۔اس پر وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو میں اپنے پچھلوں کو بتا آؤں کہ میں کامیاب ہوگیا ہوں اور میں نے امتحان پاس کرلیا ہے۔ اُن کو بتا آؤں کہ میری حالت اچھی ہے۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والوں کو پچھلوں کا کچھ نہ کچھ خیال رہتا ہے۔قرآن کریم کی آیات اور اس قسم کی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کا تعلق !

یہ بات آپ کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا سے بالکل نہیں کٹ جاتا بلکہ برزخ والوں کا اس دنیا سے اور اس دنیا والوں کا برزخ والوں سے کسی نہ کسی درجے میں رابطہ رہتا ہے۔بالکل انسان اس دنیا سے کٹ کر ایسا نہیں ہوجاتا کہ اُس کا اِدھر سے کوئی تعلق نہ رہے۔ان آیات وروایات کے علاوہ اور بھی بہت روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ایک اور روایت ہے کہ:

جب فوت ہونے والا نیا آدمی جاتا ہے تو پہلے والے بڑی خوشی مناتے ہیں جیسے کسی کا کوئی رشتہ دار ایک عرصہ بعد سفر سے لوٹا ہو تو ملاقات کرکے خوشی ہوتی ہے اسی طرح اُن کو بھی خوشی ہوتی ہے۔اور جب وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے،فلاں کا کیا حال ہے؟اور یہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے آچکا ہے تو پھر وہ سب افسردہ ہو جاتے ہیں کہ جب وہ پہلے آگیا ہے اور ہم سے ملاقات نہیں ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کھاتے میں چلا گیا۔(نسائی ۱/۲۰۳)

تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو بخشی ہوئی رُوحیں ہوتی ہیں اُن کی آپس میں ملاقات

ہوتی ہے اور جو عذابِ قبر کی گرفت میں آ گیا اُس کی رُوح اُن نیک اور اچھے لوگوں سے نہیں مل سکتی۔ اس لیے وہ بیچارے غمزدہ ہوجاتے ہیں کہ اگر وہ پہلے آ چکا ہے اور ہم سے ملاقات نہیں ہوئی تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ دوسری طرف چلا گیا۔

مُردے کا حق

بہرحال جان نکل جانے کے بعد زندہ لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے اُس مرحوم بھائی کو غسل دیں، اُسے کفن پہنائیں، اُس کی نماز جنازہ ادا کریں اور اُسے احترام کے ساتھ دفن کریں۔

بہت سی روایات ایسی آتی ہیں کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہچانتی ہے کہ مجھے کون غسل دے رہا ہے، (مسند احمد۔رقم ۱۰۵۷۴) اتنا شعور اُس کو ہوتا ہے۔ یعنی بظاہر اُس کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے لیکن رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ اتنا ضرور رہتا ہے کہ وہ اپنے غسل دینے والے کو پہچانتی ہے کہ کفن کون پہنا رہا ہے، غسل کون دے رہا ہے؟ اُس کو شناخت ہوتی ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ نے جو طریقہ غسل کا بتایا اُس کے مطابق اُسے غسل دیتے ہیں۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ کفن کا بتایا اُس کے مطابق اُسے کفن دیتے ہیں اور اُس کے بعد جو طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کا سکھایا اُس کے مطابق اُس کا جنازہ پڑھا جاتا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں کا جنازہ پڑھا۔ جنازے کے لیے اذان نہیں کہی جاتی۔ جنازہ کے لیے صرف تکبیر ہوتی ہے، میت کو سامنے رکھا جاتا ہے اور صف بندی کی جاتی ہے۔

نماز جنازہ

صف بندی کے بارے میں حدیث شریف میں تین روایتیں آتی ہیں

- ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص کا جنازہ چالیس مسلمان پڑھ لیں وہ بخش

دیا جاتا ہے اس روایت میں صفوں کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ صفیں کتنی ہونی چاہیں۔صرف چالیس آدمیوں کا ذکر ہے۔(مشکوٰۃ ص۱۴۵ ج ا مسلم ص ۳۰۸ ج ا)

- ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص کا جنازہ سو مسلمان پڑھ لیں تو اُس کی بخشش ہو جاتی ہے۔اس روایت میں بھی نمازیوں کی تعداد کا ذکر ہے کہ وہ تعداد میں سو ہوں۔صفوں کا ذکر نہیں ہے۔(مسلم ص ۳۰۸ ج ا،مشکوٰۃ ص ۱۴۵ ج ا)
- ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص کے جنازے میں مسلمانوں کی تین صفیں ہوں اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔اس روایت میں صفوں کا ذکر ہے۔تعداد کا ذکر نہیں ہے۔(ترمذی ص ۲۰۰ ج ا،ابوداؤد ص ۹۵ ج ۲ ابن ماجہ ص ۱۰۸ ج ا)

اس لیے تینوں روایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کوشش کی جاتی ہے کہ جنازہ میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں۔جس کے جنازہ میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس پر ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اُن مومنوں کی سفارش سے اُس کو بخش دیتے ہیں۔

طاق صفوں کی رعایت

البتہ تیسری روایت میں چونکہ تین صفوں کا ذکر آیا ہے اس لیے عام طور پر اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ جنازہ میں صفیں تین بنائی جائیں۔تعداد کا معاملہ نہیں ہے۔لوگ تھوڑے ہوں یا زیادہ۔لوگ اگر تھوڑے ہوں تو بھی تین صفیں بنا لی جائیں کیونکہ صفوں کی لمبائی کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ صف کتنی لمبی ہونی چاہیے۔اور جب تین صفیں مکمل ہو جائیں تو اُس کے بعد پھر صفیں گننے کی ضرورت نہیں ہے کہ گیارہ ہوگئی ہیں، پندرہ ہوگئی ہیں، انیس ہوگئی ہیں یا اکیس۔تین صفوں کے بعد جتنی زیادہ صفیں ہو جائیں اُن میں طاق کی رعایت رکھنا ضروری نہیں ہے۔

آپ جانتے ہیں ہم پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں جو فرض عین ہے۔صفوں کا

طاق ہونا اُن نمازوں میں بھی مستحب نہیں کہ ہم رعایت رکھیں کہ صفیں طاق ہوں اور تین ہوں ، پانچ ہوں یا سات ؟ تین کی رعایت اس لیے رکھی جاتی ہے کہ اُن کا روایت میں ذکر ہے کہ جس شخص کی نماز جنازہ میں تین صفیں ہوجائیں اللہ اُس کی مغفرت فرمادیتے ہیں......روایت میں اس لفظ کے آجانے کیوجہ سے تین کی رعایت رکھی جاتی ہے ورنہ دو روایتیں جو میں نے دوسری ذکر کی ہیں اُن میں جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد مذکور ہے کہ آدمی چالیس ہوں یا سو ہوں......صفوں کا ذکر نہیں ہے۔ اس روایت کی رعایت رکھتے ہوئے جتنے لوگ موجود ہوں اُن کو تین صفوں میں تقسیم کردیں۔

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

بدقسمتی سے آج دور ایسا آگیا ہے کہ کچھ لوگوں نے عبادات کو بھی اپنی سیاست چمکانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے ۔غور فرمائیں کہ کتنے بزرگ روز مرتے ہیں، کتنے عزیز مرتے ہیں کوئی غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوتی......کسی غائبانہ نماز جنازہ کا اعلان نہیں ہوتا۔ البتہ جہاں کوئی سیاسی چکر ہو یا خود نمائی کا پروپیگنڈہ مقصود ہو کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ہم بھی کشمیر کے جہاد میں حصہ لے رہے ہیں اور ہمارا بھی ایک آدمی وہاں شہید ہوگیا ہے تو اُس کے لیے شاید پورے ملک میں اشتہار بازی ہو کہ فلاں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلے میں صحیح روایات کے اعتبار سے صرف ایک واقعہ ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی کا غائبانہ جنازہ پڑھایا......نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا اور حبشہ ہی میں فوت ہوا تھا...... یہ پہلے عیسائی تھا......مکہ معظّمہ سے ہجرت کرکے کچھ صحابہ حبشہ گئے تو اُس نے اُن کی بہت دلداری کی......نجاشی نے اسلام کے بارے میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر سنی تو اُس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُم حبیبہ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں یہ بھی

ہجرت کر کے حبشہ گئی ہوئی تھیں ان کا شوہر بھی ساتھ تھا جس کا وہیں انتقال ہو گیا ام حبیبہؓ کا نکاح نجاشی نے حضور ﷺ سے کیا اور مہر بھی اپنی طرف سے ادا کیا اور ام حبیبہ کو حضور ﷺ کے پاس مدینہ منورہ بھیجا......(ابوداؤد ص ۲۸۷ ج ۱، نسائی ص ۲۷ ج ۲) جب نجاشی فوت ہوا تو اللہ کریم نے حضور ﷺ کو خبر دی ...... آپ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ اس پر آپ باہر نکلے، صف بندی کی اور اُس کا جنازہ پڑھایا۔ (بخاری ص ۱۶۶ ج ۱، مسلم ص ۳۰۹ ج ۱ مشکوٰۃ ص ۱۴۴ ج ۱)

حضور نے کسی صحابی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھایا

باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ارد گرد بہت سے صحابہ فوت ہوئے آپ کو معلوم ہو گا مدینہ منورہ جانے کے بعد جہاد شروع ہوا۔ بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ غزوہ رجیع میں دس صحابی شہید ہوئے اور بیر معونہ میں ستر صحابی شہید ہوئے۔ اور یہ دونوں واقعے ایسے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے۔

غزوہ رجیع اور بیر معونہ دونوں کے مقامات اصفہان کے قریب ہیں جو مکہ کی طرف سے قریب ہیں مدینہ سے دور ہیں۔ اُن کی شہادت کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شہید کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا ......نہ غزوہ رجیع والوں کا اور نہ بیر معونہ والوں کا......

اسی طرح صحیح بخاری میں غزوہ موتہ کے بارے میں آتا ہے کہ اس غزوہ ہے کیلئے مدینہ منورہ سے رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تینوں کو بالترتیب ہدایت فرمائی تھی کہ ایک کی شہادت کے بعد دوسرا جھنڈا اُٹھا لے اور جب دوسرا بھی شہید ہو جائے تو تیسرا اُٹھا لے ......(بخاری ۱۶۷/۱۔ ۶۱۰/۲) چنانچہ جب غزوہ موتہ میں اُسی ترتیب سے یہ تینوں جام شہادت نوش کر گئے تو اُن کے لئے مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسو بہائے لیکن نہ اپنے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کا جنازہ

پڑھا نہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا، نہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا۔کسی شہید کا غائبانہ جنازہ حضور ﷺ سے پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

نجاشی کے غائبانہ جنازہ کی وجہ

باقی رہا یہ مسئلہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا جنازہ کیوں پڑھا تھا؟ اس بارے میں ہمارے شارحین یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ مملکت عیسائی تھی اور اُس کے اردگرد بھی سب کے سب عیسائی لوگ تھے...... اسلامی طریقے کے مطابق اُس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منکشف ہوا اس لیے آپ نے اُس کا جنازہ ادا کیا۔(صحیح ابن حبان ۷/۳۶۹) اس لیے کم ازکم حدیث کی رُو سے شہداء کے غائبانہ جنازہ کا ہمارے سامنے کوئی ثبوت نہیں ہے ۔لھٰذا یہ سب سیاسی چکر ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔اور نہ ان کو کوئی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

جنازے کے بعد دعا کرنے کی حقیقت

جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اُٹھا دعا کرنے کا بھی کوئی ثبوت حدیث اور فقہ میں نہیں ہے اس لیے آپ لوگ دیکھتے رہتے ہیں کہ ہم جنازہ پڑھانے کے بعد متصل ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں کرتے ۔یہ سنت کے مطابق جنازہ ہو گیا۔

میت کا کلام کرنا

میت کا قبرستان کی طرف لے جاتے ہوئے کلام کرنا حدیث سے ثابت ہے

بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے

بَا بُ کَلَا مِ الْمَیِّتِ عَلَی الْجَنَازَۃِ......(بخاری ص۱۸۴)

یہ باب ہے چارپائی پر موجود میت کے کلام کرنے کے بارے میں۔

سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میت کو اُٹھا کر قبرستان کی طرف چلتے ہیں تو اچھے اور نیک آدمی کو احساس ہوجاتا ہے کہ میری آنے والی زندگی اچھی ہے اور

میرا انجام اچھا ہونے والا ہے۔اس لئے وہ اپنے اُٹھا کر چلنے والوں سے کہتا ہے:

قد مونی...... قد مونی......

مجھے جلدی آگے بڑھاو، مجھے جلدی آگے بڑھاو۔اُسے شوق ہوتا ہے کہ مجھے جلدی لے جایا جائے۔

اور اگر خدانخواستہ وہ آدمی اچھا اور نیک نہیں ہوتا تو اُس کی حالت اُس مجرم جیسی ہوتی ہے جسے پھانسی گھر کی طرف لے جایا جاتا ہے اور وہ بے چارہ پیچھے کو بھاگتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے کہاں لیے جارہے ہو۔؟

این تذھبون بی ؟......این تذھبون بی ؟......

مجھے کہاں لیے جارہے ہو؟ مجھے کہاں لیے جارہے ہو؟ یہ ہے **کلام المیت علی الجنازۃ**....جس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ میت کے اس کلام کو باقی سب سنتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کے لیے اس کو عالم غیب میں رکھا ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھتے۔

اس روایت پر حضرت سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں سماع موتیٰ کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے یوں کلام شروع فرمایا ہے:

’’کہ میت کا بولنا اور میت کا سننا ایک ہی مسئلہ ہے‘‘

سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری جو اس مسئلے کے سب سے بڑے پرچارک ہیں وہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں...... یہ اُن کے اپنے اُستاد کا مسلک ہے جو فیض الباری میں مذکور ہے......اگر یہ عقیدہ شرک ہے تو پھر یہ اپنے اُستاد کے متعلق بھی خیر منائیں کہ وہ اُن کے متعلق کیا کہتے ہیں؟......اور نہ صرف یہ عنایت اللہ شاہ بخاری کے اُستاد کا مسلک ہے بلکہ اُن کے پیروں کا مسلک بھی یہی ہے

۔دونوں کی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں اُستادوں کی بھی اور پیروں کی بھی اور دونوں کے مسلک میں کوئی فرق نہیں ہے۔

میت کا آخری حق

میت کو قبر میں اُتارنے اور دفن کرنے کے بعد اُس کی قبر پر مٹی ڈالنا میت کا حق ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ مٹی اُس کے اُوپر ڈالی تھی۔اس لیے اپنے ہاتھوں سے میت کے اوپر مٹی ڈالنا اُس کی محبت کا حق ہے جو آخر وقت میں ادا کیا جاتا ہے۔یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ مٹی ڈالنا بھی محبت کا تقاضہ ہے جیسے کسی شاعر کا قول ہے

مٹھیوں میں خاک لے کر آئے اہل وطن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

ساری زندگی کی محبت کا صلہ یہ ہے کہ آخری وقت میں مٹی کی مٹھیاں بھر بھر کے اُس کی قبر پر ڈالی جائیں۔بہر حال یہ بھی ایک مسنون طریقہ ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اُس پر مٹی ڈالی جائے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست واحباب سے فرمایا تھا کہ مجھے دفن کرنے کے بعد جلدی نہ لوٹ آنا بلکہ دفن کے بعد بھی میری قبر کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرنا ......اتنی دیر تک ٹھہرنا جتنی دیر میں اُونٹ ذبح کر کے اُس کا گوشت بنایا جاتا ہے۔تُنحَرُ جزورٌ .(مسلم ص۷۶ ج۱) کیوں کہ اُس وقت گھڑیاں تو تھی نہیں کہ فرماتے پندرہ منٹ ٹھہرنا ،بیس منٹ ٹھہرنا ،آدھا گھنٹہ ٹھہرنا ،اُس وقت تو اندازے یہی ہوتے تھے کہ اُونٹ ذبح کرنے کے بعد جتنی دیر میں اُس کا گوشت بنایا جاتا ہے،اتنی دیر میری قبر کے پاس ٹھہرنا ......یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی۔

جنازہ کے بعد قبر پر ٹھہرنے کی وجہ

کیوں ٹھہرنا ؟اس ٹھہرنے کا فائدہ کیا ہوگا؟ اس کی وجہ بھی حضرت عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہ نے بتائی کہ تم میری قبر کے پاس ٹھہرے رہو گے تو میں تمھاری وجہ سے اُنس حاصل کروں گا، مجھے سہارا حاصل ہوگا......اور جب اللہ کے فرشتے مجھ سے سوال کرنے کے لیے آئیں گے تو آپ لوگوں کی موجودگی مجھے فائدہ دے گی......مطلب یہ ہے کہ آپ میرے لیے دعا کر رہے ہوں گے......میری طرف توجہ کیے ہوئے ہوں گے تو میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کو ذرا حوصلے سے جواب دوں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنا اور میت کے لیے دعا کرنا فرشتوں کے جواب دینے میں میت کے لیے معاون بن جاتا ہے۔اس لیے ہمارا معمول یہی ہے کہ دفن کے بعد جب وہ قبر بن جاتی ہے تو اُس کے بعد وہاں پر حدیث شریف کے مطابق میت کے سرہانے کی طرف سورۃ بقرۃ کی پہلی آیات اور پائنتی کی طرف سورۃ بقرۃ کی آخری آیات پڑھتے ہیں اور پھر اُس میت کے لیے دعا کی جاتی ہے۔

دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا جائز ہے

دفن کے بعد میت کے لیے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنی چاہیے یا نہیں؟ نمازِ حنفی جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اس میں حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بغیر ہاتھ اُٹھائے دعا کرنی چاہیے اور اسی طرح مفتی رشید احمد صاحب نے بھی احسن الفتاویٰ میں پہلے ایسے ہی لکھا تھا لیکن بعد میں اُن حضرات کی تحقیق بدل گئی۔

خیر الفتاویٰ کی جلد اول (خیر الفتاویٰ ص ۳۴۱ ج ۱) میں واقعہ لکھا ہے غالباً عبداللہ ذی البجادین رضی اللہ عنہ کا کہ اُن کو دفن کرنے کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی تھی۔اسی روایت کی بناء پر حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا اور احسن الفتاویٰ میں اُن کا رجوع مذکور ہے۔کہ اب میری تحقیق یہی ہے کہ دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اگر کوئی ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے تو جائز ہے۔مرفوع حدیث میں یہ بات آئی ہوئی ہے تو جن بزرگوں نے پہلے یہ لکھا ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں کرنی چاہیے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ روایت اُن کی نظر سے نہیں گزری تھی اور

فَوۡقَ كُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٍ کے تحت اگر بعد میں روایت مل گئی اور صحیح روایت ہے تو پھر قبر بن جانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر کرنا درست ہے۔

ایک واقعہ!

ہمارے ایک دوست کی والدہ فوت ہوگئی۔میں بھی قبرستان گیا ہوا تھا اور دفن میں شریک تھا۔دفن کے بعد اسی طریقے کے مطابق جب میں نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی تو حاصلپور سے آئے ہوئے کچھ لوگوں میں سے ایک نے مجھے پکڑا کہ یہ کیا کیا ؟اگر آپ لوگ بھی بدعات کا ارتکاب کریں گے تو پھر دوسروں کی شکایت کے کیا معنیٰ ؟میں نے کہا بھائی کیا بات ہے؟ کہنے لگا آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کیوں کی ؟میں نے کہا یہ نا جائز ہے؟ کہنے لگا ہاں۔

ہمارے ہاں ایک بزرگ فاضل دیوبند ہیں جو ہمارے محترم ہیں میں بھی اُن سے ملا ہوں وہ تو منع کیا کرتے تھے کہ دفن کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں کرنی چاہیے۔میں نے کہا وہ بالکل صحیح کہتے ہیں اور مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی لکھا ہے اور بعض فتاویٰ کی کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے۔لیکن اب مفتیان کرام کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح روایت موجود ہے اور دفن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے۔اس لیے اُن حضرات کو میرا اسلام بھی کہنا کہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں یہ مسئلہ ہے اس کو دیکھ لیں ،مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے فتوے سے رجوع کرلیا ہے۔اور خیر الفتاویٰ میں بھی اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔اس لیے اگر کسی کا لکھا ہوا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے پہلی بات یہی تھی...... معمولی باتیں ہیں تحقیق بدل سکتی ہے،کوئی معلومات نئی بھی حاصل ہوسکتی ہیں..فوق کل ذی علم علیم .....دنیا کا اصول ہے۔اگر پہلے روایت نظر میں نہیں آئی بعد میں نظر میں آ گئی جواز کا قول کرلیا......ہمارے اکابر کی یہی تو شان ہے۔

صدمے سے آنسو جاری ہونا

اس کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور اپنی بیٹی ام کلثومؓ جو عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اُن کو دفن کرتے وقت قبر پر بیٹھے تھے صحابی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحتیں فرما رہے تھے، یہ کرو، وہ کرو اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے...... (بخاری ص۱۷۱ج۱) اس لئے اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔البتہ چیخنا، چلانا اور بے صبری کے کلمات زبان سے نکالنا جائز نہیں ۔

مُردے کا قدموں کی آہٹ سننا

دفن کے بعد جب لوگ واپس آتے ہیں تو مردہ اُن کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے یہ بھی متفق علیہ روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ ......(بخاری ص۱۷۸ج۱)

مردہ واپس آنے والوں کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔

مردہ ابھی جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ فرشتے سوال وجواب کے لیے آجاتے ہیں ۔اس پر بھی امام بخاری نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے

اَلْمَيِّتُ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ......

کہ میت واپس لوٹنے والوں کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے...... اب اس میں بھی سننے کا ذکر آیا ہے ۔

مُردوں کو سلام کرنا

قبرستان جا کر صاحبِ قبر کو سلام کرنے کا تذکرہ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ جب قبرستان جاؤ تو وہاں کے رہنے والوں سے یوں کہو..السلام علیکم دار قوم مومنین ......(مشکوٰۃ ص۱۵۴ج۱، ابوداؤد۲/۱۰۴) یہ دعا مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

ان روایات کے پیش نظر ہمارے اکابر نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے ''کہ اموات باہر آنے والے کی آواز کو سن لیتی ہیں یا نہیں ۔دلائل کے احاطے میں اس مسئلے کی زیادہ

تفصیل مقصود نہیں ۔صرف اپنا مسلک ظاہر کرنا مقصود ہے......غالباً یہ مسئلہ پہلے بھی کسی قدر اختصار کے ساتھ ذکر ہوا تھا کہ ہمارے ہاں قبر کے قریب جا کر میت سے السلام علیکم ....وغیرہ کی کوئی بات کی جائے ۔تو میت سن لیتی ہے اگر اللہ چاہے۔ میت کو اللہ تعالیٰ متوجہ کر دے ،تو جو بات کھڑا ہونے والا کرتا ہے میت سن لیتی ہے ،لیکن اس ضمن میں ضابطے کے تحت وہی باتیں آئیں گی جن کی صراحت حدیث میں آگئی جیسے پاؤں کی آہٹ کا سننا ،یا سلام کا سننا ۔اس کے علاوہ باقی باتیں کسی ضابطے کی تحت نہیں ہیں لیکن اس کو عقلاً ممتنع ہم نہیں کہہ سکتے کہ بالکل نہیں سنتا......اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ متوجہ کر دیں تو سن لے گا نہ متوجہ کریں تو نہیں سنے گا۔

ہم تو قول صرف اسی کا کریں گے جس کا ثبوت حدیث میں آیا ہے وہ دو باتیں ہیں۔سلام کا سننا اور پاؤں کی آہٹ کا سننا ،اس میں تو ہم کہیں گے کہ جی یہ ثابت ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ موجبہ جزئیہ صادق آجائے تو سالبہ کلیہ غلط ہوتا ہے سالبہ کلیہ وہاں نہیں ہوتا ،یہ کہنا کہ بالکل نہیں سنتے ،کسی قسم کا سماع نہیں ہے یہ بات غلط ہے۔ہم اس میں سلب کلی کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہم اس میں ایجاب کلی کے قائل ہیں۔

سلبِ کلی کا مطلب

غالباً پہلے مَیں نے اس طرح کے ایک دو لفظ بولے تھے تو بعضوں نے کہا تھا کہ تقریر بہت سخت کی ہے۔اس کو سمجھ لیجیے سلبِ کلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بالکل کسی کی نہیں سنتا، نہ قریب سے نہ دُور سے۔اور ایجابِ کلی کا مطلب ہوتا ہے کہ ہر کسی کی ہر بات سنتا ہے،قریب سے بھی اور دُور سے بھی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

سماع فی الجملة

بعض باتیں سن لے اور قریب سے سن لے اس کا ثبوت ہے جس کو ہم سماع فی الجملة سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر کا مسلک یہ ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر بات کو سن لیتا ہے اور دُور سے بھی سن لیتا ہے۔

سماع باری تعالیٰ !

الوھیت کا عقیدہ یاد رکھیے...... اللہ تعالیٰ کے سماع میں اتنی باتیں آئیں گی کہ وہ:

- ہر وقت ....
- ہر بات ......
- ہر کسی کی .....
- ہر جگہ سے .....

سنتا ہے ...... یہ سننا خصوصیت اللہ میں سے ہے ۔کسی زندہ کے بارے ،کسی مردہ کے بارے ، یہ عقیدہ رکھو گے تو یہ عقیدہ شرک ہے ۔یہ چار لفظ یاد رکھنا ۔ہر وقت...... ہر بات...... ہر کسی کی...... ہر جگہ سے...... سننا یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے ۔اگر یہ عقیدہ کسی اور کے متعلق بھی رکھا جائے تو یہ شرک ہے..... قریب سے سننا اور دُور سے نہ سننا ،کوئی بات سننا اور کوئی بات نہ سننا ۔یہ اللہ کی صفت نہیں ہے ۔اس لیے اگر یہ عقیدہ کسی کے متعلق رکھا جائے تو شرک لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے ۔اللہ تعالیٰ کے سماع کو سماعِ کلی کہتے ہیں اور یہ صرف اللہ کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ:

- چاہے فرشتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھو ....
- چاہے نبی کے متعلق یہ عقیدہ رکھو ....
- چاہے ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھو ....
- چاہے زندہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو ....
- چاہے مردہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو ....

یہ عقیدہ شرک ہے ، ہر جگہ سے سننا ، ہر کسی کی سننا ، ہر بات سننا ، ہر وقت سننا ، یہ الہ

کا کام ہے جو الہ نہیں اس کے لیے اس قسم کا سماع نہیں ہے۔اور کوئی بات سننا اور کوئی نہ سننا،قریب سے سننا اور دُور سے نہ سننا ...... یہ اللہ کی صفات میں نہیں ۔جب یہ اللہ کی صفات میں سے ہے ہی نہیں تو پھر چاہے کسی زندہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو،کسی مردہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھواس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔

سماع میں اختلاف

اس بارے میں ایک خاص بات یاد رکھیے کہ یہ سماع اور عدمِ سماع کا اختلاف انبیاء کے علاوہ باقی اموات کے بارے میں ہے۔انبیاء علیھم السلام کے بارے میں اجماع ہے کہ اُن کی قبر کے قریب اگر اُن پر صلوۃ وسلام پڑھا جائے تو انبیاء علیھم السلام سنتے ہیں ، یہ مسئلہ اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ ہے جو اس سے انکار کرتا ہے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

سماع انبیاء کی دلیل

اب میں ذرا سماع انبیاء کی دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہوں ۔قرآن کریم میں آیات دو قسم کی ہیں ۔ایک وہ آیات ہیں جن میں ..دعا یدعوا ...کا ذکر آیا ہوا ہے"جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ ......جن کو تم لوگ پکارتے ہو اللہ کے علاوہ ...... یہ غیب کا صیغہ ہے اس میں ..دعا یدعوا ...کا لفظ آیا ہے ۔اس سے مراد ہے غائبانہ پکارنا ،موجود ہونے کی صورت میں نہیں غائب ہونے کی صورت میں پکارنا ...... یہ آیات بہت سی ہیں" کہ جو پکارتے ہیں بیکار ہیں ......جن کو پکارتے ہیں وہ نہیں سنتے ...... یہ ہے غائبانہ پکار...... یہ آیات سماعِ موتیٰ کے مسئلے میں زیر بحث نہیں آتیں۔اس لیے جب بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا ،جواز یا عدم جواز کے قائل ان آیات کو زیر بحث نہیں لاتے کیونکہ اس سے مراد غائبانہ پکارنا ہے اور اس کے سماع کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے۔

سماع موتیٰ کے بارے میں قرآنی آیات

سماع موتیٰ کے بارے میں جو آیات زیر بحث ہیں وہ صرف تین ہیں

اَنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوتیٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اذا ولوا مدبرین وما انت بھادی العمی

’’آپ موتیٰ کونہیں سنا سکتے ، بہروں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے اور اندھوں کو آپ راہ نہیں دکھا سکتے‘‘ یہ آیات قرآن میں دوجگہ ہیں ۔سورۃ روم اور سورۃ نمل میں ۔انہی لفظوں کے ساتھ دوجگہ آئی ہوئی ہے ۔ایک سورۃ فاطر میں ہے ۔

مَا اَنتَ بِمُسمِعٍ مَن فِی القُبُورِ ....

نہیں ہیں آپ اُن کو سنانے والے جو قبور میں ہیں ۔

جہاں پر بھی پرانے زمانے میں سماع موتیٰ کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے تو یہ تین آیتیں ہی زیر بحث آئی ہیں...... رہیں **دعا یدعوا** والی آیات جو آج کل اکٹھی کر کے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ عدم سماع پر چالیس آیات دال ہیں...... یہ موجودہ لوگوں کی تصریحات ہیں ۔پرانے زمانے میں کسی نے یہ آیتیں زیر بحث نہیں لائیں ۔جن میں **دعا یدعوا** کا لفظ ہے کیونکہ یہ غائبانہ پکارنے کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں،سماع موتیٰ میں زیر بحث صرف تین آیتیں ہیں ایک آیت دو سورتوں میں ہے اُس کو ہم نے دو شمار کرلیا ہے اور تیسری آیت یہ ہے

مَااَنتَ بِمُسمِعٍ مَن فِی القُبُورِ.....

کہ....**مَن فِی القُبُورِ** ....کو آپ سنا نہیں سکتے......

ایک اشکال

پچھلے دنوں میرے ایک دوست کا پیغام آیا تھا کہ ہمیں اس آیت کی وضاحت چاہیے کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

وَالَّذِینَ یَدعُونَ مِن دُونِ اللّٰہِ لَا یَخلُقُونَ شَیئا وَھُم یُخلَقُون......

اَموَات غَیرُ اَحیَاءٍ وَّمَا یَشعُرُون اَیَّانَ یُبعَثُون......

کتنی صاف آیت ہے...**والذین یدعون من دون الله**....اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں:

لا یخلقون شیئا......

وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے ہیں......

وهم یخلقون......

وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں......وہ مخلوق ہیں......اور آگے فرمایا

اموات غیر احیاء......

.وہ تو مرے ہوئے ہیں، زندہ نہیں ہیں......

وما یشعرون ،ایان یبعثون......

اُن کو تو پتہ ہی نہیں کہ اُٹھائے کب جائیں گے قبروں سے......

اَب یہاں پر تو آ گیا کہ جن اصحابِ قبور کو وہ پکارتے ہیں چاہے وہ انبیاء ہی ہوں .... **اموات غیر احیاء**... ہیں.وہ تو مرے ہوئے ہیں ،زندہ نہیں ہیں تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ زندہ ہیں؟

جواب

میں نے اس سے پوچھا کہ... **والذین یدعون من دون الله**......سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟اگر ان سے مشرکین مکہ کے بت مراد ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود تراشے اور بنائے جاتے ہیں ......بے جان ہیں اُن میں کوئی رُوح نہیں ہے اور وہ بے علم ہیں اُن کو کچھ پتہ نہیں ......پھر تو یہ آیت اپنی صراحت کے ساتھ اُن پر صادق آتی ہے۔اور اگر آپ اس کو عام رکھتے ہیں کہ اس سے سب معبود مراد ہیں تو سب معبودوں میں تو:

- عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں.........
- مریم علیھا السلام بھی ہیں.........

- فرشتے بھی ہیں ....
- جنات بھی ہیں ....
- مرے ہوئے انسان بھی ہیں ....

اگر ان سب کو عام رکھنا ہو تو پھر اس آیت کا مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھتے ہیں کیونکہ اگر اس کو عام رکھا جائے تو کیا عیسیٰ علیہ السلام پر اس وقت یہ بات **(اموات غیر احیاء)** صادق آتی ہے؟ نہیں صادق آتی تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے نکالیں گے؟ جو لوگ فرشتوں کو پکارتے ہیں اُن پر یہ آیت کیسے صادق آئے گی؟ آپ فرشتوں کو کہہ سکتے ہیں :......اموات غیر احیاء...... جو جنوں کو پوجتے ہیں اُن کے اوپر یہ بات صادق آسکتی ہے؟ اسی طرح اگر کسی نے زندہ معبود بنا رکھا ہو تو اُن زندہ معبودوں کے اوپر یہ بات کیسے صادق آسکتی ہے؟

اگر اس سے بت مراد لیے جائیں تو صراحت ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں، وہ بے جان ہیں اُن میں کوئی رُوح نہیں اور وہ بے علم ہیں۔ اُن کو کچھ پتہ نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اور اگر اس کو عام رکھنا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو یہ بھی پکارتے ہیں:

- چاہے وہ فرشتے ہوں ....
- چاہے فوت شدہ انبیاء ہوں ....
- چاہے اولیاء ہوں ....
- چاہے کوئی اور انسان ہو...........
- چاہے جنات ہوں ....

یہ سب کے سب مخلوق ہیں خالق نہیں ہیں بالکل صحیح بات ہے۔

اموات غیر احیاء کا مطلب

اموات غیر احیاء.... کا مطلب یہ ہے کہ اُن پر موت ضرور آئے گی ایسا نہیں کہ

وہ ....حی لایموت ...ہوں ۔جن کی زندگی اپنی ذاتی ہو اُنپر کبھی موت نہ آئے ایسا نہیں ہے ۔اللہ کے علاوہ کوئی شخص ....حی لایموت ...نہیں .حی لایموت ....صرف اللہ کی شان ہے ۔ جبکہ اُن میں سے کوئی ایسے ہیں جن کو موت آچکی ،کوئی ایسے ہیں جن کو موت آجائے گی۔ قیامت سے پہلے سب کو موت آئے گی کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں ہے...... لہٰذا لازماً اموات غیر احیاء کا یہی مطلب بیان کرنا پڑے گا ورنہ فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام پر یہ آیت کیسے صادق آئے گی ؟۔

اس میں کہنا یہ مقصود ہے کہ ...حی لایموت صرف اللہ کی شان ہے......وہ کوئی دوسرا نہیں ہے ۔چنانچہ اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہوگا کہ یہ اموات غیر احیاء ہیں یعنی اللہ کی طرح ...حی لایموت ...نہیں ہیں ۔بعض کو موت آچکی ہے اور بعض کو موت آئے گی ،ہمیشہ زندہ رہنے والا کوئی نہیں، قیامت سے پہلے ہر کوئی مرے گا ،فرشتے بھی مریں گے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی موت آئے گی ،ہمیشہ زندہ رہنے والا کوئی بھی نہیں ہے ......کسی کی زندگی ذاتی نہیں ،کسی پر موت ممتنع نہیں ،جو مرنے والا ہو ،جو اپنی زندگی کا مالک نہیں تو اُس کو پکارنا کیسے درست ہوگا ؟ وہ تو موت وحیات میں خود اللہ کا محتاج ہے۔اس کو تو پتہ ہی نہیں کہ قیامت کب آئے گی ،نہ کسی نبی کو پتہ ہے نہ کسی فرشتے کو پتہ ہے ۔اموات غیر احیاء ...کا ہمارا یہ مفہوم فرشتوں پر بھی صادق آتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اس کا سماع موتیٰ سے کوئی تعلق نہیں ۔اس لیے اس آیت کا تعلق ہمارے مضمون کے ساتھ نہیں ہے۔

ایسے ہی باقی روایات ہیں جن میں دعا یدعوا کا صیغہ ہے وہاں غائبانہ پکارنا مراد ہے اس میں سماع موتیٰ کا مسئلہ مفسرین کبھی زیر بحث نہیں لائے ۔

موتیٰ کے بارے میں آیات کا مطلب

اب رہا یہ مسئلہ کہ ان آیات کا مطلب کیا ہے؟ ان کا مختصر مطلب یوں سمجھ لیں:

پہلی بات یہ ہے کہ یہاں پر موتیٰ سے کیا مراد ہے؟ کیا موتیٰ سے:

- حقیقتاً مرے ہوئے لوگ مراد ہیں یا کافروں کو تشبیھاً کہا گیا ہے۔
- حقیقتاً بہرے لوگ مراد ہیں یا کافروں کو تشبیھاً کہا گیا ہے۔
- حقیقتاً اندھے لوگ مراد ہیں یا کافروں کو تشبیھاً کہا گیا ہے۔

اگر یہاں پر حقیقی مُردے مراد ہوتے تو پھر بات سیدھی ہوتی کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اگر حقیقی بہرے مراد ہوتے تو پھر بات سیدھی ہوتی کہ آپ بہروں کو سنا نہیں سکتے۔ اگر حقیقی اندھے مراد ہوتے تو آپ کہتے کہ آپ اندھوں کو راستہ دکھا نہیں سکتے پھر تو یہ بات بالکل منصوص درجے میں ہوتی لیکن یہاں پر ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپ مُردوں کو سنا نہیں سکتے، بہروں کو سنا نہیں سکتے، اندھوں کو رستہ دکھا نہیں سکتے۔ تو کیا ہے کوئی ایسا واقعہ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں مُردوں کو سنانے کے لئے کبھی تقریر شروع کر دی ہو جس پر اللہ نے کہا ہو کہ چھوڑو مُردوں کو تم نہیں سنا سکتے یہاں تقریر کرنے کا کیا فائدہ؟...... یا کبھی آپ گونگوں بہروں کے سکول میں چلے گئے ہوں اور وہاں خطاب شروع کر دیا ہو جس پر اللہ نے کہا ہو کہ چھوڑو بہرے نہیں سنا کرتے اور بہروں کو تم ان کو نہیں سنا سکتے ...... یا کبھی آپ نے اندھوں کو اکٹھا کر کے چاند دکھانا شروع کر دیا ہو جس پر اللہ نے کہا ہو کہ چھوڑو اندھوں کو تم چاند نہیں دکھا سکتے...... کیا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا؟ غور کیجئے:

- اگر قبرستان میں منبر بچھا کر وہاں تقریر کر رہے ہوتے پھر تو آپ کہتے کہ مُردوں کو کو کیا سنا رہے ہو، مُردے بھی کبھی سنا کرتے ہیں؟
- اگر اندھوں کو اکٹھا کر کے اُن کو چاند دکھا رہے ہوتے پھر تو آپ کہتے کہ اندھوں کو کیا دکھاتے ہو، اندھے بھی کبھی دیکھا کرتے ہیں؟
- اگر بہروں کو اکٹھا کر کے اُن کو وعظ سنا رہے ہوتے پھر تو آپ کہتے کہ بہروں کو کیا سنا رہے ہو، بہرے بھی کبھی سنا کرتے ہیں؟

لیکن جب پوری سیرت میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں وعظ کہا ہو یا بہروں میں تقریر کی ہو، یا اندھوں کو چاند دکھانے کی کوشش کی ہو تو معلوم ہوا کہ یہاں حقیقی مُردے، بہرے، اندھے مراد نہیں ہیں۔ بلکہ کافروں کو مُردے، اندھے اور بہرے تشبیھاً کہا گیا ہے۔ جیسے قرآن کریم کے شروع میں آیا:

صم بکم عمی فھم لایرجعون

آپ کے مخاطب یہ سب کے سب کافر بہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے ہیں۔ یہ اپنے مسلک سے کبھی نہیں لوٹیں گے۔ تو یہاں کافروں کو اندھے گونگے اور بہرے تشبیھاً کہا گیا ہے۔ اس کی دلیل بھی قرآنِ حکیم میں موجود ہے:

اَنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوتیٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ ......

یہ آیت جب پوری ہوتی ہے تو آگے آتا ہے......

ان تسمع الا من یؤمن بایاتنا......

آپ اُن کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ...انک لا تسمع الموتیٰ ....کے مقابلے میں آیا ہے ...ان تسمع الا من یؤمن بایاتنا ....جس سے معلوم ہوگیا کہ مومن مومنوں کو سنا سکتا ہے مُردوں کو نہیں سنا سکتا ......مومنوں کے مقابلہ میں مُردوں سے مراد کافر ہیں ......اس سے حقیقی مُردے مراد نہیں ہیں۔ یہ تقابل سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

یعنی جب یہ کہا جائے کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے آپ زندوں کو سنا سکتے ہیں تو بات بڑی آسان ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ زندوں کے مقابلہ میں مُردوں کا ذکر آیا ہے اس لیے یہاں پر حقیقتاً مُردے مراد ہیں لیکن جب یہ کہا گیا کہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے مومنوں کو سنا سکتے ہو تو پھر یہ تقابل کیسے قائم ہوگا؟

ایسی صورت میں ماننا پڑے گا کہ یہاں مُردوں سے مراد کافر ہیں لہٰذا اس آیت کا یہ مفہوم متعین ہوگا جس کا مطلب ہوگا کہ آپ کافروں کو نہیں سنا سکتے آپ مومنوں کو سنا

سکتے ہیں......

بات ذرا ثقیل ہو جائے گی۔ لیکن آپ کے لیے کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اس کو ذرا علمی طریقے سے سمجھئے...... جہاں پر تشبیہ پائی جائے وہاں پر تین باتیں ہوتی ہیں۔ ایک مشبہ ...... ایک مشبہ بہ...... اور ایک وجہ تشبیہ...... یہاں پر مشبہ ہیں کُفار کہ کفار کو تشبیہ دی گئی ہے۔ مشبہ بہ ہیں موتیٰ کہ مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے وجہ تشبیہ کیا ہے؟

وجہ تشبیہ

اگر وجہ تشبیہ یہ ہو کہ کان میں آواز نہیں پہنچتی تو آپ دیکھتے ہیں کہ کافروں کے کان میں تو آواز پہنچتی تھی یہ وجہ تشبیہ تو کافروں میں موجود نہیں۔ ابو جہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر قرآن سنتا تھا تو اُس کے کان میں آواز نہیں جاتی تھی؟ اگر وجہ تشبیہ یہ ہو تو پھر کافروں پر صادق نہیں آتی تو پھر تشبیہ دینا ٹھیک کیسے ہوگا؟

اس لیے وجہ تشبیہ یہاں ہے فائدہ اُٹھانا کہ جس طرح یہ کافرلوگ آپ کی آواز سے فائدہ اُٹھا کر سیدھے راستے پر نہیں چل سکتے اسی طرح اگر آپ ان سے بات بھی کریں گے تو یہ اپنے مسلک کو چھوڑ کر آپ کی بات نہیں سنیں گے۔

اسماع کا معنی!

تو یہاں اسماع سے قبول کروانا مقصود ہے جس کو سننے کے بعد وہ عمل کرنا شروع کردیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا جیسے سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ ''یہاں پر اسماع سے مراد منوانا ہے'' کہ جس طرح آپ مُردوں کو نہیں منوا سکتے کہ وہ توبہ کر کے نماز پڑھیں، مُردوں کو آپ نہیں منوا سکتے کہ وہ کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں، جس طرح اُن میں ماننے کی صلاحیت نہیں عدمِ صلاحیت کے اعتبار سے یہ کافر بھی مردوں جیسے ہو چکے ہیں۔

اس لیے یہاں کان میں آواز پہنچنے یا سن لینے کی نفی کرنی مقصود نہیں ہے بلکہ یہاں پر معنی یہ ہوگا آپ ان کافروں کو نہیں منوا سکتے جو مردوں کی طرح ہیں...... آپ ان

کافروں کو نہیں منوا سکتے جو بہروں کی طرح ہیں ......آپ ان کافروں کو نہیں منوا سکتے جو اندھوں کی طرح ہیں......

صم بکم عمی جیسے قرآن میں دوسری جگہ صراحت کے ساتھ لفظ آیا ہے۔

اور آپ ان کافروں کو سیدھے راستے پر نہیں چلا سکتے جو اندھوں کی طرح ہیں جیسے اندھا اشارے سے راستہ نہیں سمجھتا، بہرہ کسی بات کو نہیں سنتا، اسی طرح کافر بھی آپ کی بات کو سن کر ماننے والے نہیں۔ یہاں پر اسماع سے مراد اسماع قبول ہے۔ سننے سے متاثر ہونے کی نفی مقصود ہے۔ کان تک آواز پہنچنے کی نفی مقصود نہیں کیونکہ کافر جو آپ کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے وہ بالیقین آپ کی بات کو سنتے تھے۔

یہ ہے عام طور پر جو اس آیت کی توجیہ کی جاتی ہے کہ موتیٰ سے یہاں حقیقی موتیٰ مراد نہیں آپ عربی تفاسیر اُٹھا کر دیکھیں وہاں پر علماء نے لکھا ہے کہ موتیٰ کا معنی ہے موتیٰ القلوب ......ایسے لوگ جن کے دل مرے ہوئے ہوں......اُن کو آپ نہیں سنا سکتے۔ دوسرے لفظوں میں کہہ لیجیے کہ اسماع نافع کی نفی مقصود ہے قطعا آواز پہنچنے کی نفی مقصود نہیں ہے۔

حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں ان آیتوں کی تقریر کرتے ہوئے یہی کچھ فرمایا ہے جو کچھ میں آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں ......سماع ہمارے ہاں دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

ایک اپنے حقیقی معنی میں کہ کوئی سنتا نہیں دُور ہے یا اُسے آواز نہیں پہنچ رہی یا بہرہ ہے سن نہیں رہا ......اور دوسرے جیسے میں کہوں میں نے تمھیں ہزار دفعہ کہا ہے کہ تم دیواروں پر لکیریں نہ لگایا کرو لیکن تم میری بات سنتے ہی نہیں......تمھارے ماں باپ تمھیں کہیں کہ تمھیں ہزار دفعہ سمجھایا ہے لیکن تم ہماری ایک نہیں سنتے۔ تو وہاں پر ایک نہیں سنتے کا کیا معنی ہوتا ہے تم سب بہرے ہو؟ تمھارے کان میں آواز نہیں آتی۔

وہاں بالاتفاق معنی یہ ہوا کرتا ہے کہ جب سن کے قبول نہیں کرتے تو سننا نہ سننا

برابر ہے تو یہاں پر سننے سے مراد قبول کرنا ہوتا ہے ....لایسمعون ...کا معنی قبول نہیں کرتے ۔تو جس وقت سن کے قبول نہیں کرو گے تو سننا نہ سننا برابر ہے ۔اور یہ بات محاورے کے مطابق ہے کہ میں تمھیں نصیحت کرتا رہتا ہوں تم میری بات سنتے ہی نہیں تو سنتے نہیں کا مطلب یہ ہے کہ تم قبول نہیں کرتے ۔تو اس طرح سے کافروں کو منوا لینا میرے بس کی بات نہیں ہے

ان آیتوں کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ....من یومن ...کے ساتھ اس کا تقابل صراحتا ثابت کرتا ہے کہ موتیٰ سے مراد کفار ہیں حقیقی موتیٰ مراد نہیں ہیں ۔اسی طرح صم سے کافر مراد ہیں حقیقی صم مراد نہیں ہے ۔اور قرآن پاک نے ان کافروں کا صم بکم عمی کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔کہ یہ اندھے بھی ہیں ،بہرے بھی ہیں ،گونگے بھی ہیں حالانکہ وہ کافر اچھے بھلے دیکھتے ،سنتے اور بولتے تھے تو بھی اُن کو صم بکم عمی کہا جاتا ہے کیونکہ حق بات زبان سے بولتے نہیں ......حق بات کان سے سنتے نہیں ......حق بات آنکھ سے دیکھتے نہیں...... جیسے کوئی گونگا ہو، کوئی بہرا ہو،کوئی اندھا ہو۔ اُن کا بھی یہی حال ہے ۔اس لیے ان آیتوں کی یہ توجیہ کی جائے گی ۔

ایک اور اہم بات یاد رکھئے......قرآن کریم میں کوئی ایسی صاف آیت اس مسئلہ میں موجود نہیں ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو...... اگر اس قسم کی کوئی آیت ہوتی تو اسلاف میں اس مسئلہ کو زیر بحث نہ لایا جاتا اور کبھی اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا۔ اسلاف میں اختلافی اقوال کا پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو اس مسئلہ پر دلالت کرتی ہو...... ورنہ منصوص بات میں تو اختلاف نہیں ہوا کرتا ۔اختلاف ہمیشہ مستنبط بات میں ہوا کرتا ہے۔ یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے بلکہ تشبیہ کے تحت یہاں اس کو ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کفار موتیٰ کے مشابہ ہیں کہ جیسے موتیٰ کے لیے سماع (انتفاع) نہیں اُن کے لیے بھی سماع (انتفاع) نہیں ۔کیونکہ تشبیہ میں اگر وجہ تشبیہ یہ لیں کہ کانوں تک آواز نہیں پہنچتی تو یہ وجہ تشبیہ کفار

میں موجود نہیں ۔اس لیے وجہ تشبیہ عدمِ انتفاع ہے کہ آپ کی تقریر سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے جس طرح مُردے نہیں اُٹھا سکتے ۔

لہذا یہ آیتیں عدمِ سماع کے اوپر دلالت نہیں کرتیں بلکہ اُلٹا اس کا عکس ان سے ثابت ہوتا ہے...... وجہ تشبیہ کے تحت یہ بات اس طرح سے صاف ہو جاتی ہے۔

قبرستان میں جا کر دعا کرنا

قبرستان میں جانا ، جا کر سلام کرنا ، بہت سی روایات میں آیا ہے...... اسی طرح قبرستان جا کر دُعا کرنے کا ذکر بھی روایات میں موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع جاتے تھے اور وہاں جا کر اہلِ بقیع کے لیے دعا بھی کیا کرتے تھے ۔(مسلم ۱/۳۱۴)

والدین کی قبر کی زیارت

والدین کی قبر کی زیارت کی ترغیب حدیث شریف میں موجود ہے کہ جو ہفتہ میں ایک مرتبہ اپنے والدین کی قبر کی زیارت کیلیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ۱/۱۵۴) تو اپنے والدین ،اپنے بڑوں ،اپنے اساتذہ اور اپنے بزرگوں کی زیارتِ قبور کے لیے جانے کی ترغیب موجود ہے ...... جائیں تو اس طرح جائیں گویا وہ تشریف فرما ہیں...... ادب و احترام کا انداز اپنائیں...... پائنتی کی طرف سے جائیں ،قبلہ کی طرف جا کر کھڑے ہوں جیسے کوئی لیٹے ہوئے ہیں اور آپ اُن کے سامنے کھڑے ہیں ۔قبر کے ساتھ بھی ظاہری ادب ویسے ہی رکھا جانا چاہیے جس طرح کسی زندہ بزرگ کی ملاقات وزیارت کے وقت انسان رکھتا ہے...... یہ زندوں کی طرح ادب آداب کی رعایت رکھنے کی تلقین مَیں اپنی طرف سے نہیں کر رہا اس کا ثبوت بھی حدیث میں موجود ہے ۔آپ بھی سن لیجیے:

ایک دفعہ ایک آدمی قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

لَا تُؤْذِ صَاحِبَ الْقَبْرِ (طحاوی ص ۵۱۵ ج ا، مستدرک ص ۶۸۱ ج ۳)

اس قبر والے کو تکلیف نہ دو۔اس طرح تم ٹیک لگا کے بیٹھتے ہو تو صاحبِ قبر تکلیف محسوس کرتا ہے، یہ اُس کی بے ادبی اور توہین ہے۔اس سے منع فرمایا اور مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے حجرے میں مدفون ہوگئے تو میں اندر جاتے ہوئے اپنے کپڑے سمیٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھی ۔کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ یہ میرا خاوند ہے یہ میرا باپ ہے اُن کے سامنے سر ننگا ہوگیا تو کوئی بات نہیں ۔لیکن جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں دفن ہوئے مَیں حجرے میں اپنے کپڑے سنبھال کے داخل ہوتی ہوں ....حیاء من عمر...عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کرتے ہوئے ۔لہٰذا جب میں حجرے میں داخل ہوتی ہوں تو اپنے کپڑے سمیٹ لیتی ہوں۔(مسند احمد۔رقم ۲۴۴۸۰۔مشکوٰۃ ۱/۱۵۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے سے انسان کو ادب واحترام کا معاملہ کرنا چاہیے جس طرح اس کی زندگی میں ہوتا ہے ادب کے ساتھ کھڑے ہوں۔۔وہاں جا کر شور نہ مچائیں۔۔اُچھلیں کودیں نہیں۔۔سلام کر کے دُعا بھی کریں اور کچھ پڑھ کر ایصال ثواب بھی کریں۔باقی تعظیم کے عنوان سے قبروں کو سجدہ کرنا۔۔اُن کا طواف کرنا۔۔ اُن کو چومنا ۔۔ اُن کو چھونا ۔۔اُن سے لپٹنا۔۔ اُن پر چراغاں کرنا۔۔ چادریں بچھانا وغیرہ سب خرافات ہیں جن کی اجازت نہیں ہے۔

تزئین قبور کا حکم

قبر پر کنکریاں ڈالنا ،اُس کو مناسب طریقے سے سنوارنا بالکل درست ہے تاکہ اُس کا نشان باقی رہے...... مدینہ منورہ میں جانے کے بعد سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے فوت ہوئے ......اُن کے فوت ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں چوما ، اُن کا بوسہ لیا، پھر اُن کو جنت البقیع میں دفن

کیا...... دفن کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو اشارہ کیا کہ وہ پتھر اُٹھا کے لائے وہ پتھر وزنی تھا وہ اُٹھانے لگا تو اُس سے اُٹھا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بازو چڑھائے اور جا کر اُسے اُٹھا لائے۔

راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ چمکتے ہوئے ہاتھ ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہے ہیں کہ کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازو چڑھائے اور جا کر پتھر کو اُٹھایا اور لا کر قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا کہ میں اس سے نشان لگا تا ہوں اپنے بھائی کی قبر پر ......اگر آئندہ کوئی میرے خاندان میں سے فوت ہوا تو میں اُسے یہیں آس پاس دفن کروں گا۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے بھائی کی قبر پر نشان رکھتا ہوں ......(مشکوٰۃ ۱۴۹/۱۔ ابوداؤد ۲/۱۰۱)

تو قبر کا نشان باقی رکھنا جس سے پتہ چلے کہ یہ فلاں کی قبر ہے۔یہ مطلوب ہے تا کہ انسان اپنوں کی زیارت یا دعا وغیرہ کرنے جائے تو اُس کو قبر کا پتہ ہو۔اس لیے قبر پر جائیں، ادب کے ساتھ کھڑے ہوں۔۔وہاں جا کر شور نہ مچائیں۔۔اُچھلیں کودیں نہیں۔۔سلام کر کے دُعا بھی کریں اور کچھ پڑھ کر ایصال ثواب بھی کریں۔لیکن اس قسم کا ادب نہیں کہ جس سے بدعات اور شرک کی باتیں شروع ہو جائیں یہ درست نہیں۔

چراغ جلانا جائز نہیں ،چادر چڑھانا جائز نہیں ،قبر کو پختہ بنانا اور چونا گچ کرنا ٹھیک نہیں ،البتہ حفاظت کے لیے اُس کے اُوپر کنکریاں ڈالنا تا کہ مٹی نہ اُڑے یہ جائز ہے۔یہ ہے ہمارا صحیح مسلک جو حدیث کے مطابق ہے ......اور فقہ کے مطابق ہے...... انہیں باتوں کی رعایت ہمیں رکھنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کے مطابق زیارتِ قبور کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اولیاء کی گستاخی کا انجام

بموقع: ختم صحیح البخاری شریف

بمقام: جامعہ اسلامیہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: اگست ۲۰۰۴ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!

اَمَّا بَعْدُ!

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (بخاری صؔ جؔ)

صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمَ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ
کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی
اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

❀❀❀

تمہید

حدیثِ دلبراں

جامعہ امدادیہ کے بانی برادرِ مکرم مولانا نذیر صاحب رحمہ اللہ جب جامعہ ربانیہ ضلع ٹوبہ میں جو اُس وقت ایک چھوٹی سی تحصیل تھی داخلہ کے لئے تشریف لائے ہیں تو میں بھی اُسی سال جامعہ ربانیہ میں داخل ہوا تھا۔

عزیزم مولانا محمد طیب صاحب نے قصہ چھیڑ دیا تو گزری ہوئی باتیں ذہن میں لوٹ آئیں۔ میں ان سے معذرت اس لئے کر رہا تھا کہ میرے دماغ پر خیالات کا اتنا ہجوم ہے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہاں سے شروع کروں ؟ کیا کہوں ؟ مولانا ظریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان عزیزوں کے ماموں مولانا ظہور احمد صاحب وہ بھی اُسی سال جامعہ ربانیہ میں آئے تھے ...... ہم نے صَرْف کی ابتداء اکٹھے کی تھی ...... یہ سب تو سکولوں سے میٹرک کر کے آئے تھے جبکہ مَیں مڈل کر کے آیا تھا ...... ہم دو سال وہاں اکٹھے رہے۔ ایک سال بعد مولانا عبدالمجید صاحب بھی آ گئے۔ (مولانا عبدالمجید صاحب انور جواب برطانیہ کے ایک ادارہ میں شیخ الحدیث ہیں) یہ حضرات دوسرا سال ختم ہونے سے دو تین مہینے پہلے ہی جامعہ ربانیہ چھوڑ گئے تھے۔

جامعہ ربانیہ سے روانگی

امام کوٹ میں ہمارے ایک بزرگ مولانا کرم الٰہی صاحب تھے جو مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے...... اُن کے دو بیٹے ضیاء الرحمٰن اور عبید الرحمٰن بھی جامعہ ربانیہ میں پڑھتے تھے۔ طالب علمی کے دور میں میرا تعلق مولانا نذیر احمد صاحب کے ساتھ انتہائی گہرا اور بیحد محبت کا تھا۔ اُس کا اندازہ آپ کو اس سے ہو گا کہ جس دن مولانا نذیر احمد صاحب اپنے دیگر چار ساتھیوں عبید الرحمان، ضیاء الرحمان، محمد اشرف اور

محمد اسلم کے ہمراہ جامعہ ربانیہ سے جا رہے تھے تو ہم انہیں رخصت کرنے سڑک تک آئے۔ یہ سڑک جو سمندری سے ٹوبہ کی طرف جارہی ہے یہ اُسی وقت تازہ تازہ بنی تھی اور کوئی ایک آدھ گاڑی اس پر چلتی تھی۔ میں آپ کو کیا بتاؤں کہ اُن کو بس پر سوار کرانے کے بعد مَیں صدمہ سے نڈھال ہو گیا اور اُس سڑک کے کنارے بیٹھ کر بے تحاشا رونے لگا مولانا ظریف احمد صاحب مجھے تسلی دے رہے تھے اور میں بے تحاشا رو رہا تھا......اگلے سال میں بھی جامعہ ربانیہ کو چھوڑ کر اُن کے پاس چلا گیا۔ پھر ہم تین سال تک اکٹھے رہے...... یہاں سے پھر مولانا نذیر احمد خیر المدارس چلے گئے اور مجھے اُن کے بڑے بھائی حاجی محمد طفیل صاحب نے جو کہ میرے سرپرست تھے قاسم العلوم ملتان بھیج دیا۔

رفاقت کا زمانہ:

گویا ہماری رفاقت آج سے عربی مہینوں کے مطابق 57 سال اور انگریزی مہینوں کے حساب سے 55 سال پہلے شروع ہوئی۔ یہ مارچ 1949ء کا مہینہ تھا۔ پاکستان بنے ہوئے دوسرا سال تھا...... اتنے عرصے میں عربی مہینوں میں اور انگریزی مہینوں میں ڈیڑھ پونے دو سال کا فرق ہو جاتا ہے۔ اُس وقت سے ہمارے آپس میں وثیق روابط رہے......بہترین تعلقات رہے......پھر کسی درجہ میں رشتہ داری بھی ہوگئی...... ملنا جلنا رہا......**الحمدللہ** بہت اچھا دور گزرا۔

جامعہ امدادیہ کی بنیاد:

1403ھ میں مولانا نے دارالعلوم سے علیحدہ ہو کر جامعہ امدادیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ مجھے یہ سال اچھی طرح یاد ہے کیونکہ اُسی سال سید جاوید حسین شاہ صاحب ہمارے بابُ العلوم کو چھوڑ کر دارالعلوم میں شیخ الحدیث بن کے آئے تھے اس لئے مجھے وہ سال اچھی طرح یاد ہے۔

ابتداءً جامعہ امدادیہ کوٹھی میں شروع ہوا تھا اور بعد میں جب یہ پلاٹ خریدا گیا

(شاید پرانے حضرات کو یاد ہوگا) تو دورہ حدیث شریف کے افتتاح کا جلسہ اسی پلاٹ پر ہوا تھا لیکن ابھی رہائش اور تدریس کا سلسلہ وہیں پر جاری تھا۔ تو اس میدان میں سب سے پہلے افتتاح بخاری کے لئے حضرت مولانا مرحوم نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے ہی دعوت دی تھی...... گویا اس میدان میں بخاری کا افتتاح سب سے پہلے میں نے کروایا...... **الحمدللہ**...... اور اس میدان میں بخاری کا پہلا سبق میں نے پڑھایا تھا...... اس سے آپ میرے اور اُن کے تعلق کی نوعیت دیکھ لیں ...... اگلے سال چھپر کی شکل میں یہاں پر مسجد بنالی تھی لیکن پھر بھی افتتاح نہیں فرمایا۔

- اَب مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی چلے گئے۔
- اَب مولانا ضیاء القاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی چلے گئے۔
- اَب مولانا ظریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی چلے گئے۔

رفقاء ایک ایک کر کے چل دیئے اور میں پیچھے لڑھکتا پھر رہا ہوں ...... اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر کرے اور اُن رفقاء صالحین کی آخرت میں معیت نصیب فرمائے ...... یہ چند ایک جملے حق محبت ادا کرتے ہوئے میں نے ذکر کر دیئے۔

مَیں جنازہ بھی میں شریک ہوا تھا ......اُس دن بھی صاحبزادگان کا بہت اصرار تھا کہ میں سٹیج پر کچھ کہہ دوں ......لیکن اُس دن میرے بس میں نہیں تھا کہ کوئی بات کرتا۔ اس لئے میں نے اُن سے دست بستہ معذرت کر لی تھی اور یہاں جلسے پر آنے کے لئے کہا تو میں نے کہا کہ آؤں گا ضرور لیکن بیان کا کوئی وعدہ نہیں ہے...... کیونکہ میری طبیعت میں بہت ہیجان ہے، اور خیالات کا بہت دباؤ ہے...... اس لئے اس ادارے سے تعلق محبت کی بنا پر میں آؤں گا ضرور......

اللہ تعالیٰ سے خلوص دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو تا قیامت باقی رکھے...... اور اس کو آباد کرے اور جیسے اللہ تعالیٰ نے اس میں رونق عطا فرمائی ہے اس میں دن دگنی ترقی ہو...... اور یہ علمی باغیچہ اسی طرح پھلتا پھولتا رہے...... یہ تذکرہ چھیڑوں تو بہت لمبا

ہو جائے گا......اس لئے میں چاہتا ہوں کہ دو چار باتیں موقع محل کے مطابق عرض کردوں۔

حدیث قدسی:

یہ روایت جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہے۔ یہ حدیث قدسی کا ایک حصہ ہے۔ اہلِ علم نے تو اس کا ترجمہ سمجھ لیا ہوگا اور ترجمہ نہ سمجھنے والے حضرات کے لئے ترجمہ کردوں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اللہ فرماتا ہے کہ جو میرے ولی سے عداوت رکھے میری طرف سے اُس کے ساتھ جنگ کا اعلان ہے'' یاد رکھ لیں اچھی طرح۔

اللہ کے اعلان جنگ کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کے جنگ کے اعلان کا کیا مطلب؟ اس کو سمجھانے کے لئے تا کہ ہر کسی کی سمجھ میں بات آجائے آپ کے سامنے ایک واقعہ عرض کردوں تقریباً میرے اندازے کے مطابق یہ چالیس سال پہلے کی بات ہے...... اسی فتنے کے تذکرے میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ بیان شائع ہوا تھا...... اُس میں مولانا ہزاروی کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ لاہور سے سنا ہے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

لاہور میں ایک غزنوی خاندان ہے جس خاندان سے مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ غالباً اُن کے والد تھے یا اُن کے خاندان میں کوئی اور بڑے شخص تھے عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ خاندان مسلکاً اہلِ حدیث تھا لیکن بہت معتدل تھا......اور یہ تصوف کے بھی قائل تھے......اور پیری مریدی بھی کرتے تھے...... حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان آیا......جیسے بعض گستاخ قسم کے نوجوان ہوتے ہیں ......خاص اس طبقے سے تعلق رکھنے والے تو بہت ہی زبان کھولتے ہیں......اُس نوجوان نے آکر مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سامنے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت گستاخانہ انداز میں کیا......جس طرح آج بھی آپ اس طبقہ

کے بعض گستاخ قسم کے نوجوانوں کی باتیں سنتے رہتے ہیں...... بلکہ حضرت مولانا عاشق الٰہی علیہ الرحمۃ میرٹھی جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے......اُنہوں نے ایک مرتبہ ایک تحریر پاکستان بھیجی تھی جس میں اُنہوں نے لکھا تھا کہ یہاں پر بعض نوجوان ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے...... ابو جنیفہ کہتے ہیں......حنیفہ، حنف سے ہے اور اس کا معنی ہے باطل سے حق کی طرف آنے والا، سب سے ہٹ کر حق کی طرف آنے والا......اس لئے کہتے ہیں ملت ابراہیم حنیف اور جنیف کہتے ہیں حق سے باطل کی طرف مائل ہونے والے کو من خاف من موص جنفاً یہ لفظ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے تو وہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ابو حنیفہ نہیں...... ابو جنیفہ کہتے ہیں۔

اہل اللہ کی گستاخی کا انجام:

جب اُس نے گستاخی کا لب ولہجہ اختیار کیا تو مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہوکر کہا میرے پاس سے اُٹھ جاؤ...... دفعہ ہوجاؤ...... مجھے تم سے بے ایمانی کی بُو آتی ہے...... اُنہوں نے اس نوجوان کو دھتکار دیا...... جیسے میں نے عرض کیا کہ یہ بڑا اعتدال والا خاندان تھا...... ابھی تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ وہ نوجوان مرزائی ہوگیا ......مرتد ہوگیا...... قادیانی ہوگیا......حضرت مفتی محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ ذکر کرکے کہا کہ حضرت! آپ نے جس سے فرمایا تھا کہ مجھے تجھ سے بے ایمانی کی بو آتی ہے وہ نوجوان تو بے ایمان ہوگیا ہے...... وہ تو مرتد ہوگیا ہے......اس کا ایمان سلب ہوگیا ہے...... قادیانی ہوگیا ہے...... آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا تھا؟ آپ کو کس طرح احساس ہوا کہ اُس سے بے ایمانی کی بو آتی ہے۔؟

اس پر مولانا نے فرمایا...... وہ بدبخت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کررہا تھا ......اور میں ابوحنیفہ کو اللہ کا بہت مقبول بندہ سمجھتا ہوں...... اللہ کا ولی سمجھتا ہوں...... اُس وقت فوراً میرے ذہن میں یہ حدیث آئی کہ اللہ فرماتا ہے...... جو میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے اُس کے ساتھ میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے......اور اعلانِ جنگ

کسی کی طرف سے جب کسی کے خلاف ہوتا ہے۔تو وہ اپنے دشمن کی سب سے قیمتی چیز کو نقصان پہنچاتا ہے۔

سب سے قیمتی چیز:

دنیا میں بھی جنگیں ہوتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کی قیمتی سے قیمتی چیزیں تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ اللہ کے ہاں اس دنیا میں ایمان سے زیادہ کوئی قیمتی چیز نہیں ہے...... اس لئے دفعتاً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ اُس سے ایمان کی دولت چھین لے گا ......کیونکہ یہ اللہ کے ولی کی شان میں گستاخی کر رہا ہے...... اور جو اللہ کے ولی کی شان میں گستاخی کرے اس کے لئے اللہ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے...... جب اعلانِ جنگ ہے تو دُشمن کی قیمتی سے قیمتی چیز کو نقصان پہنچایا جاتا ہے...... اور اللہ کے نزدیک ایمان سے قیمتی کوئی چیز نہیں ......اس لئے فوراً میرے ذہن میں آیا کہ اس نوجوان کے پاس ایمان نہیں رہے گا...... چنانچہ ایمان سلب ہو گیا...... یہ معنی ہے **من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنته بالحرب** کا ...... یہ مطلب سمجھانے کے لئے میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا۔

ایمان کی قدر و قیمت:

اب اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی بات یہ کہ اللہ کے ہاں انسان کے پاس موجود اشیاء میں سے سب سے قیمتی چیز ایمان ہے۔ایمان کتنا قیمتی ہے؟ اگر آپ کو اس کا تعارف کراؤں تو قرآن کریم کی ایک ہی آیت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافر آخرت میں جس وقت عذاب کو دیکھیں گے اُس وقت اگر اُن کے پاس ”ملٔ الارض ذهباً“ پوری زمین سونے کی بھری ہوئی ہو......صرف ایک پہاڑ نہیں...... دنیا کے پہاڑوں کو آپ دیکھیں کتنے زیادہ اور کتنے بڑے ہیں؟......لیکن اُن سے بھی زمین بھری ہوئی نہیں ہے...... زمین بھری ہوئی ہو اور زمین سے لے کر آسمان تک سونا ہی سونا ہو اگر وہ دے کر عذاب سے جان چھڑانا چاہیں گے تو اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا

......وہاں عذاب سے اگر جان چھوٹے گی تو ایمان کی برکت سے چھوٹے گی۔

اُس وقت پتہ چلے گا کہ **مل الارض ذھباً** سے بھی انسان کا ایمان زیادہ قیمتی ہے۔ یہ اتنی قیمتی چیز ہے...... اور ایمان کی دولت کہاں سے ملتی ہے؟ یہ اہل اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے سے ملتی ہے...... اور انہیں مدارس میں جہاں پر قرآن کریم وحدیث کی صحیح تعلیم ہوتی ہے ایمان کی دولت تقسیم ہوتی ہے...... یہاں سے اس دولت کو حاصل کیجئے ......اور پھر اُس کی حفاظت کی کوشش کیجئے ......اور اُس کی حفاظت کیلئے انتہائی ضروری ہے کہ اہل اللہ کے متعلق اپنی زبانوں کو سنبھال کر رکھیے۔ کسی اللہ کے ولی کی شان میں کسی قسم کی گستاخی نہیں ہونی چاہیئے......اہل اللہ......اللہ کے ولی......اللہ کے دوست وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اس دور میں :

- اپنے دین کی خدمت کیلئے منتخب کرلیا۔
- قرآن وحدیث کی خدمت کے لئے جس کو منتخب کرلیا۔
- اور ایمان کی دولت تقسیم کرنے کے لئے منتخب کرلیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کا ولی ہے اور اللہ کا مقبول بندہ ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت ساری خصوصیات ہیں ......اُن میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ عالم آدمی کے لئے:

- پرندے بھی استغفار کرتے ہیں۔
- سمندر کی مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔
- اپنے بلوں میں چیونٹیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۱/ ۱۔ مشکوٰۃ ص ۳۴/ ۱)

اس لئے کبھی کبھی میں سوچا کرتا ہوں کہ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے اگر اُس سے خطا ہو بھی جائے لیکن اگر وہ علم پھیلاتا ہے۔

- لوگوں کے سامنے علم کی دولت رکھتا ہے۔

- لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔
- لوگوں کے سامنے دین کی باتیں کرتا ہے۔

تو ساری کائنات اُس کے لئے اللہ سے استغفار کرتی ہے کتنا خوش نصیب ہے یہ انسان اس اعتبار سے۔

اللہ اپنے کرم کے ساتھ اُن لوگوں کو نوازتا ہے جو دنیا میں ایمان کو تقسیم کرتے ہیں۔ اُن کے لئے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اُن کے ساتھ محبت رکھنے کی ضرورت ہے۔یہی بات ہے جس کو میں مزید پھیلا کر کہنا چاہتا تھا لیکن اب وقت میں گنجائش نہیں۔

کافروں کا پروپیگنڈہ:

اوراس وقت تمام دنیا میں علماء کا عوام سے تعلق توڑنے کے لئے ساری دنیائے کفر متحد ہے اور سارا میڈیا اس پروپیگنڈہ کو پھیلاتا ہے۔

- علماء کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔
- دین کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔

تاکہ عوام کے دل دماغ میں

- علماء کی عظمت نہ رہے۔
- علماء کی عزت نہ رہے۔

کیونکہ یہ جب تک

- علماء سے ملتے رہیں گے۔
- ان مراکز علم کے ساتھ جڑے رہیں گے۔

اُس وقت تک اُن کے پاس ایمان کی دولت موجود رہے گی۔

ایمان جانبازی سکھاتا ہے:

ایمان کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ مومن آدمی حق کے لئے مرنے اور

جان دینے سے ڈرتا نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے جو ایمان کی برکت سے نصیب ہوتی ہے کہ مومن آدمی باطل کے مقابلے میں حق کا ساتھ دیتا ہوا اور اس کفرستان میں......اور اس کفر گھر میں......حق کی اذان دیتا ہوا مرنے مارنے سے ڈرتا نہیں ہے......موت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں رہتی......اور کفر کے لئے سب سے بڑی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس ایمان کی برکت سے مسلمانوں میں جانبازی آجاتی ہے اور یہ جانبازی ان میں سے اُس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اُن کا رابطہ علماء سے ختم نہ ہو......اس لئے اس قسم کی بے دینی اختیار کرنے کے لئے یہ جس طرح کے حیلے استعمال کرتے ہیں......ان سب سے بچاؤ ان مدارس اور علماء کے ساتھ رابطے میں ہے

آخر میں ایک دلچسپ اور انتہائی فکر انگیز بات کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں......کراچی کے ماہنامہ ''نوائے احتشام'' کے شمارہ جون 2004ء کے ایک صفحے کا فوٹوسٹیٹ ایک دوست نے مجھے بھیجا...... ہوسکتا ہے یہ رسالہ آپ حضرات میں سے کسی کے پاس آتا ہو...... ہمارے ہاں کہروڑپکا میں یہ پرچہ نہیں آتا......اس لئے میرے ذہن میں تھا کہ پوچھوں گا کہ اگر یہاں پر جامعہ امدادیہ میں آتا ہو تو مجھے وہ دکھائیں تاکہ فوٹوسٹیٹ کی بجائے میں وہ اصل پرچہ دیکھ لوں...... البتہ وہ فوٹوسٹیٹ میں نے پڑھا ہے آپ بھی دیکھ لیں تاکہ اس بات کی تصدیق ہوجائے۔

اپنے اس پرچے میں اُنہوں نے آنے والے وقت کے متعلق پیش گوئیاں ذکر کی ہیں......بعض علاماتِ قیامت کے متعلق پیش گوئیاں کی ہیں۔

ہندوستان کے بارے میں پیش گوئی:

اُن میں سے ایک پیش گوئی یہ بھی ہے کہ آٹھ سو سال قبل ایک بزرگ غالباً نعمت اللہ نامی شخص گزرے ہیں...... وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوجائے گا......ایک حصہ ہند ہوگا......اور دوسرا حصہ مملکتِ اسلامیہ ہوگا......تقسیم کے بعد جو حصہ مملکتِ اسلامیہ کہلائے گا اُس میں:

- چوری۔
- ڈاکہ۔
- قتل۔
- زنا۔

اس قسم کے جرائم کی بہت کثرت ہوجائے گی اور اُس مملکت کے حکام بظاہر مسلمان کہلائیں گے لیکن حقیقت میں کفر کے ایجنٹ ہوں گے یا کافروں کے ایجنٹ ہوں گے...... یہ نوائے احتشام کی عبارت سنا رہا ہوں آپ کو...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عادلانہ فیصلہ ہوگا...... اُس کے بعد بہت خونریزی ہوگی ...... ہندو مملکتِ اسلامیہ پر ٹوٹ پڑیں گے اور مملکت کے ایک بہت اہم شہر کو وہ برباد کردیں گے...... اور اُس کے بعد مسلمانوں کی فوجیں پورے جوش وخروش کے ساتھ اُٹھیں گی اور اتنی شدید گھمسان کی لڑائی ہوگی کہ دریا سندھ کا پانی خون کے ساتھ سرخ ہوجائے گا ...... اتنی قتل و غارت ہوگی ...... اور یہ واقعہ دو عیدوں کے درمیان میں ہوگا ...... اب یہ اللہ بہتر جانے کہ یہی آنے والی دو عیدیں ہیں یا ابھی اسمیں کتنے سالوں کا فاصلہ باقی ہے۔

بہرحال ہمارے لئے ڈرنے کی بات یہ ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ مملکتِ اسلامیہ کے حکام بظاہر مسلمان ہوں گے لیکن حقیقت میں کفر کے ایجنٹ ہوں گے...... ہمیں اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں ہے...... اس لئے اب ڈرنا چاہیۓ اور اللہ تعالیٰ سے خوب اچھی طرح استغفار کرنا چاہیۓ...... اللہ تعالیٰ اس عذاب سے محفوظ رکھے جس کو اس پیش گوئی کے اندر پیش کیا گیا ہے...... اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں تبلیغ کرو، اور اُن کو برائیوں سے بچانے کی کوشش کرو، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، یہ تو بہت پرانے بزرگوں کی پیش گوئی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی:

لگے ہاتھوں آپ کو ایک اور پیش گوئی بھی سنا دیتا ہوں جس سے اپنے بزرگوں

کی فراست کا پتہ چلتا ہے۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سب جانتے ہیں...... حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے بعد شیخ الاسلام کا لقب اُنہیں کیلئے تھا...... اُنہوں نے اپنی خودنوشت مختصر سوانح آ ثار ظفر کے نام سے تحریر کی ہے...... چھوٹے چھوٹے دو اجزاء میں...... میرے پاس بابُ العلوم میں یہ دونوں جزء موجود ہیں...... اُس میں حضرت فرماتے ہیں (جس دن میں نے وہ پڑھی مجھے اپنے بزرگوں کی فراست پر پہلے سے زیادہ اعتماد ہوگیا اور میں ان کی فراست کا پہلے سے زیادہ قائل ہوگیا) کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن فرمایا (یہ حضرت کے سگے بھانجے ہیں اور حضرت بات کرتے وقت اُن کو مولوی ظفر سے خطاب کرتے تھے) مولوی ظفر یہ لیگ والے وعدے تو بہت کرتے ہیں کہ پاکستان میں اسلام نافذ کریں گے ...... پتہ نہیں یہ اسلام نافذ کریں گے یا کمال اَتاتُرک کی طرح دین میں تحریف کریں گے۔؟ اب سالہا سال گزر جانے کے باوجود دلوں میں نفاق ہے اور اسلام لیگ والوں سے نافذ ہونا تھا اور نہ ہوا۔!!

حضرت رائے پوری کی پیش گوئی:

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات میں ہے کہ ان کا یہ پروگرام تو پہلے دن سے تھا کہ ہم نے پاکستان کا حال ......

- کمال اَتاتُرک والا کرنا ہے۔
- یہاں سے علماء کو ختم کرنا ہے۔
- یہاں سے دین کو ختم کرنا ہے۔
- اسے سیکولر اسٹیٹ بنانا ہے۔
- اسے یورپی معیار پر لے جانا ہے۔

ہمارے علماء...... اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں کو منور کرے ......جنہوں نے اُن کا

ساتھ دیا ......اُن کی حیاء اُن کی آنکھوں میں تھی جب تک وہ زندہ رہے اُن کی شرم کرتے رہے بے دینی علی الاعلان اُنھوں نے لانے کی کوشش نہیں کی۔

اللہ کی طرف سے تحفظ یہ ہوا کہ پاکستان بننے کے بعد ہی اُنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنی شروع کردیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ دوسروں کو بھول گئے ورنہ سب سے پہلے یہ بات سکندر مرزا نے کہی تھی کہ میں علماء کے لئے کشتی تیار کررہا ہوں ان سب کو سمندر میں غرق کروں گا لیکن اللہ نے اُسی کا بیڑا غرق کردیا۔

اَکابر کی فراست

لیکن اللہ بھلا کرے کتنے سالوں کے بعد بالآخر وہ حاکم بھی آ گیا جس نے دل کی بات اپنی زبان سے کہہ دی......اُس نے اپنی پہلی تقریر میں کہہ دیا کہ میرے لئے مصطفیٰ کمال اتاترک آئیڈیل شخصیت ہے......مطلب یہ ہے کہ وہ میرے لئے نمونہ ہے...... میں نے حکومت ویسے کرنی ہے...... جیسے کمال اتاترک نے کی تھی ......جس دن یہ بات سامنے آ گئی ......حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وہ الفاظ میرے لئے مزید بصیرت کا باعث بن گئے کہ دیکھو ہمارے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے کیسی بصیرت دی ہوئی تھی؟ کہ ان کے دل کے اندر کھٹکنے والی بات آج واقعہ بن کر سامنے آ رہی ہے۔ اس لئے اُن کے لئے بھی ہدایت کی دعا کرو۔ کہ اللہ اُن کو ہدایت دے اور اگر اُن کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ پاکستان اور مسلمانوں کی اُن سے جان چھڑائے۔

اِن مدارس کو آباد رکھنے کی کوشش کیجئے۔ ان کے لئے خوب خوب دعائیں کیجئے۔ اصل میں مَیں اپنے مرحوم بھائی کے ساتھ رفاقت کا حق ادا کرنے کے لئے آپ کے سامنے آ بیٹھا تھا...... اُلٹی سیدھی دو چار باتیں کردی ہیں...... اگر زبان سے کوئی اچھی بات نکلی ہے تو اللہ قبول فرمائے ......اور اگر کمی بیشی ہے تو اللہ معاف فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

❀❀❀❀

فضیلت ذکر

بموقع: محفل ذکر

بمقام: خانقاہ حضرت پیر ناصر الدین خان خاکوانی (ملتان)

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: ۲۶ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!

اما بعد!

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مَا الْاِ یْمَا نُ ؟ قَالَ اَذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ

وَسَاءَ تْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَ نْتَ مُؤمِنُ۔

قَالَ مَا الْاِ ثْمُ ؟ قَالَ اِذَا حَاکَ فِیْ صَدْرِکَ شَیْئٌ فَدَ عْہٗ

(مسند احمد۔رقم ۲۱۱۴۵۔مشکوٰۃ ۱/۱۶)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

❀❀❀

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول:

ہمارے اکابرین میں سے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے متعلقین کو لاہور میں ہر چاند کی پہلی جمعرات کو جمع کیا کرتے تھے ......وقت متعین تھا اس لئے کسی کو پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی......مجلسِ ذکر سے پہلے حضرت کا عام معمول تھا کہ اُس مجلس میں ایک حدیث اکثر وبیشتر بیان کیا کرتے تھے اور اُس کے بعد وعظ فرماتے تھے......چونکہ وہ مجلس ذکر خدام الدین میں چھپا کرتی تھی اور میں اُس کو باقاعدگی کے ساتھ پڑھتا تھا یہ آج سے تقریباً 45سال پہلے کی بات ہے۔

چنانچہ حدیثِ پاک کے حوالے سے حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کی خاص ڈیوٹیاں متعین کی ہوئی ہیں مثلاً کاتب اعمال، اور اُس کے علاوہ دوسرے بھی جن کی مختلف ڈیوٹیاں متعین ہیں ......لیکن کچھ فرشتوں کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ اہل ذکر کی مجلس کو تلاش کریں جہاں پر ذاکرین اکٹھے ہوں ......لہٰذا وہ زمین کا چکر لگاتے ہیں اور جہاں اللہ کا ذکر کرنے والے کچھ لوگ جمع ہوں وہاں پر اکٹھے ہوتے ہیں...... بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ دوسرے فرشتوں کو بھی آواز دیتے ہیں کہ...... آجاؤ، آجاؤ ......تمہارا مطلوب یہاں ہے...... اور اتنے فرشتے جمع ہوجاتے ہیں کہ زمین سے لے کر آسمان تک فضا بھر جاتی ہے......مجلس برخاست ہوتی ہے تو وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوتے ہیں جیسے کہ اللہ نے اپنی حکمت کے تحت ایک نظم قائم کر رکھا ہے۔

فرشتوں سے سوال:

تو اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں میرے بندوں کو تم نے کس حال میں پایا......فرشتے کہتے ہیں یا اللہ وہ:

- تیری تسبیح پڑھ رہے تھے۔

- تیرا ذکر کر رہے تھے۔
- تجھے یاد کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود اُن فرشتوں سے کہتے ہیں مجھے وہ یاد کر رہے تھے، کیا اُنہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یا اللہ آپ کو دیکھا تو نہیں ......فرمایا کہ جب اُن کا بن دیکھے یہ حال ہے کہ مجھے یاد کرتے ہیں اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا۔؟

اگلا سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ مانگتے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں جی ہاں جنت مانگتے تھے...... اللہ فرماتے ہیں کہ کیا اُنہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں......اللہ فرماتے ہیں کہ بن دیکھے اُن کو جنت کا اس قدر شوق ہے اگر وہ اُسے دیکھ لیتے تو اُن کے شوق کا کیا حال ہوتا؟ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا وہ کسی چیز سے پناہ بھی مانگتے تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جی ہاں جہنم سے پناہ مانگتے تھے؟ اللہ فرماتے ہیں کہ کیا اُنہوں نے جہنم دیکھی ہے جس سے ڈر کے وہ پناہ مانگتے تھے وہ کہتے ہیں کہ نہیں......فرمایا کہ اُن کو بن دیکھے اس قدر خوف اور ڈر ہے اگر وہ جہنم کو دیکھ لیتے تو اُن کا کیا حال ہوتا۔؟

اہل ذکر کے لئے بشارت:

یہ باتیں کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سب گواہ ہو جاؤ...... اُس مجلس کے اندر جتنے افراد بیٹھے تھے میں نے اُن سب کو بخش دیا ......جس وقت اللہ کی طرف سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ جو اُس مجلس میں شریک تھے میں نے سب کو بخش دیا...... اُس وقت ایک فرشتہ بولتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ فلاں آدمی اُس مجلس میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آیا تھا......وہ تو اپنے کام سے آیا تھا اتفاقاً بیٹھ گیا یا کسی کے متعلق کہا کہ وہ تو بہت گناہ گار ہے اُس نے بہت بڑے بڑے جرم کئے ہوئے ہیں اُس کو بھی بخش دیا آپ نے؟ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاں اُس کو بھی بخش دیا۔

ھولاء قوم لایشقیٰ جلیسھم (بخاری ص ج ،مسلم ص ج وغیرھا)

کہ یہ لوگ ہی ایسے ہیں جو اُن کے پاس بیٹھ گیا وہ وہ بدنصیب نہیں ہوتا (سبحان اللہ)

روایت کا مقصد:

اس روایت کو اس وقت پیش کرنے کا مقصد آپ کو اور اپنے آپ کو یہ بشارت سنانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجلس کی برکت سے جو بالیقین ذاکرین کی مجلس ہے...... اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے صدقے ہم سب کی مغفرت کردے۔ (آمین)

اللہ سے ہم نشینی کا ذریعہ:

ایک روایت میں آتا ہے اللہ فرماتے ہیں **انا جلیس من ذکرنی** (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۸)

جو مجھے یاد کرتا ہے میں اُس کا ہم نشین ہوں ، میں اُس کے ساتھ ہوں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کو اپنے اس ترجمے کے ساتھ ذکر کیا۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
ہم نشینی در حضور اولیاء

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہے اسے کہو کہ اولیاء اللہ کی مجلس میں بیٹھا کرے مطلب یہ ہے کہ اولیاء کی مجلس میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کی ہم نشینی حاصل ہوجاتی ہے۔

اس اجتماع میں جو کہ ذاکرین کا ہے اور ہم سب ذکر کے عنوان سے ہی اکٹھے ہیں ایک دفعہ پہلے حاضر ہونے کا موقع ملا۔ اور دوسری دفعہ آج حاضر ہوا ہوں...... یہاں پر اس مجمع کو دیکھ کر اور ذوق اور پیار کو دیکھ کر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آتی ہے...... آپ فرماتے ہیں۔

کس نہ بیند تشنگان حجاز
کہ برلب شور گرد آیند
ہرکجا بود چشمہ شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

حجاز کے علاقے میں پانی کی پہلے بہت قلت تھی اب تو ماشاء اللہ پانی کی نہریں بہتی ہیں...... اُس وقت پانی کی بہت قلت تھی...... شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجاز کے پیاسے کسی نے نہیں دیکھے کہ کڑوے پانی کے اردگرد جمع ہوجائیں ...... ہرکجا چشمہ بود شیریں...... اور جہاں پر میٹھا چشمہ ہوتا ہے تو...... مرغ و مور گرد آیند...... وہاں پر پرندے سانپ اور کیڑے مکوڑے سب جمع ہوجاتے ہیں......انسانوں نے تو آنا ہی ہے ہرمخلوق اُدھرکو بھاگتی ہے۔ جہاں چشمہ شیریں ہوتا ہے...... اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کا سایہ تادیر سلامت رکھے...... یہ چشمہ شیریں ہونے کی کتنی بہترین دلیل ہے کہ مختلف حصوں سے...... دور دراز سے کس طرح لوگ جمع ہوئے ہیں...... سچی بات یہ ہے کہ اس نسبت میں یہ کشش ہے...... اور اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہمیں چشمہ شیریں ملا ہوا ہے...... اللہ کریم ان کی عمر دراز فرمائے...... اور مخلوق کے لئے ان کی ذات کو مزید ہدایت کا ذریعہ بنائے...... جنگل میں منگل تو آپ سنتے رہتے ہیں...... **الحمد للہ** یہاں آنے کے بعد یہ منظر بالکل آنکھوں کے سامنے ہے...... اس مجمع کو دیکھ کر جو ایک سرور کی کیفیت تھی اُس کا میں نے اظہار کیا ہے...... اور جو روایت میں نے پڑھی ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان میں موجود ہے۔

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ایمان کی نشانی کیا ہے؟ بہت اہم سوال ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں اور اللہ نے ہمیں ایمان کی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کیا ہے:

ایمان ایک دل میں چھپی ہوئی چیز ہے...... ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ وہ تو آپ سب جانتے ہیں ...... کیونکہ ایمان مفصل اور ایمان مجمل آپ پڑھتے ہیں ...... کچھ عقیدوں کا نام ہے...... جو دل کی تہہ میں بیٹھے ہوئے ہیں ...... جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے تو اُنہوں نے بھی عرض کیا تھا **اخبرنی عن الایمان؟**...... مجھے بتایئے ایمان کیا چیز ہے؟ وہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا کہ:

- ایمان ہے اللہ کو ماننا۔
- اللہ کے رسولوں کو ماننا۔
- اللہ کی کتابوں کو ماننا۔
- اللہ کے فرشتوں کو ماننا۔
- اللہ کی تقدیر کو ماننا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱/ ا۔ مسلم ص ۱/۲۶)

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبرائیل میں تفصیل بیان فرمائی جیسے کہ آپ حضرات میں علماء طلباء کی کثرت نظر آ رہی ہے اور حدیث جبرائیل آپ کے سامنے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا جواب عقائد کی تفصیل کے ساتھ دیا تھا کہ یہ عقیدے اختیار کر لئے جائیں تو یہ سمجھ لو کہ دل میں ایمان آ گیا۔

ایمان کی نشانی:

لیکن جب ایمان ایک مخفی حقیقت ہے اور آنکھوں سے نظر نہیں آتا تو سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ اس کی نشانی اور اس کی علامت کیا ہے؟ کہ جس سے ہم سمجھ جائیں کہ یہ شخص مومن ہے...... یہ ایمان کو پہچاننے کے لئے بہت اہم سوال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب نیکی کر کے تیرا دل خوش ہو اور اگر کوئی برا کام ہو جائے تو تجھ پر غم طاری ہو جائے تو سمجھ لینا کہ تو مومن ہے...... (سبحان اللہ) اس بات کو دو چار لفظوں میں سمجھاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں:

- دیکھنے کے لئے آنکھیں دی ہیں۔
- سننے کے لئے کان دیئے ہیں۔
- آنکھیں دیکھنے کے لئے دی ہیں
- ہاتھ چھونے پکڑنے کے لئے دیئے۔
- زبان بولنے کے لئے دی ہے۔

قوت لامسہ ہے، قوت سماعت ہے، قوت بصارت ہے یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حواس رکھے ہیں ان میں سے ایک حاسہ ذوق بھی ہے اُس کا تعلق زبان کے ساتھ ہے جس کے ساتھ ہم کسی چیز کا مزا چکھتے ہیں۔ مزا زبان سے محسوس ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان صحت مند ہو اور اُس کی زبان کا ذائقہ ٹھیک ہو تو کڑوی چیز کو کڑوی محسوس کرے گا۔ میٹھی چیز کو میٹھی محسوس کرے گا۔ مٹھائی کھائے گا تو اُس کو میٹھی لگے گی۔ مرچ وغیرہ کھائے گا تو کڑوی لگے گی۔ یہ انسان کے ذائقہ کے درست ہونے کی علامت ہے۔ لیکن کبھی کبھی صفراوی بخار کی حالت میں انسان کے منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے تو آپ جانتے ہیں اگر اُس وقت انسان جلیبی اور گڑ بھی کھائے تو کڑوا لگتا ہے۔ کیونکہ اُس کا ذائقہ بگڑ گیا اور ایسے ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو سانپ کاٹ جائے اور سانپ کا زہر بدن میں چڑھ جائے تو اس کو اَکۡ اور نیم جیسی کڑوی چیزیں بھی اُس کو میٹھی لگتی ہیں۔ کڑوی نہیں لگتیں۔ یہ بھی ذائقہ کے خراب ہونے کی علامت ہے۔ اُس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ انسان کی ذائقے والی حس خراب ہوگئی ہے پھر آپ علاج کرواتے ہیں منہ کا ذائقہ ٹھیک کروانے کے لئے اور طبیب و ڈاکٹر کی دوا لینے کے ساتھ آپ کی حس ٹھیک ہو جائے گی جس طرح اللہ تعالیٰ نے زبان میں یہ حس رکھی ہے جس سے کڑوے اور میٹھے کا فرق محسوس ہوتا ہے۔

باطنی حس کی خرابی:

اسی طرح ایک باطنی حس بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلب کے اندر ایک باطنی حس بھی رکھی

ہے۔ وہ ٹھیک بھی ہوتی ہے بگڑتی بھی ہے۔ اگر قلب صحیح ہو اور اُس کی حس بھی درست ہو تو نیکی کا صادر ہونا ایسے ہے جیسے آپ نے مٹھائی کھالی اور اُس کے کھانے کے بعد طبیعت میں سرور آ گیا۔ اللہ کی طرف سے اگر نیکی کی توفیق ہو جائے تو انسان کو ایسے ہی سرور آتا ہے۔ اور اگر یہ حس خراب ہو جائے۔

- کفر کے ذریعے سے۔
- شرک کے ذریعے سے۔
- گناہ کے ذریعے سے۔

تو پھر گناہ میں لذت آتی ہے اور نیکی کرتے ہوئے اُس کی طبیعت پر انقباض طاری ہوتا ہے۔ اور ایسے ہے کہ جیسے اُس کی طبیعت مضمحل ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ سادہ لفظوں میں سمجھیں۔۔۔ آپ کے سامنے ایسے لوگ ہوں گے جن کو مسجد میں پانچ منٹ بھی بیٹھنا پڑ جائے تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ٹی وی پر بٹھادیں تو ساری رات بیٹھے ڈرامہ دیکھتے رہیں گے۔ گویا ٹی وی میں جو خرافات ہوتی ہیں وہ اُن کی طبیعت کے ساتھ راس ہیں۔ وہاں گھنٹوں بھی بیٹھنا پڑ جائے تو انقباض محسوس نہیں کرتے ۔اور اگر مسجد میں بیٹھنا پڑ جائے تو پانچ منٹ بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ اُن کے دل کی حس خراب ہو گئی ہے۔ اُن کے لئے برائی مرغوب فیہ ہو گئی اور نیکی اُن کے لئے تنفر کا باعث بن گئی۔ اُن کے لئے:

- قرآن کریم کی تلاوت مشکل ہے۔
- بزرگوں کے حالات کی کتابیں دیکھنی مشکل ہیں۔
- وعظ و نصیحت کی کتاب پڑھنی مشکل ہے۔

اور اگر کوئی ناول ہاتھ میں آ جائے تو ہوش ہی نہیں ہوتا کہ کہاں ہیں کہاں نہیں ہیں۔ گھنٹوں گھنٹوں بیٹھ کر پڑھتے رہیں گے اور طبیعت ذرا بھی نہیں اُکتاتی۔ اور قرآن کریم پڑھنے کو طبیعت مانتی ہی نہیں۔ بس یوں سمجھیں کہ اُنکی باطنی حس خراب ہو گئی ہے۔

جب نیکی اور بدی کی تمیز نہیں رہتی تو اس وقت دل کی حس خراب ہو جاتی ہے۔

باطنی حس کا علاج:

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ یہی مثال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

که صحت ایں حس بجوید از طبیب
و صحت آں حس بجوید از حبیب

کہ ظاہری حس خراب ہو جائے تو طبیب تلاش کرو کہ وہ تمہاری حس ٹھیک کر دے لیکن اگر باطنی حس خراب ہو جائے تو پھر دوا طبیبوں سے نہیں، حبیبوں سے لیا کرو۔ اس لئے اُن سے تعلق ہو جانا، اور اُن کی مجلس میں شریک ہونا ایمان کے محفوظ ہونے کا سب سے اچھا ذریعہ ہے۔ اور اُس کے ذریعہ سے ایمان والی حس بیدار ہوتی ہے۔ دل روشن ہوتا ہے اللہ کے ذکر کے ساتھ۔ اور اللہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ زیادہ اہمیت ہے صحبت صالح کی۔ اچھی صحبت، اچھا تعلق اور اچھی مجلس اختیار کی جائے تو اُس کے ذریعہ سے انسان کی باطنی حس بیدار ہوتی ہے اور اُس کو نیکی اور برائی کی تمیز ہوتی ہے۔

ظاہری اور باطنی حس کا فرق اس طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نیکوں کے ساتھ تعلق جوڑ دیا اور اُن کی مجلس نصیب فرمائی اور اُن مجلسوں کے بغیر، صالحین کی صحبت اختیار کئے بغیر، دین کا رنگ نہیں چڑھتا اس پر بھی حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات سناتا ہوں۔

علماء وصوفیاء کی مثال:

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کرتے تھے جو میں نے خود اُن کی زبان سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک ہوتا ہے رنگ ساز جیسے فیکٹری یا کارخانہ جو رنگ بناتے ہیں۔ اور ایک رنگ فروش ہوتا ہے جو بازار میں دکان پر بیٹھ کر رنگ فروخت کرتا ہے۔ آپ وہاں پر جائیں آپ کو جو رنگ چاہیئے مل جائے گا۔ اور ایک ہوتا ہے رنگ ریز جو کپڑے پر

رنگ چڑھاتا ہے۔آپ یہ تین طبقے بیان فرمایا کرتے تھے۔

دین اللہ نے بنایا، **صبغة الله و من احسن من الله صبغة**، اس آیت میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔ یوں سمجھو کہ اللہ رنگ ساز ہے اُس نے رنگ بنادیا علماء رنگ فروش ہیں۔اُن سے مسئلہ پوچھو جو چاہو یہ آپکو مسئلہ بتا دیں گے۔حضرت کا معمول یہ تھا کہ رمضان شریف سے لے کر عیدالاضحیٰ تک ترجمہ پڑھایا کرتے تھے اور ترجمہ پڑھنے کے لئے فارغ التحصیل علماء داخل فرماتے تھے۔اور کہتے تھے کہ میرے پاس ایسے ایسے فارغ التحصیل علماء آتے ہیں کہ اُن کو نماز تک کی عادت نہیں ہوتی۔

اگر اُن سے کہو کہ فضائلِ تہجد پر تقریر کردو تو کم از کم دو گھنٹے لگادیں گے لیکن جب تہجد کا وقت آئے گا اس وقت سوئے ہوئے ہوں گے۔ اُن سے تقریر سن لو بڑی زوردار تقریر ہوگی۔فرماتے تھے کہ جب یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر جاتے ہیں تو تہجد کے بھی پابند ہوتے ہیں۔اور فرماتے تھے کہ علماء رنگ فروش ہیں یہ آپ کو مسئلہ تو بتا سکتے ہیں۔اور صوفیا رنگ ریز ہوتے ہیں۔ رنگ چڑھانا صوفیاء کا کام ہے۔ اُن کے پاس بیٹھنے سے انسان کے اُوپر دین کا رنگ چڑھتا ہے۔ دین وہی ہے جو قرآن وحدیث میں ہے اس میں کوئی شک نہیں اور علماء قرآن بھی بیان کریں گے حدیث بھی بیان کریں گے لیکن اُس کو دل دماغ کے اندر رچا بسا دینا یہ اہل اللہ کا کام ہے۔

حضور ﷺ کی چار شانیں:

اور یہی وہ شان ہے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کو قرآن کریم نے ذکر کیا ہے ......تلاوت کتاب ...... تعلیم کتاب...... تعلیم حکمت...... اور تزکیۂ نفس ...... یہ حضور ﷺ کے منصب ذکر کئے گئے ہیں۔سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ ساری باتیں جمع تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری باتیں بیان فرمائیں۔

لیکن جیسے جیسے اُمت کا پھیلاؤ ہوا مشغولیت بڑھی۔ ہرفن نے ترقی کی تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چار شانیں بھی تقسیم ہوگئیں۔تلاوت کتاب یہ حافظوں اور

قاریوں کے حصے میں آ گئی...... تعلیم کتاب وحکمت مدارس کے حصے میں آ گئی...... اور تزکیۂ نفوس کے کام کے لئے یہ خانقاہیں بن گئیں گویا خانقاہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تزکیہ نفوس والی شان کے مرکز ہیں۔ یہاں پر آ کر عملی زندگی اختیار کی جاتی ہے۔

- یہاں بیٹھو گے نماز کی پابندی ہوگی۔
- یہاں پر بیٹھو گے تہجد کا شوق ہوگا۔

اللہ سے محبت کا ذریعہ

اہل اللہ کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنی حرارت عشق رکھی ہوئی ہے وہ اُن کے پاس بیٹھنے والوں پر بھی اَثر انداز ہوتی ہے۔ اور اللہ کا عشق اور اللہ کی محبت دلوں کے اندر جاگزیں ہوتی ہے۔ اور جب دل میں جاگزیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزیں اختیار کرو گے۔ اور اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے نفرت کرو گے ۔اور یہ دولت اولیاء اللہ کے قرب سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں اور آپ سب کو اہل اللہ کی مجلس میں آنے کی توفیق دی۔

ایک آخری بات آج کل کے ماحول سے عرض کروں......عیسائیوں اور یہودیوں کی بدتمیزی کی بناء پر جس طرح ساری دنیا میں اودھم مچا ہوا ہے۔ جیسے نماز سے پہلے ایک مولانا صاحب آپ کے سامنے بیان کررہے تھے ۔عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے یہ بہت دل آزار واقعہ پیش آیا...... اور پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان بیٹھا تھا کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو وہ اس گستاخی کی بنا پر غصے میں ہے ناراضگی میں ہے...... جلسے وجلوسوں اور تحریر وبیانات کے ذریعہ سے اس پر لعنت بھیج رہے ہیں اور نفرت کا اظہار کررہے ہیں...... یہ قصہ پوری دنیا میں جاری ہے۔

عیسائی اور یہودی اسلام کے دشمن ہیں:

یہ عیسائی اور یہودی پہلے دن سے ہی اسلام کے مقابلے میں ہیں۔

لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الیھود ولاالنصارٰی حتی تتبع ملتھم ۔

اللہ فرماتا ہے کہ یہ عیسائی اور یہودی کبھی بھی آپ پر خوش نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ان کا دین اور مذہب اختیار نہ کرو گے......لیکن جس کو ایک دفعہ اسلام نصیب ہو جائے وہ آپ جانتے ہیں کہ سخت سے سخت آفتیں برداشت کر لیتا ہے......اس دین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

یہ ناشکرے لوگ ہیں اور اللہ کی طرف سے اس ناشکری پر ان شاء اللہ العزیز ان کو سزا ملے گی ......ناشکرے کس طرح؟ یہودی کائنات کی خبیث ترین مخلوق ہے۔

ضُرِبَتْ علیهم الذلة والمسکنة وباء وا بغضب من اللہ

یہ دلیل ہے کہ مسکنت آمیز ذلت تھوپ دی گئی اور اللہ کا غضب اِن کے ساتھ چمٹا ہوا ہے......اب اُنہوں نے عیسائیوں کو بھی دھوکہ دے کر اپنے ساتھ شامل کیا ہوا ہے۔

عیسائیوں پر افسوس:

افسوس تو عیسائیوں پر ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کا کلمہ پڑھا ہے جبکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہیں ......حضرت مریم علیہا السلام ہمارے لئے ویسے ہی باعزت ہیں ......جس طرح اُمہات المومنین ہیں ......اِسی لئے ہم جب بھی اُن کا نام لیتے ہیں ہمیشہ ادب کے ساتھ نام لیتے ہیں...... یہودیوں نے اُن کو بدکردار قرار دیا اور اُن پر تہمت لگائی...... وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریف انسان ماننے کے لئے تیار نہیں تھے اور نعوذ باللہ کہتے تھے کہ حضرت مریم نے غلطی کی اور یہ غلطی کا نتیجہ ہے......اسی وجہ سے وہ اُن کے دشمن تھے اور اُن کو پھانسی دینے اور صلیب پر چڑھانے کی اُنہوں نے کوشش کی بلکہ مدعی ہوئے کہ ہم نے اُن کو پھانسی دے دی اور اُن کو قتل کر دیا...... اور فخر یہ طور پر اپنے آپ کو قاتل عیسیٰ قرار دیتے تھے......قرآن کریم جب آیا تو اُس نے حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کا دامن صاف کیا......عیسائیوں پر سب سے بڑا احسان سرور کائنات ﷺ کا ہے...... اگر قرآن کریم نہ آتا اور سرور کائنات ﷺ تشریف نہ لاتے تو یہ حضرت مریم علیہا السلام کو شریف عورت ثابت نہ کر سکتے ...... یہ عیسیٰ علیہ السلام کو

شریف انسان ثابت نہ کر سکتے ......قرآن کریم اور سرور کائنات ﷺ نے آ کر اُس ساری بات کی صفائی دی اُنہیں تو رسول اللہ ﷺ کا شکر گزار ہونا چاہیئے تھا اور اُس شکر گزاری کی وجہ سے اُن کی عداوت یہود کے ساتھ ہونی چاہیئے تھی ......لیکن اُن کی بدکرداریوں کی وجہ سے اُن پر ایک لعنت مسلط ہوئی ہے کہ اُن کو بھی اچھے برے کی تمیز نہیں رہی۔

قرآن کریم میں حضرت مریم کی صفائی:

مَیں ایک دفعہ ملتان میں اپنے بابُ العلوم کے مہتمم جناب الحاج غلام محمد عباسی صاحب کی کوٹھی پر بیٹھا ہوا تھا دو چار آدمی اور بھی تھے......اُن میں سے جیسے پڑھے لکھے جاہل ہوتے ہیں......ایک کہنے لگا ......قرآن کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کے تو فضائل بیان کئے ہیں ......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا تذکرہ تک نہیں کیا ......جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم علیہا السلام کی شخصیت بہت بلند ہے......قرآن کریم نے اُن کا کتنے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ...... میں نے کہا بھائی قرآن کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کی صفائی دی ہے ......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ پر نہ کسی نے تہمت لگائی نہ صفائی دینے کی ضرورت پیش آئی ......حضرت مریم علیہا السلام پر لوگوں نے تہمت لگائی تو صفائی دینے کی ضرورت پیش آ گئی ......ورنہ کون سا اور نبی ہے جس کی والدہ کا تذکرہ قرآن کریم نے کیا ہے۔؟

عیسائیوں پر اسلام کا احسان:

اس لئے ان عیسائیوں پر اسلام کا بہت بڑا احسان ہے لیکن یہ بدتمیز ان باتوں کو نہیں سمجھتے ......یہ دونوں عیسائی اور یہودی جیسے اکٹھے ہو کر اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں......ان شاء اللہ العزیز اِن کی تباہی اسی طرح آئے گی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں فارس اور روم یہ دو بڑی بڑی سلطنتیں تھیں...... ہر طرح کے اسلحہ سے لیس......مال و دولت ڈھیروں ......اور یہ عرب کے مساکین جو رسول اللہ ﷺ کے اردگرد جمع ہوئے تھے......اللہ تعالیٰ نے ان مساکین کے ذریعہ سے

دونوں سلطنتوں کا بیڑہ غرق کیا...... فارس بھی ختم ہوا......اور روم بھی ختم ہوا۔

قیصر بھی گیا......کسریٰ بھی گیا......اور اب اس دور میں یہ یہودی اور عیسائی جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس وسائل ہیں اور ہم ساری دنیا کے اوپر قابض ہیں لیکن عنقریب یہ بھی روس کی طرح رسوائی اور تباہی کا شکار ہوں گے......ان شاء اللہ۔

آپ کو معلوم ہے۔ روس کی ٹانگیں اللہ نے افغانستان کے مساکین سے تڑوادیں اور اُس کی ٹانگیں توڑتے توڑتے سولہ سال لگ گئے...... یہ وہی روس تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ اُس کے پاس اتنا اسلحہ ہے کہ پوری دنیا کو تیس مرتبہ تباہ کرسکتا ہے لیکن نہتے افغانی مساکین کے ہاتھوں نہ صرف خود تباہ ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی اور اس قدر رُسوا ہوا کہ عبرت کا سامان بن گیا۔

اب اُس کے بعد دوسرا نمبر امریکہ اور اُس کے یاروں کا ہے......اُن کا دعویٰ ہے کہ ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ ہم جس کو چاہیں جس وقت چاہیں بھسم کر کے رکھ دیں۔ اُن کا تکبر بھی اللہ تعالیٰ نے اُن مساکین کے ذریعہ سے توڑا ہے۔ جیسے اُس وقت قیصر وکسریٰ کی تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو پوری دنیا پر اُجاگر کیا تھا۔ ان شاء اللہ روس کے بعد اب اُن کا نمبر ہے۔ اب اُن کی طاقت پاش پاش ہوگی۔

آخر وہ وقت آجائے گا جیسے حدیث میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''دین واحد ہوگا، اسلام سب پر غالب آجائے گا نہ یہودیت رہے گی نہ نصرانیت''

عیسائیوں یہودیوں سے نفرت کا سب سے اچھا طریقہ:

ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن سے نفرت کا اظہار کریں......نفرت کے اظہار کا صرف یہ معنی نہیں ہے کہ سڑک پر کھڑے ہوکر آپ ان کے خلاف نعرے لگائیں اور اُن کو گالیاں دیں ......نفرت کے اظہار کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اُن کی تہذیب کی مخالفت کر کے اسلامی تہذیب کو اپنائیں......کیونکہ یہ سب کھیل عیسائیت کو غالب کرنے کے لئے ہی کھیلے جارہے ہیں...... اس لئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کے اُوپر اسلامی

تہذیب کو اُجاگر کریں۔

کس قدر افسوس ہے کہ اسلامی ملک میں چار چار سال کے بچوں کے گلوں میں بھی ٹائیاں لٹکی ہوئی ہیں......وہ سمجھتے ہیں کہ ساری مسلمان نسل ہماری ماتحت ہے......

- ہماری برتری کے قائل ہیں۔
- ہمارے لباس کو اچھا سمجھتے ہیں۔
- ہماری بودوباش کو اچھا سمجھتے ہیں۔

اس لئے اُنہوں نے سمجھا کہ جس طرح ہم نے ان کی تہذیب چھین لی ہے ان کا نبی بھی ان سے چھین لیں۔لیکن اُنہوں نے دیکھ لیا کہ نبی کے ساتھ گستاخی کرنے سے اُمت مسلمہ کس طرح اُٹھ کھڑی ہوئی ہے......اب یہ موقع ہے کہ امُت مسلمہ کا رخ اس بات کی طرف پھیرا جائے کہ نصرانی تہذیب کو ختم کریں ......اُن کے ایک ایک نشان کو ختم کریں اور اسلامی تہذیب کو اجاگر کریں...... اصل کے اعتبار سے اُن خبیثوں سے نفرت کا یہ سب سے اچھا طریقہ ہے......اور اگر ہم نے تہذیب تو اُن کی اپنائی ہوئی ہو اور زبان سے اُن کی مذمت کریں ...... یہ بات درست نہیں ہے۔لہٰذا:

- اپنے اپنے علاقے میں۔
- اپنے اپنے گھر میں۔
- اپنے اپنے ماتحتوں میں۔

نصرانی تہذیب کی مخالفت کریں اور اسلامی تہذیب کو اپنانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور ہمیں اپنی زندگی میں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے کہا تھا ......**اغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون**......

ہم نے تمہارے دیکھتے دیکھتے اُن فرعونیوں کا بیڑا غرق کردیا۔ان شاء اللہ ایک دن ہم بھی کہیں گے اور اللہ ہمیں بھی یہ بشارت دے گا کہ:

اغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون......اللہ یہ وقت جلدی لائے۔

فلسفۂ حج

بموقع: حج مبارک

بمقام: منیٰ (سعودی عرب)

وقت: بعد نماز ظہر

تاریخ: ۱۱ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن!!

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْن۔
صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ
وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

یہ ایام ایامِ حج ہیں اور ہم سب لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر...... کاروبار مال و اسباب کو چھوڑ کر...... تمام تعلقات توڑ کر...... اس عمل کے ادا کرنے کے لئے آئے بیٹھے ہیں۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے کہ حج کی ابتداء کیسے ہوئی؟ **کعبتہ اللہ** کی بناء کس طرح ہوئی؟ مکہ آباد کس طرح ہوا؟ یہ تاریخی واقعات اکثر و بیشتر آپ حضرات سنتے بھی رہتے ہیں اور عام اُردو کی کتابوں میں پڑھتے بھی رہتے ہیں ...... اس لئے ان واقعات کو تاریخی انداز میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ:

- بار بار آپ نے سنے ہوئے ہیں۔
- بار بار آپ نے پڑھے ہوئے ہیں۔

اِستحضار کے لئے اگر چہ اُن کا تکرار مفید ہوتا ہے کہ ذہن حج کی تاریخ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے لیکن چونکہ ہمارے گروہ میں زیادہ طبقہ تعلیم یافتہ ہے اور پڑھے لکھے لوگ ہیں اس لئے اُن واقعات کو دہرانے کا کوئی زیادہ فائدہ محسوس نہیں ہورہا۔ واقعات سے قطع نظر ہر عمل کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔

عمل کے درجات

- ایک درجہ اُس کے فضائل بیان کرنے کا ہے۔
- دوسرا درجہ اُس کے مسائل کے تذکرے کا ہے۔
- تیسرا درجہ اُس کی حقیقت کو بیان کرنے کا ہے۔

فضائل ترغیب کے لئے ہوتے ہیں تا کہ اُس عمل کا شوق پیدا ہو...... حج کے فضائل اتنے ہیں کہ اگر اُن کو بیان کرنا شروع کردیا جائے تو وقت میں گنجائش نہیں ...... اتنا یقین رکھیں کہ اگر یہ عمل اللہ کے ہاں قبول ہوگیا تو سرور کائنات کے فرمان کے

مطابق سب سے بڑی اُس کی فضیلت یہ ہے کہ حاجی ایسے حال میں پاک وصاف ہوکر گھر کی طرف لوٹتا ہے جیسے کہ آج ماں نے اُس کو جنا ہو......اس سے زائد آپ کو اُس کی کیا فضیلت چاہیئے جس دن ماں نے آپ کو جنا تھا آپ کے ذمے کوئی گناہ نہیں تھا، آپ معصوم تھے، پاک تھے، صاف ستھرے تھے......اس لئے اس عمل کی قبولیت کے بعد اس کی سب سے بڑی ایک ہی فضیلت آپ یاد رکھیں کہ ہم ایسے گھر لوٹ کر جائیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ......جس دن اُس کی ماں نے اُس کو جنا تھا ......(بخاری ۱/۲۰۶)اس طرح حاجی اپنے گھر کی طرف لوٹتا ہے۔یہ سب سے بڑی بات ہے کہ اللہ قبول فرمالے۔

حج مقبول کی علامت

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج

کہ جوشخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کو متعین کرے اُسے چاہیے کہ وہ:

لا رفث......

رفث نہ کرے......وہ کوئی کام نہ کرے جس کا اشارہ خاوند بیوی کے تعلقات کی طرف نکلتا ہو......اس کو رفث کہتے ہیں۔اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی بے حجابی کی گفتگو سے بچے جس میں زوجین کے اختلاط کی طرف کچھ اشارہ ہوتا ہو۔

لا فسوق......

فسق وفجور والا کوئی کام نہ کرے اور فسق وفجور والے کام کون کون سے ہیں؟ یہ ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ ہر وہ عمل جو شریعت کے خلاف ہے وہ فسق کی حدود میں آجاتا ہے......فسق اصل میں نافرمانی کو کہتے ہیں جو کام خلاف شریعت ہو وہ فسق کے زُمرہ میں آتا

ہے۔

لاجدال......

لڑائی جھگڑا نہ ہو......جدال کا معنی ہے آپس میں لڑنا بھڑنا، جھگڑا کرنا۔حج میں یہ کام نہیں ہونے چاہئیں۔

لیکن سرورکائنات ﷺ نے ان سب چیزوں میں سے زیادہ ......**جدال**...... کی اہمیت واضح کی ہے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا

ما الحج المبرور؟......

حج مبرور کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

مالاجدال فیہ ...... (وفی روایۃ ما من عمل بین السماء والارض بعدالجهادفی سبیل اللهافضل من حجةمبرورة لارفث فیهاولافسوق ولا جدال ۔درِمنثور:ص ج)

حج مبرور وہ ہے کہ جس میں کبھی لڑنے جھگڑنے کی نوبت نہ آئے ......آپ جانتے ہیں یہ سفر کا معاملہ ہوتا ہے۔یہاں ہر آدمی جذباتی ہوجاتا ہے ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا شروع کردیتا ہے۔معلوم ہوا ہر قسم کا جھگڑا...... چاہے وہ:

- اپنے رفقاء کے ساتھ ہو۔
- اپنے منتظمین کے ساتھ ہو۔
- اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ ہو۔

حج مبرور کے خلاف ہے......صلح صفائی کے ساتھ، محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے خیر خواہی کرتے ہوئے اس عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے ......کسی معاملہ میں بھی لڑائی جھگڑے والی کوئی بات نہ ہو......حج مبرور کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی علامت بیان فرمائی ہے۔ اس لئے اس کا خاص خیال رکھیں...... یہ بات تو آپ کے سامنے حج کی فضیلت کے عنوان سے کردی۔

مسائل جاننے سے عمل سنورتا ہے:

دوسرا نمبر میں نے مسائل کا ذکر کیا تھا۔مسائل کسی بھی عمل کی ظاہری شکل کو سنوارنے کے لئے ہوتے ہیں ...... کسی عمل کی مقبول صورت اُس وقت بنے گی جب آپ شریعت کے مسائل کی رعایت رکھیں گے...... اگر آپ نے شریعت کے مسائل کی رعایت نہ رکھی تو عمل کی صورت بگڑ جائے گی اور بگڑا ہوا عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا...... یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھئے...... عمل سنورتا ہے مسائل کی رعایت رکھنے سے ......جبکہ مسائل کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے عمل کی شکل خراب ہو جاتی ہے...... اور نتیجتاً ایسا عمل اللہ کے دربار میں قبول نہیں ہوتا ......اس لئے مسائل کی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے۔اور مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ اُن کو اس تقریر میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔اور نہ ہی بیان کرنا چاہئے کیونکہ ہر شخص کا مسئلہ علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے بسا اوقات ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں سمجھنے والا غلط سمجھ جاتا ہے۔وہ مسئلہ اس سے متعلق نہیں ہوتا اور وہ اُس پر عمل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے خواہ مخواہ کی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ کو جو مسئلہ پیش آئے وہ اپنے علماء سے پوچھو...... اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کے اس مجمع میں اچھے سے اچھے مفتی اور اچھے سے اچھے عالم موجود ہیں...... اب جو کام کرتا ہے اُن سے پوچھ کر اُن کی ہدایات کے مطابق کیجئے تاکہ اُس عمل کی ظاہری صورت ٹھیک ہو جائے...... ویسے فضائل کا شعبہ سب سے زیادہ اچھا ہمارے بھائی فروز صاحب نبھاتے ہیں...... اور مسائل کا شعبہ سب سے زیادہ بہتر مفتی سعید احمد صاحب نبھاتے ہیں ......اُن سے رہنمائی حاصل کریں اور پھر اُس پر عمل کریں ہم تو اُن کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

اعمال کی مثال:

اب اس اگلی بات کو آپ حضرات ذرا توجہ سے سن لیں ......اس ضمن میں جو کہنا چاہتا ہوں ......اس کو فہم کے قریب کرنے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں۔

مثلاً آپ بادام خریدنا چاہتے ہیں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ بادام میں تین چیزیں ہوتی ہیں......ایک اُس کے اُوپر کا موٹا چھلکا......ایک اُس کے اندر کی گری جسے مغز بادام کہا جاتا ہے......ایک اُس کے اندر کا روغن جو آپ کو آنکھ سے نظر نہیں آتا ......جب آپ بادام خریدنے لگتے ہیں تو آپ کی نظر سب سے پہلے چھلکے پر پڑتی ہے اگر وہی خراب ہو یعنی اُس کی شکل اچھی نہ ہو تو آپ اُس کو نظر بھر کے نہیں دیکھتے اور اُس سے نظر پھیر لیتے ہیں...... چونکہ اُس بادام کا اُوپر والا چھلکا خوبصورت نہیں ہے وہ بادام آپ کو پسند نہیں آئے گا اور آپ اُس کو نہیں خریدیں گے......اگر آپ نے کوئی صاف ستھرا بادام دیکھ کر لے لیا لیکن جب اُس کو توڑا تو اندر سے مغز کو کیڑا لگا ہوا ہے، جس کو بھی توڑتے ہیں وہ اندر سے خراب ہے، تو آپ دکاندار سے کہیں گے کہ یہ بادام کسی کام کے نہیں، ان میں تو سارا چھلکا ہی چھلکا ہے، مغز تو ان سب کا خراب ہے......آپ یہ بات اُن باداموں کو توڑے بغیر نہیں جان سکتے تھے اس لئے آپ اُن کو توڑ کر دیکھیں گے......اب اگر ہم میں کوئی ایسی بصیرت ہوتی یا ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہوتا کہ ہم اُن باداموں کو توڑے بغیر دیکھ لیتے کہ اُن کے مغز میں کیڑا لگا ہوا ہے تو ہم اُن کی ظاہری شکل پر کبھی فریفتہ نہ ہوتے اور ہم اُن کو کبھی نہ لیتے۔

ہمارا علم ناقص ہے:

لیکن چونکہ ہمارا علم ناقص ہے۔اسلئے ہم نے جب تک اُس کو توڑ کر نہیں دیکھا ہمیں کچھ نہیں دکھائی دیا......اور اگر آپ نے اُس کو توڑ لیا اور اُس میں سے صاف ستھرا مغز نکل آیا لیکن جب اُس کو چکھ کر دیکھا تو وہ کڑوا تھا......اب آپ اُس کا روغن نکالیں گے تو کڑوا نکلے گا اور آپ جانتے ہیں کہ کڑوے بادام کا روغن بھی زہریلا ہوتا ہے مفید نہیں ہوتا۔اس لئے اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس بادام کے اندر موجود روغن کڑوا ہے تو نہ آپ اُس کی گٹھلی کے موٹے ہونے کو دیکھیں گے نہ آپ اُس کے چھلکے کے خوبصورت ہونے کو دیکھیں گے بلکہ وہ بادام آپ کے نزدیک بالکل مردود ہوگا۔اور

اُس کا کڑوا ہونا آپ کو چکھنے سے پتہ چلے گا۔ آپ اُس کو دیکھ تو سکتے نہیں جیسے میں نے یہ تین درجے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں کہ:

- بادام کی ظاہری شکل بھی اچھی ہے۔
- بادام کے اندر کا مغز بھی اچھا ہے۔
- اور بادام میں روغن بھی اچھا ہے

تو اُس بادام کو خرید کر آپ کا جی خوش ہوگا کہ ہم نے بڑی مفید چیز خرید لی ہے اور آپ اُس کو انتہائی محبت و پیار کے ساتھ رکھیں گے اور بوقت ضرورت اُس کو استعمال کریں گے

عمل کا ظاہر و باطن:

بالکل اسی طرح سمجھئے کہ ایک ہمارے عمل کا ظِاہر ہے...... وہ یہ ہے کہ ہم نے پاک کپڑے، پہنے وضو کیا، اُس کے بعد قبلہ کی طرف منہ کیا، تکبیر کہی **اللہ اکبر**، چار رکعتیں پڑھیں، سجدہ و رکوع بالکل ٹھیک کیا، یہ ایسے ہے کہ جیسے آپ نے اُس عمل کو شریعت کے مطابق ادا کر کے ایک خوبصورت شکل دے دی ......آپ حج کے لئے آئے ہیں اس کا ظاہر یہ ہے کہ ہم نے تلبیہ پکارا ہے، ہم نے سلے کپڑے اُتار کر بغیر سلے پہنے ہیں اور حاجیوں والی شکل بنالی۔

حاجی کسے کہتے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تھا **یا رسول اللہ ما الحاج؟**......

کامل درجے کا حاجی کون ہوتا ہے؟...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الشعِث التفل......میلا کچیلا جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں۔ (ابن ماجہ ص۲۰۷، ترمذی ص۱۲۹ ج۲، مشکوٰۃ ۱/۲۲۲)

کیونکہ حج ایک عاشقانہ عمل ہے اور عاشق ہمیشہ دیکھنے میں بدحال ہوا کرتا ہے۔ اور عشق کا مارا ہوا آدمی اپنے آپ کو سنوارا نہیں کرتا اس لئے:

- جتنے اُس کے بال بکھرے ہوں گے۔
- جس قدر وہ میلا کچیلا ہوگا۔
- جس قدر غبار آلود اور بدحال ہوگا۔

اور دیوانوں کی طرح بھاگا پھرتا ہوگا...... کبھی اُس دیوار کے پاس جا رہا ہے...... کبھی اُس پتھر کو چوم رہا ہے...... کبھی اُس گلی میں بھاگا پھر رہا ہے کہ معشوق کہاں مل جائے گا...... اور کہاں اُس کی رضا حاصل ہو جائے گی...... اس قسم کا سر پھرا عاشق قابل قدر ہوا کرتا ہے۔ یہ عبادت عاشقانہ عبادت ہے۔

حج ایک عاشقانہ عمل ہے:

اور یہی وجہ ہے کہ یہاں پر عقل نہیں دوڑائی جاتی ......کوئی آپ سے پوچھے کہ عرفات کیا لینے جاتے ہو؟

- وہاں پر کوئی باغ ہے جس کی سیر کے لئے جاتے ہو۔
- وہاں پر کوئی پھول سونگھنے جاتے ہو۔
- وہاں پر خوشنما سینریوں کو دیکھنے جاتے ہو۔
- وہاں پر خوش نما وادیوں کو دیکھنے جاتے ہو۔

مزدلفہ میں رات کے وقت کیوں دھکے کھا رہے ہو؟

- وہاں نہ وضو کی جگہ ہے۔
- وہاں نہ بیٹھنے کی جگہ ہے۔

اور ذرا مجھے عقل سے سمجھاؤ کہ تم کیا لینے جاتے ہو اور عقل کس طرح اس دیوانہ پن کی اجازت دیتی ہے؟ یہاں پر تو قدم قدم پر عقل کو جوتے پڑتے ہیں۔

آج یہاں پر منیٰ میں آئے بیٹھے ہو، کیا مقصد ہے آپ کا؟ عقل سے اس کی کوئی وجہ بیان کی جاسکتی ہے؟ یہ سارا کا سارا سر پھرے عاشقوں کا کھیل ہے جو اپنے معشوق کے آثار دیکھتے پھرتے ہیں......اور اپنے معشوق کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

مارے مارے پھرتے ہیں نہ لباس کی خبر ہے چاہے پسینہ چھوٹ رہا ہو چاہے بدن سے بدبو آرہی ہو (آج کل تو سفر کی آسانیاں اتنی ہوگئیں یہاں پر پہنچ کر ابھی وہ خوشبو بھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ میں اُس وقت کی بات کررہا ہوں جب لوگ چھ چھ ماہ کا سفر کرکے آیا کرتے تھے۔اصل کے اعتبار سے عاشقانہ جذبات اُن کے نمایاں ہوا کرتے تھے۔اب ہم:

- کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں کمرہ اچھے سے اچھا ملے۔
- کوشش کرتے ہیں کہ لباس ہمارا اچھے سے اچھا ہو۔
- کوشش کرتے ہیں کہ ہم بالکل صاف ستھرے اور مہکتے مہکتے نظر آئیں۔

یہ بھی اللہ قبول کرلے اللہ کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔لیکن اصل کے اعتبار سے یہ عاشقوں کا حال نہیں ہے...... یہ تو وہ بات ہے کہ قدم قدم پر انسان اپنے عقل و ہوش کے ساتھ چل رہا ہے۔ جبکہ حج اپنے عقل و ہوش کے ساتھ چلنے کا نام نہیں بلکہ اصل کے اعتبار سے یہ سر پھرے عاشقوں کا کام ہے۔

اس لئے زمین پر لیٹنا پڑ گیا، زمین پر لیٹ گئے......اور کپڑے پہننے کی اجازت نہیں ....خوشبو لگانے کی اجازت نہیں ...... صابن لگانے کی اجازت نہیں ...... یہ سب کا سب حال مدہوش عاشقوں والا ہے......اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل حاجی وہ ہے کہ جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور میلا کچیلا ہو۔

کامل حج کی علامت:

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کامل حج کون سا ہوتا ہے؟ فرمایا:

اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ

جس میں کثرت کے ساتھ تلبیہ پڑھا جائے......اور جس میں اللہ کے راستے میں خون بہایا جائے...... (مشکوٰۃ ۲۲۲/۱۔ ترمذی ۲/۱۲۹) میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ اس عمل کی ظاہری صورت ہے......اس کو سنواریئے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ وہی بات جیسے میں نے کہی کہ مسائل شکل کو سنوارنے کے لئے ہوتے ہیں اگر آپ نے نماز شریعت کے

مطابق پڑھی ہے......وضو شریعت کے مطابق کیا ہے...... رکوع اور سجود شریعت کے مطابق کیا ہے...... اور مسائل کی آپ نے رعایت رکھی ہے اور کوئی شریعت کی خلاف ورزی نہیں کی تو آپ کی نماز ایک خوبصورت شکل اختیار کرگئی۔

عمل کی روح:

اب اس کے بعد اگلی بات یہ ہے کہ شکل تو بن گئی لیکن کیا اُس کے اندر رُوح بھی ہے یا نہیں؟ اور آپ جانتے ہیں کہ اصل کمال تو رُوح کے ساتھ پیدا ہوتا ہے...... اور وہ رُوح اخلاص عمل ہے ...... کہ جو کچھ آپ کریں اللہ کے لئے کریں ......نہ شہرت مقصود ہو...... نہ دنیا کا کوئی مفاد مقصود ہو...... یہ اخلاص ہے...... اور اخلاص کے ساتھ عمل میں جان پڑتی ہے یہ عمل کی رُوح ہے......اب اخلاص ہے یا نہیں؟ یہ ہمیں نظر نہیں آتا کیونکہ یہ دل میں چھپا ہوا ہے۔لیکن اس علیم بذات الصدور کے سامنے سب کچھ ہے، جو دل کے اندر چھپی ہوئی باتیں جانتا ہے اس پر کچھ مخفی نہیں ہے...... زبان غلط ترجمانی کرسکتی ہے کہ میں کہوں کہ میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کرنے آیا ہوں اور درحقیقت:

- آیا ہوں میں تجارت کرنے کے لئے۔
- آیا ہوں میں شہرت کی طلب کے لئے۔

یہ آپ نہیں دیکھ سکتے کہ میرے دل کے اندر اخلاص ہے یا نہیں؟ لیکن اللہ کے سامنے سب کچھ نمایاں ہے اگر اخلاص نہیں ریاء اور دِکھلاوا مقصود ہے تو یوں سمجھو کہ چھلکے کے اندر کا مغز کیڑا خوردہ ہے اور آپ کا ظاہری عمل کسی کام کا نہیں ہوگا۔

دل کا عقیدہ:

اور اس سے آگے بڑھ کر ایک اور چیز بھی ہے جو سب سے اہم ہے اور وہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اول سے لے کر آخر تک پوری زندگی کا درس ہے......وہ اخلاص کا شعبہ ہے لیکن میں اُس کو دوسرا عنوان دے رہا ہوں کہ وہ دل کا عقیدہ ہے۔

اگر عقیدہ درست ہے تو آپ کا اخلاص بھی ٹھیک اور آپ کا عمل بھی قبول...... اور اگر عقیدہ ٹھیک نہیں جیسا کہ عمل کی سب سے بڑی بنیاد عقیدہ ہے اور اسی کی تبلیغ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور اس کی اپنے عمل کے ساتھ بھی ترغیب دی اور اپنے قول کے ساتھ بھی ترغیب دی...... وہ لا الہ الا اللہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں...... یہ ہے قولی اور عملی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ...... اگر دل میں کسی قسم کے شرک کا شائبہ موجود ہے اور توحید نہیں ہے تو آپ ہزار دفعہ اللہ کے لئے کام کریں تو بھی مردود چاہے ظاہری طور پر کتنا ہی شریعت کے مطابق ہو۔

جس عمل میں اللہ کے ساتھ توحید کے عقیدے کا تعلق نہیں وہ عمل مردود ہے......

آپ کو معلوم ہے کہ حج تو مشرک بھی کرتے تھے...... نمازیں غلط عقیدے والے لوگ بھی پڑھتے ہیں...... عمل میں اَثرات پیدا ہوتے ہیں عقیدہ توحید سے جو بالکل دل کے اندر کی مخفی چیز ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا...... اس لئے اپنے دل کو اللہ کے ساتھ جوڑو اور آپ کا دل مخلوق سے ٹوٹا اور کٹا ہوا ہو اور اللہ کے علاوہ انسان کسی کو معبود نہ سمجھتا ہو اصل کے اعتبار سے یہ عقیدہ توحید ہے۔

عقیدہ کے بغیر عمل صفر ہے۔

عمل ایک صفر ہے اور عقیدہ توحید ایک عدد ہے۔ اب اگر عدد قائم کئے بغیر آپ پچاس صفریں لگا دیں تو کوئی عدد بنتا ہے؟ صفروں میں صفریں جمع کرتے جاؤ تو کوئی عدد نہیں بنتا البتہ جب عقیدہ درست ہو یعنی آپ نے ایک عدد بنا دیا اب ایک عمل کرو گے دس ہو جائے گا......

- دوسرا کرو گے سو (100) ہو جائے گا۔
- تیسرا کرو گے ہزار (1000) ہو جائے گا۔
- چوتھا کرو گے دس ہزار (10000) ہو جائے گا۔
- پانچواں کرو گے لاکھ (100000) ہو جائے گا۔

ایک ایک صفر کے ساتھ ڈھیر لگتے چلے جائیں گے...... جتنے آپ صفر بڑھاتے جائیں گے اتنا عدد بڑھتا چلا جائے گا......لیکن اگر عدد قائم نہیں ہے تو صرف صفریں اکٹھی کرنے سے کچھ نہیں ہوتا...... اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ عقیدہ توحید ہو......حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اول سے لے کر آخر تک اسی بات کی تعلیم دی ہے اوراسی کی آپ کو مشق کروانی مقصود ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا درس:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا درس جو اپنے گھر میں ہوا......اُس میں سے ایک بات نقل کرتا ہوں جس کی آج کے دور میں بہت اہمیت ہے...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد کو خطاب کرتے ہوئے عملاً یہ بتایا کہ گھر کی رسمیں......والدین کا رسم و رواج کوئی حجت نہیں ہے جب تک علم کے ساتھ اُس کی تائید نہ ہو جائے ......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر کا ایک ماحول تھا......اُن کے والدین کا بھی ایک ماحول تھا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کا ماحول نہیں اپنایا۔ بلکہ اپنے والد کو دعوت دی اور اُس دعوت میں سب سے اہم بات یہ کہی۔

یَا اَبَتِ اِنَّہ قدجاء نی من العلم مالم یاتك فاتبعنی اهدك صراطاً سویاً

اے میرے والد...... میرے پاس علم آ گیا جو تیرے پاس نہیں ہے...... اس لئے اب یہ خیال نہ کر کہ تو باپ ہے میں بیٹا ہوں اور بیٹے کو چاہئے باپ کی مانے نہیں...... باپ ہو کر تو میرے پیچھے چل...... کیونکہ میرے پاس علم ہے اور وہ تیرے پاس نہیں ہے...... میں تجھے سیدھے راستے پر چلاؤں گا......اس سے معلوم ہوا کہ عمر میں یا کسی اور چیز میں کوئی بڑا ہو اور وہ علم سے بے بہرہ ہو تو اس کو علم والوں کے پیچھے چلنا چاہئے......اور جو کام کرے علم والوں سے پوچھ کر کرے...... یہ پہلا سبق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا کہ اہل علم کی اتباع کرو، اپنے آپ کو اہل علم کے ساتھ جوڑو، اور جب بھی کوئی کام کرنا ہو ہدایات اہل علم سے لو...... آج ہر آدمی مفتی ہے جس سے

پوچھو کسی نہ کسی چیز کا فتویٰ دے دے گا...... چاہے کسی چیز کا پتہ ہو یا نہ ہو اور اپنی رائے پر چلنے کی آج کل بہتات ہے...... یہ بہت خطرناک چیز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:

پھر ابراہیم علیہ السلام نے ایک توحید کے عقیدے کو غالب کرنے کے لئے گھر کے ماحول سے لے کر پوری قوم کے ساتھ ٹکر لی۔ اور پوری قوم سے بڑھ کر پھر آگے حکومت سے ٹکر لی۔حکومت کی طرف سے جو زیادہ سے زیادہ سزا تجویز کی جاسکتی تھی وہ تجویز ہوئی۔اور وقت کے بادشاہ نے جو رب بنا بیٹھا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلانے کا پروگرام بنایا لیکن ابراہیم نے اُس کو بھی برداشت کیا۔زندہ بھی آگ میں کودنا پڑا تو کود گئے یہ۔حضرت ابراہیم کی زندگی کا حاصل ہے۔اول سے لے کر آخر تک قربانی ہی قربانی ہے۔پھر اللہ کے حکم کے ساتھ بیوی بچے کو کہاں بٹھایا؟ بیت اللہ کو کیسے بنایا؟ بڑی بڑی آزمائشوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے اُترے۔پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی امامت کا درجہ دیا۔اس کے بعد جتنے بھی انبیاء آئے وہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے آئے۔بنی اسرائیل کی شاخ میں آئے اور بنی اسماعیل کی شاخ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قیادت دی۔لیکن دی اُن آزمائشوں کے بعد اور کوئی ایسی قیمتی چیز نہیں ہے جس کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نہ لی گئی ہو۔

- اپنی بیوی کی قربانی دی۔
- اپنے بیٹے کی قربانی دی۔
- اپنے وطن کی قربانی دی۔
- حکومتوں سے ٹکراؤ ہوا۔
- نمرود کی آگ میں کودنا پڑا۔

یہ ہے اصل کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری تاریخ...... ہر حج

کے دوران انسان کے ذہن میں رہنی چاہیئے۔

- اپنی خواہشات کا خاتمہ۔
- اپنے مفادات کا خاتمہ۔

اور ہر وقت اللہ کی رضا پیش نظر ہو اور اللہ کی رضا کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی دینی پڑ جائے تو انسان اس سے گریز نہ کرے جس کی ظاہری علامت یہ جانور کا ذبح کرنا بھی ہے......اس لئے حضرت ابراہیم کا لقب ہے موحدِ اعظم......سب سے بڑے اللہ کی توحید کا پرچار کرنے والے۔

عقیدۂ توحید کی اہمیت:

توحید کیا ہے اور اُس کے تقاضے کیا ہیں شرک کیا ہے؟ اور شرک سے بچنے کی کیا صورتیں ہیں آپ علماء سے مل کر ان سب باتوں کو پہچانا کرو کیونکہ توحید کے عقیدے کے بغیر کوئی عبادت اللہ کے ہاں قبول نہیں ہمیں اللہ تعالیٰ اس حج کے عمل سے یہ سبق حاصل کرنے کی توفیق دے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدقے سے یعنی یہ عمل جس کی ابتداء حضرت ابراہیم سے ہوئی اور اُس کی تکمیل ہوئی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک ہم اُسی عمل کی نقل اُتار رہے ہیں اللہ اس نقل کو اصل بنا دے اور قبول فرمائے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق جب ہم گھر جائیں تو ہمارے سب گناہ معاف ہو چکے ہوں اور ہم ایسے پاک صاف ہو جائیں جیسے کہ دنیا میں آنے کے وقت پاک صاف تھے قبولیت کی دعا ہر وقت کرتے رہیں باقی اصل فضیلت کا دن عرفہ وہ کل آ رہا ہے۔

زوال سے اُس کا وقت شروع ہوگا غروب تک آپ نے وہیں رہنا ہے اُس کے بعد پھر مزدلفہ کی طرف آنا ہے اس لئے کوئی وقت ضائع نہ کریں اگر تلاوت کا شوق ہے تلاوت کریں اگر درود شریف میں دل لگتا ہے تو وہ پڑھیں تسبیحات میں دل لگتا ہے وہ پڑھیں نوافل میں دل لگتا ہے وہ پڑھیں عرفات کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے کوئی خاص عمل ذکر نہیں کیا کہ اُس کا کرنا ضروری ہے ہاں البتہ یہ فرمایا کہ قبولیت دعا کا سب سے بڑا افضل دن عرفہ ہے۔

ایام حج میں سب سے افضل دعا

جتنی دعائیں مجھ سے لے کر انبیاء تک کرتے رہے ان میں سب سے افضل دعا اس دن میں یہ ہے۔

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شيء قدير (مشکوٰۃ ۲۲۹/۱۔ ابن ابی شیبہ ۳/۳۸۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو اپنی تمام دعاؤں میں سے افضل قرار دیا ......جبکہ ذکر کے طور پر سب سے افضل تلبیہ ہے

لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك......

آپ دیکھ رہے ہیں کہ تلبیہ اور اس دعا میں سوائے اقرار توحید کے اور کچھ نہیں ہے تو گویا اقرار توحید کو ہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل ترین دعا قرار دیا۔

اشکال:

بسا اوقات ذہن میں ایک اشکال آیا کرتا ہے کہ اس میں تو دعا کا کوئی لفظ نہیں ہے جس طرح کہ **سبحان ربی العظیم** اور **سبحان ربی الاعلیٰ** ہیں جنہیں ہم رکوع وسجدہ میں پڑھتے ہیں حالانکہ حدیث میں ترغیب آئی ہے کہ سجدے میں دعا کیا کرو قبول ہوتی ہے اور ہم دعا نہیں کرتے بلکہ تسبیح پڑھتے ہیں؟ یہ ظاہری شکال ہوا کرتا ہے۔

جواب

لیکن یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک ہے کسی کو جا کے کہنا کہ مجھے پانی پلا دے، مجھے دودھ دے دے، مجھے کپڑا دے دے۔ ایک یہ طریقہ ہے مانگنے کا ......اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اُس کی تعریف کرو۔ اُس کے ساتھ محبت کا اظہار کرو کہ آپ بڑے

غریب پرور ہیں، غریبوں کی آپ بہت سرپرستی کرتے ہیں۔ جب آپ اُس کی تعریف کریں گے تو وہ آپ سے خود پوچھے گا کہ تمہیں کوئی ضرورت ہے تو بتاؤ؟ اس لئے کہتے ہیں۔

ثناء علی الکریم دعاء......

سخی کے پاس جا کر اُس کی تعریف کرنا یہ بھی مانگنا ہوتا ہے...... اس لئے جتنا آپ اللہ تعالیٰ سے حمد وثناء کے انداز میں مانگیں گے وہ زیادہ قبولیت کا باعث ہے......لہٰذا اس کا خوب خوب اہتمام کریں ......باقی جہاں تک مسائل کا تعلق ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً علماء آپ کے سامنے بیان کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس عمل کو ظاہری طور پر بھی اچھے انداز میں ادا کرنے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت بھی ہمیں نصیب فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

❀❀❀

شیعہ سنی اختلاف کا حل

بموقع: سالانہ جلسہ

بمقام: جامع مسجد مائی والی میلسی شہر

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن!!

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

سب سے پہلے میں آپ حضرات کی خدمت میں نئے سال کی مبارکباد پیش کرتا ہوں ...... بڑے اور چھوٹے سب اس بات کو جانتے ہیں...... اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے ...... یہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور اسلامی سال کا بارہواں مہینہ ذوالحج ہوتا ہے۔

ہم میں عیسائی تہذیب اس طرح غلبہ پاگئی کہ ہم اپنی تاریخ کو بھی فراموش کر بیٹھے ......سکولوں کالجوں میں پڑھنے والے بچے یا عام لوگ اپنی تاریخ کو جانتے تک نہیں......آپ ان سے پوچھیں سال کے کتنے مہینے ہیں؟ وہ کہیں گے بارہ ......اور سال شروع کہاں سے ہوتا ہے؟ وہ کہیں گے جنوری سے ......ختم کہاں ہوتا ہے؟ دسمبر پر۔ اور بارہ مہینے فرفر آپ کو سنا دیں گے کہ یہ ہیں بارہ مہینے...... خط وکتابت میں ہم یہی تاریخ لکھتے ہیں، آج جنوری کی اتنی تاریخ ہے اور آج فروری کی اتنی تاریخ ہے......یہی ہماری زبانوں کے اوپر چڑھا ہوا ہے...... حالانکہ اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ بہت کم خوش نصیب لوگ ہیں جن کو بارہ اسلامی مہینوں کے نام یاد ہیں۔ آپ جب چاہیں تحقیق کر کے دیکھ لیں اکثر افراد کو یہ نام یاد نہیں ہیں اور جنوری فروری خوب یاد ہیں ...... یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو بھولے بیٹھے ہیں۔

جنوری شروع ہوتا ہے تو اخباروں ،رسالوں میں مبارکباد، مبارکباد کے اشتہار شروع ہوجاتے ہیں۔ اور ایک شور مچا ہوا ہوتا ہے......اور جب ہمارا اپنا نیا سال شروع ہوتا ہے اُس وقت کسی کو مبارک باد تو کیا دینی ہے بلکہ جس حال میں ہم اپنے سال کی ابتداء کرتے ہیں وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں...... یہ نشست افتتاحی ہے اس لئے میں سادگی کے ساتھ آپ کو دو چار باتیں سمجھاتا ہوں...... باقی جہاں تک کربلا کے واقعات کا تعلق ہے یا کچھ دیگر امور۔ وہ آئندہ تین راتیں مسلسل آپ مقرروں اور

واعظوں سے سنتے رہیں گے۔ان شاء اللہ۔

محرم عظمت والا مہینہ:

محرم کا مہینہ عظمت والا مہینہ ہے......اس کی عظمت سرور کائنات ﷺ نے بیان فرمائی ہے......اس مہینے کو عظمت واقعہ کربلا سے نہیں ملی...... یاد رکھیئے کربلا کا واقعہ 60ھ میں پیش آیا......یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچاس سال بعد...... 10ھ میں آپ ﷺ کا انتقال ہوا اور 60 ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے...... گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو 50 سال گزر چکے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا......حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ دس محرم کا روزہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔

دس محرم کا روزہ:

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی بھی روزہ رکھتے تھے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ فرق کرنے کے لئے فرمایا کہ نویں کا روزہ رکھ لیں......علماء کہتے ہیں نوویں کو دسویں کے ساتھ ملا کر دو روزے رکھ لو اور اگر کوئی نویں کا نہ رکھ سکے تو دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لو۔ تا کہ یہود سے عبادت میں ہمارا اختلاف ہوجائے ......حضور ﷺ نے پوری طرح یہ کوشش کی ہے کہ ہماری عبادت میں یہود کے ساتھ تشبیہ نہ پائی جائے۔ مشابہت آپ ﷺ نے عبادت میں بھی پسند نہیں کی۔ یہود سے آپ ﷺ نے سنا تھا کہ ہم دسویں کا روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور اُن کی قوم کو فرعون اور اُس کے لشکر سے نجات دی اور فرعونیوں کا بیڑا غرق ہوا تھا۔ اور فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت ڈوب گیا تھا۔وہ اس خوشی میں روزہ رکھتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے تعلق ہمارا زیادہ ہے اس لئے ہم بھی شکر کے طور پر یہ روزہ رکھیں گے۔لیکن یہود کی مشابہت سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نوویں کا روزہ رکھوں گا......(مشکوٰۃ ۱/۱۷۸) علماء کہتے ہیں کہ دسویں کے ساتھ ملا کر نویں کا روزہ

بھی رکھنا ہے۔

دس محرم کو اہل وعیال پر وسعت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس محرم کو جو شخص اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے کی وسعت کرے اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں برکت دیتے ہیں...... (مشکوٰۃ ۱/۱۷۰) اس مہینہ کے بارے میں یہ دو باتیں حدیث شریف کے اندر آتی ہیں...... اہل و عیال پر وسعت کرو...... اور روزہ رکھو۔

باقی ایک اتفاقی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کا دور آیا...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول ...... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم...... حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفۂ سوم ...... اور حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم ...... ان چار کیلئے ہم خلافت راشدہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں...... اس کے بعد چھ ماہ کے لئے حضرت حسنؓ بھی خلیفہ ہوئے ...... اور پھر حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کرلی تو حکومت مکمل طور پر حضرت امیر معاویہؓ کے قبضے میں آ گئی اور مسلمانوں کا آپس میں اتفاق ہوا...... اور پھر حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد محرم میں یہ واقعہ پیش آیا جس میں اہل بیت کے اکثر و بیشتر افراد شہید ہوگئے ۔ یہ واقعات کی رفتار ہے۔

محرم کس طرح منانا چاہیئے:

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان واقعات کے پیش آنے کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے قرآن و حدیث کی رو سے کیا روشنی مہیا ہوتی ہے ...... ہمیں اس محرم کو کس طرح منانا چاہیئے اور اس میں کیا سوچنا چاہیئے، اور اس میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟ سمجھدار آدمی اس بات کو اخذ کرنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک حضور ﷺ کی آل و اولاد کا تعلق ہے وہ سب کے سب ہمارے محبوب ہیں...... ہم اُن سے محبت کرتے ہیں ہماری نماز پوری نہیں ہوتی جب تک ہم اللہ کے

رسول پر اور رسول کی آل و اولاد پر درود شریف نہ پڑھ لیں ...... جب بھی ہم نماز پڑھتے ہیں تو تشہد میں اللہ کے رسول اور آپ کی آل پر درود شریف پڑھتے ہیں ...... اس کے علاوہ بھی ہم کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہیں اور درود شریف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آل رسول کا تذکرہ بھی آتا ہے صلوٰۃ وسلام ہمارا جیسے اللہ کے رسول پر ہوتا ہے ایسے ہی آل رسول پر بھی ہوتا ہے۔

آل نبی ﷺ سے محبت:

کوئی سنی کوئی اہل سنت والجماعت آل نبی سے عداوت نہیں رکھتا ......سب کے سب آل رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں ان کے ساتھ محبت رکھنا ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تقاضہ ہے کہ جب ہم آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو آپ ؐ کی آل و اولاد سے بھی کریں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت حسین ؓ کے واقعہ میں ہمارے لئے سبق کیا ہے؟ آج ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت پر نظر ڈالتے ہیں۔مدینہ منورہ میں جانے کے بعد دوسری ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا......غزوۂ بدر کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہے ...... پہلا بیٹا پیدا ہوا حضرت حسن رضی اللہ عنہ...... گیارہ مہینے کے فصل کے ساتھ دوسرا بیٹا پیدا ہوا حسین رضی اللہ عنہ...... چونکہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا کوئی بیٹا نہیں تھا آپ ﷺ اُن کے ساتھ بیٹوں کی طرح پیار کرتے تھے اور اُن کی والدہ حضور ﷺ کی اس وقت اکلوتی بیٹی تھیں۔

- حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جلدی فوت ہوگئیں۔
- حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی جلدی فوت ہوگئیں۔
- حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی جلدی فوت ہوگئی تھیں۔

اُس وقت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باقی رہ گئی تھیں۔تین بیٹیاں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فوت ہوگئیں...... ایک باقی رہ گئیں اس اکلوتی بیٹی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی محبت کی ......اور اُس کی اولاد کے ساتھ بھی انتہائی محبت کی ...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت پر تھیں ...... اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہ دونوں بیٹے اپنی ماں کی شکل پر تھے ......جس کا مطلب یہ ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ شکل وصورت کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

حسنؓ وحسینؓ کا حلیہ:

جب کبھی ذکر آتا تو کہا جاتا کہ حسنؓ اور حسینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہیں...... اُن کا حلیہ، اُن کی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتی ہے...... اور وجہ میں نے آپ کو بتا دی کہ یہ ماں کی شکل پر تھے اور اُن کی ماں اپنے باپ کی شکل پر تھی......تو نواسوں کی شکل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتی تھی۔

کربلا سے پہلے حضرت حسینؓ کی زندگی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو حضرت حسینؓ کی عمر اس وقت سات سال تھی اور حضرت حسن کی آٹھ سال تھی ......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ اور وہاں سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک کا زمانہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے مدینہ میں گزارا ......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ اپنے باپ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے...... جب کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے اس وقت آپ کی عمر تقریباً ستاون سال تھی ......اس وقت بڑھاپے کا دور آجاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے 57 سال کی عمر کیسے گزاری ؟ یہ ہم بھول جاتے ہیں ہم اُن کی ولادت کا تذکرہ کر کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تذکرہ کر کے، سیدھے کربلا پہنچ جاتے ہیں اور وہاں کی بات کو زیرِ بحث لے آتے ہیں ......اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ

درمیان کے 57 سال حضرت حسینؓ نے کیسے گزارے۔آخر اُن کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب:

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں ......اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب آپ سب جانتے ہیں کہ وہ **اسداللہ الغالب** ہے......جس کا معنی ہے ،اللہ کا شیر،غلبہ پانے والا ......حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے شیر تھے اور اپنے مدِمقابل پر غلبہ پانے والے تھے...... یہ ان کا لقب ہے۔

پوری تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں۔اگرچہ تاریخی روایات رطب ویابس ہوتی ہیں لیکن

- قرآن کی تفسیریں۔
- اور حدیث کی تشریح۔
- اور احادیث وروایات۔

اُن سب پر آپ نظر ڈالیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پوری موافقت رکھی......کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جہاں پر اُنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے کوئی لڑائی جھگڑے کی بات کی ہو......موافقت کے ساتھ وقت گزرا اسداللہ کا بھی اور اُن شیر کے بچوں کا بھی۔

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ موافقت رہی۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موافقت رہی۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ موافقت رہی۔
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو موافقت ہونی ہی تھی۔

اور پھر اُس کے بعد بیس سال تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور موافقت کیساتھ گزرا ......ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا کہ جس کے بارے میں کہا جائے کہ

اُنہوں نے کسی قسم کا دعویٰ کر کے یا مقابلہ میں آ کر کوئی لڑائی جھگڑا کیا ہو یا کوئی آپس میں بدمزگی کی ہو...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخر تک تاریخ خاموش ہے اور اُن کی طرف سے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

ہم حسینی ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ ہم حسینی ہیں؟ اختلاف ہوا ہے یزید کے زمانے میں ......حسین اور یزید کے اختلاف میں ہم حسینی ہیں اور ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں ......لیکن حضرت حسین کی زندگی کا یہ اُسوۂ ہے کہ:

- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔
- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔

آخر یہ اُسوۂ کون اپنائے گا؟

- حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف بولنا حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔
- حضرت عمرؓ کے خلاف بولنا یہ بھی حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔
- حضرت عثمانؓ کے خلاف بولنا یہ بھی حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔
- حضرت معاویہؓ کے خلاف بولنا یہ بھی حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔

اس بات پر غور کرنے کے بعد آپ دیکھیں گے حسینی ہم ہیں یا دوسرے؟

- جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں
- جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں۔
- جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں۔
- جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں۔

یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ستاون سال کی سیرت ہم نے اپنائی ہے یا

دوسروں نے اپنائی ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اُس سیرت کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے اُنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے موافقت رکھی ہم بھی موافقت رکھیں۔

جیسے اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے موافقت رکھی ہم بھی موافقت رکھیں......اُن کے خلاف انہوں نے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی...... جب اُنہوں نے نہیں کی تو اُسوۂ حسین رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ سب اَکابر کے ساتھ بڑائی والا معاملہ کیا جائے، اُن کو بڑا سمجھا جائے اوران کی مخالفت میں کوئی کسی قسم کا لفظ نہ بولا جائے......نہ حسین رضی اللہ عنہ نے بولا، نہ حسینیوں کو بولنا چاہیئے۔ یہ اُن کی اس سیرت کا تقاضا ہے۔

شیر کا بیٹا شیر ہوتا ہے

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں اپنی جان کا نذرانہ بھی دیا اوراپنی اولاد کی جان کا نذرانہ بھی دیا......کربلا میں تقریباً اس خاندان کے بہتر افراد شہید ہوئے...... کربلا سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کتنے اُولوالعزم آدمی تھے؟......شیر کا بیٹا شیر تھا...... جب ایک بات کو طے کرلیا کہ باطل کے سامنے نہیں جھکنا ہے اُن کے خیال کے مطابق یزید کوامیر مان لینا یہ باطل کی اتباع تھی تو پھراُس پر ایسے ڈٹے کہ خاندان تو قربان کردیا لیکن اپنا سر نہیں جھکایا یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نمونہ پیش کیا ہے۔

اس سے اپنی عقل کے ساتھ ذرا اتنا تو سوچو کہ جو شخص اُس زمانے میں اپنے موقف پر اس قدر ڈٹا کہ سب خاندان کو قربان کردیا اگر اُس سے پہلے لوگ بھی غلط ہوتے اور اُن کا موقف غلط ہوتا تو کیا اُن کا باپ جو اللہ کا شیر تھا، اسداللہ الغالب تھا ،اور یہ شیر کے بچے بھی اُس کے ساتھ تھے، اُس وقت کیا وہ اُن کی مخالفت نہ کرتے؟...... ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر یہ غلط ہوتے تو یہ اُن کے مقابلے میں بھی جہاد کرتے...... اور اگر یہ لوگ کربلا میں حق کے لئے اپنی اولاد قتل کرواسکتے ہیں تو اُس سے پہلے دور میں کیوں نہ کرتے۔؟

پہلے والے لوگوں کے خلاف نہ بولنا اور اُن کے خلاف کسی قسم کی لڑائی برپا نہ کرنا یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ حضرات حق پر تھے ......تو اُن شیر کے بچوں کی اُن کے ساتھ موافقت تھی ...... اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو مدینہ میں کربلا برپا ہوجاتا ......کوفہ میں کربلا برپا ہوجاتا......اور علی رضی اللہ عنہ کا خاندان اپنی جان کا نذرانہ پہلے دے چکا ہوتا ......لہٰذا کربلا کا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن کے ساتھ:

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقت ہوئی۔
- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی موافقت ہوئی۔
- حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی موافقت ہوئی۔

یہ سب حق پر تھے باطل پر نہیں تھے...... اگر یہ باطل پر ہوتے تو یہ خاندان کسی صورت بھی اُس کو قبول نہ کرتا ......اُسوۂ حسینی کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے گزرے ہوئے افراد سب کے سب حق پر تھے......اس لئے اس خاندان نے اُن کے ساتھ موافقت رکھی ...... یہ بہت بڑا سبق ہے جو آپ کربلا سے حاصل کرسکتے ہیں...... یہ اللہ کے شیر تھے اور شیر کی فطرت ڈرنا نہیں ہے......شیر اور لومڑی میں یہی تو فرق ہے جیسے کہ شاعر کہتا ہے۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

لومڑیوں والا کردار شیر نہیں ادا کیا کرتے ......جو اللہ کے شیر ہوتے ہیں وہ حق گوئی اور بے باکی والے ہوتے ہیں ......حق گوئی و بے باکی اُن کا کام ہوا کرتا ہے وہ لومڑیوں کی طرح مکاری نہیں کرتے۔

اس کربلا کے واقعہ نے پچھلی ساری تاریخ کو صاف کردیا کہ خلفاء راشدین سب کے سب حق پر تھے......اس لئے

- نہ حسن رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔
- نہ حسین رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔

✿ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔

اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو یہ لوگ کبھی بھی اُن کے ساتھ اطاعت کا معاملہ نہ کرتے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اُسوۂ سے یہ واضح دلیل مل سکتی ہے۔ اگر کوئی عقل کے ساتھ سوچے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن خلفاء راشدین کی مخالفت اُسوۂ حسینی نہیں ہے اُن کی موافقت اُسوۂ حسینی ہے۔

آج کل حالاتِ دنیا کے تناظر میں دیکھا جائے اس وقت کفر کی قیادت یہود قوم کے ہاتھ میں ہے...... عیسائی اُن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں...... یہ بات آپ نے سنی ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم نے اُن کو قتل کیا اور اُن کو سولی پر چڑھایا ہے...... عیسائی یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قاتل سمجھتے تھے...... اگرچہ یہ بات خلاف واقعہ ہے اور ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا...... ہاں قتل کا ارادہ کیا، قتل کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا، وہ محفوظ ہیں اور قیامت کے قریب اُتریں گے...... ہم حیاتِ مسیح کے بھی قائل ہیں اور ہم نزولِ مسیح کے بھی قائل ہیں...... بلکہ یہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے کہ حیاتِ مسیح کا منکر کافر ہے اور نزول مسیح کا منکر بھی کافر ہے...... اور یہ ہمارا قطعی عقیدہ ہے ذرا اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔

لیکن یہود کہتے تھے کہ ہم نے قتل کیا ہے قرآن نے صفائی دی۔

وما قتلوه وما صلبوه ...... نہ قتل کیا نہ سولی دی۔

لیکن عیسائی اس بات کے قائل تھے کہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں...... اور آپس میں اُن کی لڑائیاں تھیں بارہا اُن کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں اور عیسائیت نے یہودیت کو بہت بری طرح شکست دی یہ دربدر دھکے کھاتے پھرتے تھے لیکن آج آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں عیسائی اور یہودی دونوں اکٹھے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو برباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

یہودی اور نصرانی اتحاد:

چند سال پہلے کی بات ہے۔ جب اخباروں میں یہ قصہ آیا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے آپس میں موافقت کرلی ......اور اس اختلاف کی بنیاد قتلِ عیسیٰ کے مسئلہ کو اُن لوگوں نے یوں طے کرلیا کہ پوپ نے بیان دے دیا کہ یہودی قاتل نہیں ہیں......اس طرح اُس نے یہود کو بری کر کے اختلاف ہی ختم کردیا۔اب آگے انتظار ہے ایک مسیح کا۔

- یہود بھی ایک مسیح کے منتظر ہیں۔
- عیسائی بھی ایک مسیح کے منتظر ہیں۔
- مسلمان بھی ایک مسیح کے منتظر ہیں۔
- ہم بھی کہتے ہیں کہ مسیح آنے والا ہے۔
- عیسائی بھی کہتے ہیں مسیح آنے والا ہے۔
- یہودی بھی کہتے ہیں مسیح آنے والا ہے۔

یہودی جس مسیح کا انتظار کرتے ہیں ہم اُس کو دجال کہتے ہیں...... اور عیسائی جس مسیح کا انتظار کرتے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ہم بھی اُسی مسیح کے منتظر ہیں...... ہمارے ساتھ اُن کا مقابلہ تھا.....اب اُن دونوں یہود اور نصاریٰ نے عارضی طور پر صلح کرلی کہ جب تک مسیح آتا نہیں اُس وقت تک آپس میں لڑو نہیں جب آجائے گا تو فیصلہ کرلیں گے کہ تمہارا ہے یا ہمارا ہے؟ اس طرح دونوں اتحاد کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں آگئے۔

روئے زمین پر دو ذہن:

اب رُوئے زمین پر دو ذہن ہیں۔

- ا۔ایک ہم ہیں جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں۔
- ۲۔دوسرے وہ ہیں جو اہل بیت سے محبت کا دعویٰ کر کے شیعہ کہلاتے ہیں۔

یہ دو برادریاں ہیں اور آج رُوئے زمین پر یہ دونوں آپس میں لڑتے ہیں۔اور لڑانے کی کوشش یہودی کرتے ہیں۔تا کہ جب یہ دونوں لڑیں گے مسلمان کمزور ہوں گے تو اُن پر قبضہ جمانا آسان ہوجائے گا۔عراق میں جوصورت حال ہے وہ دیکھ لیں کس طرح عیسائی اور یہودی مسلمانوں کو برباد کررہے ہیں اور اس میں شیعہ وسنی دونوں مر رہے ہیں اور شیعہ سنی فساد کروانے کے لئے عالمی سطح پر کتنی کوششیں ہورہی ہیں۔

شیعہ سنی اختلاف کا حل:

اب عیسائی اور یہودی ایران کو آنکھیں دکھا رہے ہیں ......اور ایران میں شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی ہیں ......اور جب یہودی حملہ کریں تو یہ بات نہیں ہے کہ شیعہ نہیں مریں گے اور سنی مریں گے......جب بمباری ہوگی شیعہ اور سنی دونوں مریں گے اور اُن کو آپس میں لڑا کر کمزور کر کے اُن پر ہاتھ ڈالیں گے تا کہ یہ آپس میں لڑیں اور یہود کے مقابلہ کی اُن میں طاقت نہ رہے ......اس لئے شیعہ وسنی فساد یہود و نصاریٰ کے حق میں جائے گا اور مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوگی......اگر مسلمان اس معاملہ میں عقل سے کام لیں ......آپس میں ایک بات پر اتفاق کرلیں جیسے عیسائیوں اور یہودیوں نے اتفاق کرلیا کہ مسیح کے آنے سے پہلے لڑنا نہیں ہے مسیح کے آنے پر فیصلہ ہوجائے گا۔اسی طرح آپ ایک بات کو سوچ لیجئے۔

اہل سنت والجماعت بھی امام مہدی کے منتظر ہیں اور شیعہ بھی امام مہدی کے منتظر ہیں......یہ علیحدہ بات ہے کہ سنی نظریہ یہ ہے کہ امام مہدی باقاعدہ پیدا ہوں گے، جوان ہوں گے، اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن کو اس منصب پر لائے گا......جبکہ شیعہ نظریہ یہ ہے کہ وہ بارہ تیرہ سو سال پہلے پیدا ہوگئے ہیں اور وہ کسی غار کے اندر چھپے ہوئے ہیں وہاں سے ایک وقت آئے گا تو ظاہر ہوں گے۔

اس اختلاف کو ایک طرف رکھ دیں تو دونوں قائل ہیں اس بات کے کہ امام مہدی نے آنا ہے......کوئی اُس کو بارہواں امام کہے یا نہ کہے، پیدا ہونے والا کہہ لے،

چھپا ہوا کہہ لے، اب جب تک مہدی نہ آئے اُس وقت آپس میں اتفاق رکھو...... جب مہدی آ جائے گا اُس وقت دیکھ لیں گے کہ یہ نیا پیدا شدہ ہے یا کہیں سے چھپا ہوا نکلا ہے...... اس نقطہ پر فی الحال آپس میں اتفاق کرلو امام مہدی آئے گا اُس کے بعد دیکھ لیں گے کہ وہ کس حیثیت میں آئے ہیں؟...... جب وہ آ جائیں گے ہم بھی مان لیں گے اور آپ بھی مان لیں گے۔اس لئے اُن کے آنے تک اتفاق کرلیں۔

قرآن مجید ہمارے پاس ہے ہم کہتے ہیں یہ منزل من اللہ ہے، یہی اللہ کی جانب سے آیا ہے...... دوسرا فریق کہتا ہے کہ اصل قرآن مہدی لے کر غائب ہوگیا ہے اور جب ظاہر ہوگا اس وقت وہ لے کر آئے گا...... اس لئے جب تک امام وہ قرآن نہیں لاتا ہے اُس وقت تک اِسی موجودہ قرآن پر عمل کرلو...... جب امام آئے گا تو فیصلہ ہوجائے گا کہ وہی قرآن ہے یا کوئی نیا قرآن ہے۔؟

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ:

ایک بات توجہ سے سنیں۔ ہمارے بزرگوں کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے صدر تھے۔ یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد ہیں۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دورہ حدیث کیا ہے اُس وقت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے اُستاد تھے اور مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے اُستاد تھے۔ ترمذی اور بخاری دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے تھے باقی کتابیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔

> ایک جگہ محرم کے موقع پر ہندوؤں اور شیعوں کا آپس میں جھگڑا ہوگیا۔کیونکہ جہاں سے شیعوں نے تعزیہ گزارنا تھا وہاں پر راستہ میں پیپل کی شاخیں رکاوٹ تھیں اور پیپل کا درخت ہندوؤں کے نزدیک بہت مقدس ہے۔ وہ اس درخت کا بہت احترام کرتے ہیں۔ جیسے گائے کا احترام کرتے ہیں، پیپل کا بھی اُسی طرح احترام کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ گائے پیپل کے پتے کھانے لگ گئی۔ لالہ جی کو کسی نے کہا کہ لالہ جی گائے پیپل کو کھا رہی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ گائے کھائے پیپل کو پیپل کھائے گائے کو، ہمارے لئے دونوں محترم ہیں، ہم اُن دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ کہیں گے، میں بات کر رہا تھا کہ پیپل کا درخت ہندوؤں کے ہاں مقدس ہے، جب تعزیے کے راستے میں پیپل کی شاخیں رکاوٹ بنیں تو شیعوں نے تعزیہ گزارنے کے لئے اُن شاخوں کو کاٹنا چاہا تو ہندوؤں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔اس صورت میں وہاں کے اہلِ سنت والجماعت نے دیوبند سے استفتاء کیا کہ ہم کیا کریں؟ کس کا ساتھ دیں ہندوؤں کا یا شیعہ کا یا تیسرا فریق ہو کر ایک طرف بیٹھ کر تماشا دیکھیں کیا صورت اختیار کریں۔؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیا کہ ہندو شیعہ کو مسلمان سمجھ کر مخالفت کرتا ہے۔ اگر شیعہ اس جھگڑے میں شکست کھا گئے تو ہندو کہیں گے ہم نے مسلمانوں کو شکست دی ہے۔جب ہندو اُن کو مسلمان سمجھ کر اُن کی مخالفت کرتا ہے تو مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ اس موقعہ پر شیعوں کی مدد کریں تاکہ یہ لوگ ہندوؤں کے مقابلے میں شکست نہ کھائیں۔اور ہندوؤں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم نے مسلمانوں کو شکست دے دی ہے۔مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیا کہ ہندو کے مقابلہ میں سنی شیعوں کی حمایت کریں۔کیا اس وقت یہ بات نہیں سوچی جاسکتی کہ آج اگر ایران پر یہودی آتے ہیں حملہ کرتے ہیں تو مسلمان ملک سمجھ کر کرتے ہیں۔بش کی پارٹی اگر ایران پر حملہ کرے گی تو ایران کو اسلامی ملک سمجھ کر کرے گی۔یہ مقابلہ ہوگا عیسائیوں یہودیوں اور شیعہ سلطنت کا، لیکن وہ اُس سلطنت کو مسلمان سمجھتے ہیں۔اُس فتوے کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اُس سلطنت کی حفاظت کے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ اُن کو اسلامی ملک سمجھ کر اُن پر حملہ کریں گے۔اس لئے جہاں مقابلہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ آجائے وہاں پر شیعہ سنی کو

ایک ہو جانا چاہئے۔ تاکہ یہود غلبہ نہ پاسکیں ورنہ اُن کا خیال یہ ہوگا کہ ہم نے مسلمانوں پر غلبہ پالیا۔ ان حالات کے تناظر میں ضروری ہے کہ سب کی سب قوم اس ذہن کے تحت متحد ہو کہ مقابلہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں آپس میں لڑنا یہ کسی صورت بھی مفید نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنے والی بات ہوگی اور در پردہ یہود و نصاریٰ کی حمایت ہوگی۔

جس طرح اگر آپ غور کریں سعودی عرب سے ایک فتنہ اُٹھا ہوا ہے۔ جن کا کام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت اور اُن کو بُرا بھلا کہنا ہے۔ بہت شدت کے ساتھ یہ فتنہ اُٹھا تھا اَب کچھ دَب سا گیا ہے۔ کیونکہ مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی موجودگی میں کانفرنس کروائی اور سعودی عرب کے سفیر کو بلایا اور اس افسوسناک صورتحال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر یہ اسی طرح احناف کی مخالفت کرتے رہے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمہاری شہہ پر ایسا کرتے ہیں۔ ایسے میں ہم بھی برملا سعودی عرب کی حکومت کی مخالفت کریں گے۔ اس سے وہ شدت کسی قدر کم ہوگئی۔ اللہ کریم مسلمانوں کو عقل وفہم اور موقعے کی نزاکتوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك۔

❀❀❀

شان اولیاء

بموقع: تبلیغی اصلاحی جلسہ

بمقام: عمر کھچی تحصیل میلسی ضلع وہاڑی

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: ۲۷ نومبر ۲۰۰۵ء

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون الذین
اٰمنوا و کانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ
الدنیا وفی الآخرۃ لاتبدیل لکلمات اللّٰہ۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بُنَیَّ اِنْ اِسْتَطَعْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِی قَلْبِك غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ یٰبُنَیَّ ھٰذَا مِن سُنَّتِیْ مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِی فَقَد اَحَبَّنِیْ وَمَنْ احبَّنِی کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ۔ (ترمذی صٓج جٓط ،مسند ابی یعلیٰ صٓع ٓج، مشکوٰۃ ٓط)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ اَلْمَرءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (بخاری ٓعٓط)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم وَ نَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِیْن۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی
عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید:

میرے تو وہم وخیال میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی جلسہ ہو رہا ہے۔ اور اس میں مجھے کچھ بیان بھی کرنا پڑے گا۔ مجھے تو اطلاع یہ ملی تھی کہ حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے اس دوست، مہربان بھائی محمد اختر صاحب خلیفہ مجاز حضرت خاکوانی صاحب کی طرف سے دعوت ہے۔ تو میں نے سوچا کہ دو کام ہو جائیں گے۔ حضرت کی زیارت بھی ہو جائے گی۔ اور دوستوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ اَب حضرت نے حکم فرمایا ہے کہ بیان تو لازماً کرنا ہے۔ چاہے پہلے کروں چاہے بعد میں کروں۔ مَیں چونکہ آج سارا دن مصروف رہا اور بڑا لمبا سفر میں نے کیا ہے۔ اس لئے معذرت بھی کی کہ مَیں تھکا ہوا ہوں۔ لیکن حضرت کا فرمان ہے کہ بیان تو لازماً کرنا ہے۔ لہٰذا تعمیلِ ارشاد کیلئے ابتداء میں اللہ کی توفیق سے اور اِن حضرات کی توجہ سے دو چار باتیں عرض کر دیتا ہوں۔ صرف اس مجلس کی برکات میں شریک ہونے کے لئے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے۔ اس لئے میں نے حضرت کی خدمت میں درخواست کی ہے کہ گاڑی آپ کی توجہ سے چلے گی۔

آیت کی وضاحت

سب سے پہلے میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی آیت پڑھی۔ اَلَا۔ عربی میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جہاں کوئی اہم بات کہنی ہو اور سننے والے کو متوجہ کرنا مقصود ہو۔ ہماری زبان میں بھی چاہے وہ پنجابی ہے چاہے وہ اردو ہے۔ ایسے الفاظ آتے ہیں۔ '' کان کھول کر سنو''۔ '' توجہ سے سنو''۔ ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ذرا خیال سے سن لو''۔ ایسے لفظ پہلے بولے جاتے ہیں۔ اس بات کے شروع میں جو اہم ہوتی ہے۔ تو۔ اَلَا۔ جس کو ہم طالب علمانہ زبان میں حرف تنبیہ کہتے ہیں۔ اور ہم اس کا معنی کرتے ہیں خبردار۔ ہوش سے سنو۔ توجہ سے سنو......

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْن......

بے شک اللہ کے دوست نہ اُن پر خوف ہوتا ہے نہ حزن۔

ان الفاظ میں یہ سمجھو کہ شانِ اولیاء مذکور ہے۔ آگے آ گیا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوا ......

اولیاء وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ صحیح ہوتا ہے۔

وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ......اور اللہ سے ڈرتے ہیں......تو ان الفاظ میں اولیاء اللہ کی پہچان ہے کہ ولی کون ہوتا ہے۔ ولی کسے کہتے ہیں؟

ان اولیاء اللّٰہ۔ والے الفاظ میں اولیاء اللہ کی شان ہے۔ اور......الذین اٰمنوا و کانوا یتقون...... میں اولیاء کی پہچان ہے۔ اور

لھم البشریٰ...... کے الفاظ میں اولیاء اللہ کا انجام ہے۔ تین باتیں آ گئیں۔ اولیاء کی شان...... اولیاء کی پہچان......اور اولیاء کا انجام ہے۔ یہ آیت اِن تینوں باتوں پر مشتمل ہے۔

ان میں سے ایک ایک بات تفصیل طلب ہے۔ جس کے لئے نہ مجھ میں ہمت ہے نہ وقت میں گنجائش ہے۔ آنے والے سب حضرات اس موضوع پر بیان کریں گے۔ اس لئے ان شاء اللہ العزیز ان باتوں کی پوری تفصیل اس میں آ جائے گی۔

ایمان کیا ہے؟

پہلی بات جو میں نے ذکر کی وہ ایمان ہے۔ اس میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ ایمان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کرتے ہوئے:

- جن چیزوں کو ہماری آنکھوں نے دیکھا نہیں۔
- جن چیزوں کو ہمارے کانوں نے سنا نہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسول پر اعتماد کرتے ہوئے اُن باتوں کو مان لیا جائے اور اُن پر یقین کر لیا جائے۔ اس کو ایمان کہتے ہیں۔

ایمان میں توحید بھی ہے۔ ایمان میں رسالت پر ایمان لانا بھی ہے۔ اور آخرت پر ایمان لانا بھی ہے۔

سب سے پہلے علم

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ جس کو ہم ولی کہنا یا ماننا چاہتے ہیں کیا اُس کے پاس ایمان ہے؟ اُس کا عقیدہ صحیح ہے؟ توحید، رسالت اور معاد پر اُس کا ایمان ہے۔ کیا وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بیان کی ہوئی باتوں پر یقین رکھتا ہے۔؟ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ باتیں تب ہی یقین میں آئیں گی جس کے پاس ان باتوں کا علم بھی ہو۔ اور اگر وہ جانتا ہی نہیں تو اُس پر یقین کیا کرے گا۔ اس لئے علم سب سے پہلے ...... **فاعلم انه لا الله الا الله**...... کہ وہ اِن باتوں کی تفصیل جانتا ہو جن کو ماننا ضروری ہے۔

تفصیل جاننے کے بعد پھر اُس پر دلی یقین بھی کرتا ہو۔ یہ ایمان ہے۔

و کانوا یتقون......اور اس میں تقویٰ بھی ہو۔

تقویٰ کی تعریف

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ مومن متقی اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ بعض آثار میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے؟ اُنہوں نے کہا امیر المومنین آپ کو کبھی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں کانٹے دار جھاڑیاں بہت ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ اُنہوں نے فرمایا کیسے چلتے ہو؟ فرمایا دامن بچاتے ہوئے، قدم بچاتے ہوئے، احتیاط کے ساتھ قدم اُٹھاتا ہوا چلتا ہوں۔ تو فرمایا یہی تقویٰ ہے۔ کہ چلو بچ بچ کے، قدم رکھو سوچ سوچ کے، دامن کو سنبھال کر چلنے کے اس طریقے اور جذبے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۶۱ ج ۱، تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۱ ج ۱)

روحانیت کے کانٹے

لیکن انسان کے روحانی سفر میں کون سے کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔ تو جواب یہ

ہے کہ وہ کانٹے ہیں معاصی اور گناہ:

- نگاہ کا گناہ۔
- کان کا گناہ۔
- دل کا گناہ۔
- لین دین کا گناہ۔
- مالیات میں ہیر پھیر کا گناہ۔

یہ سب کے سب کانٹے بکھرے ہوئے ہیں۔تو متقی اُس کو کہتے ہیں جو ہر چیز سے بچتا ہوا چلے۔ نہ اپنی آنکھ کو کہیں اُلجھنے دے۔ نہ اپنے کان کو کسی غلط مصرف پر استعمال ہونے دے، حتیٰ کہ تقویٰ کی انتہاء یہ ہوتی ہے کہ دل کے اندر بھی غیر اللہ سے تعلق نہ رہے، معصیت کا شوق ذوق نہ رہے۔ بلکہ دل بھی متأثر ہوجائے تو ظاہر سے لے کر باطن تک انسان متقی ہوگیا۔

اور اگر کسی کی ساری زندگی سراپا معصیت ہے۔ اللہ کے اَحکام کی مخالفت کرتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، گانے سنتا ہے، غیر محرم عورتوں میں وقت گزارتا ہے، اور لوگوں سے غلط طریقوں کے ساتھ مال سمیٹتا ہے۔تو یہ شخص ایسا ہے جس کو تقویٰ کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ایسے شخص کو ولی سمجھ لینا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اور اس دھوکے میں آجانے کے بعد انسان خود گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ پہلے دیکھو کہ عقیدہ صحیح ہے یا نہیں۔؟ اور اُس شخص کا عمل تقویٰ والا ہے یا نہیں۔؟ اللہ کی معصیت سے بچتا ہے یا نہیں۔؟ اگر اللہ کی معصیت سے بچتا ہے بچ بچ کے چلتا ہے۔ اپنی ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے۔ اپنے دامن کو کسی معصیت کے کانٹے میں اُلجھنے نہیں دیتا تو پھر آپ کہیں گے کہ یہ مومن بھی ہے۔ متقی بھی ہے۔ اور یہ اللہ کا ولی ہے۔

دنیاوی سازوسامان میں وراثت

میری ایک بات ذرا غور سے سن لیں! ایک ہماری یہ مادی زندگی ہے۔ اسمیں ہمارے پاس دنیا کا مال ہوتا ہے۔ ایک آدمی کوٹھی کا مالک ہے۔ ایک آدمی مربعوں کا

مالک ہے۔ ایک آدمی کارخانوں کا مالک ہے، کار کا مالک ہے۔ یہ دنیاوی سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس مال میں وراثت رکھی ہے۔ بیٹا لائق ہو تو بھی وہ وارث ہے۔ نالائق ہو تو بھی وارث ہے۔ باپ زمیندار تھا اُس کے مرنے کے بعد وہ زمین بیٹے کو مل جائے گی۔ بیٹا بھی زمیندار ہو جائے گا۔ چاہے لائق ہو چاہے نالائق ہو۔ باپ مل کا مالک ہے مرے گا مل بیٹے کو مل جائے گی۔ وہ لائق ہے چاہے نالائق ہے۔ کوٹھی ہے جب اُس کا مالک مرا تو مرنے کے بعد کوٹھی بیٹے کو مل جائے گی۔ چاہے وہ لائق ہے چاہے نالائق ہے۔ اور آج کل ہمارے زمانے میں یہی دستور ہے کہ دنیاوی سازوسامان میں اللہ نے وراثت کا اُصول رکھا ہے کہ جس وقت بڑا مرتا ہے تو وہ چیز چھوٹوں کو مل جاتی ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ پڑھے ہوئے ہیں یا جاہل ہیں۔ نیک ہیں یا بدمعاش ہیں۔ عقل مند ہیں یا پاگل ہیں۔ کیسا بھی ہو۔ وراثت منتقل ہوتی ہے۔

روحانی کمالات میں وراثت نہیں

اور ایک ہیں روحانی کمالات۔ یاد رکھئے روحانی کمالات میں وراثت نہیں ہے۔ روحانی کمالات حاصل کرنے کے لئے انسان کو خود محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگر کسی کا باپ حافظ ہے اور بیٹے نے محنت کر کے قرآن یاد نہیں کیا تو وراثت میں وہ حافظ نہیں بنے گا۔ اگر باپ حاجی ہے اور بیٹے نے اپنے عمل کے ساتھ حج نہیں کیا تو باپ کے حاجی ہونے کی وجہ سے بیٹا حاجی نہیں ہوگا۔ یہ تو خیر بڑی باتیں ہیں۔ انسانی کمالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں لے لیں۔ مثلاً سائیکل چلانا یہ بھی ایک کمال ہے۔ اگر بیٹا خود محنت کر کے سائیکل چلانا نہیں سیکھے گا تو اُس کو صرف اس بنا پر سائیکل چلانا نہیں آجائے گا کہ اُس کا باپ سائیکل چلاتا تھا۔

یہ چھوٹے چھوٹے کمالات ایسے ہیں جو محض وراثتاً نہیں آتے بلکہ اُس کے لئے انسان کو خود محنت کرنا پڑتی ہے۔

ایک بہت بڑی گمراہی

ہمارے ہاں ایک بہت بڑی گمراہی کی بات یہ ہے کہ فلاں شخص کا باپ بڑا آدمی تھا،

بزرگ تھا، پیر تھا اس لئے اس کا بیٹا لازماً پیر ہے۔ چاہے وہ جاہل ہو، یا جیسا کیسا ہو۔ بس ولی کا بیٹا ولی ہے۔ آٹھ آٹھ سو سال پہلے بزرگ گزرے ہیں۔ آج اُن کے وارث چاہے جس قسم کے ہوں۔

- کتے لڑاتے ہوں۔
- ناچ گانا کرواتے ہوں۔
- فحاشی میں مبتلا ہوں۔
- عیاشی میں مبتلا ہوں۔

چاہے وہ سرے سے نماز نہ جانتے ہوں۔ بسم اللہ نہ جانتے ہوں۔ کچھ اُنہوں نے پڑھا نہیں، قرآن کریم کی تلاوت تک نہیں جانتے لیکن لوگ اُن کو سجدے کرتے ہیں، اور اُن کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ اور محنت کی کمائی لے جا کر اُن کے پلے ڈالتے ہیں۔ کیونکہ یہ بزرگوں کی اولاد ہے۔ بہت سے لوگ اس وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ یہ چونکہ بزرگوں کی اولاد ہیں اس لئے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو بزرگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کو تحفہ، ہدیہ دے دینا یہ الگ بات ہے۔ لیکن اس کو اپنا مقتدا مان لینا یہ عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے۔

روحانی کمالات خود محنت کر کے حاصل کرنے پڑتے ہیں وراثت میں نہیں آیا کرتے۔ اس لئے ولی کا بیٹا ولی ہو یہ کوئی اُصول نہیں۔ آپ اللہ کے دوست بننا چاہتے ہیں۔ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ از خود محنت کرو۔ محنت کر کے علم حاصل کرو، محنت کر کے اپنا عقیدہ صحیح کرو، محنت کر کے اپنا عمل صحیح کرو اور تقویٰ کو اپناؤ۔ اور تقویٰ کو اپنانے کے بعد اگر آپ کا باپ ولی تھا تو آپ بھی ولی بن جائیں گے۔ اور اگر محنت کے ساتھ آپ اُن اُصولوں کو نہیں اپنائیں گے تو آپ محروم رہ جائیں گے۔ جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی خود محنت نہ کرنے کی وجہ سے کمالات سے محروم ہو گیا۔ اس لئے ایمان اور تقویٰ یہ دونوں ولایت حاصل کرنے کے اُصول ہیں۔ سب

سے پہلے اپنا عقیدہ درست کرو اور اس کے بعد اپنا عمل صحیح کرو۔ ظاہر بھی شریعت کے مطابق ہو جس کو اتباعِ شریعت کہتے ہیں۔ اور باطن بھی صحیح کرو جس کو ہم طریقت اور تزکیہ کہتے ہیں۔ اور جب ظاہراً و باطناً اصلاح ہو جاتی ہے تو انسان اللہ کے قریب ہو کے ولی بن جاتا ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

تقویٰ حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت آسان اُصول مقرر فرمایا ہے۔ کہ اہلِ تقویٰ اور اہلِ ایمان سے محبت کر کے جب اُن سے ملنا جلنا شروع کرو گے تو آپ کو بھی یہ دولت نصیب ہو جائے گی۔ یہ تقویٰ والی نعمت بازار میں نہیں ملتی۔ یہ نعمت اُن لوگوں کے پاس ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ دیا ہے اُن کے ساتھ محبت اور اُن کے ساتھ تعلق، اُن کی صحبت میں بیٹھنا اور اُن کی زیارت کرنا، یہ چیزیں ایسی ہیں۔ جن کے ساتھ انسان کو تقویٰ بھی آتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کرنے کا طریقہ بھی آتا ہے۔ اور انسان کا عقیدہ بھی صحیح ہوتا ہے اور عمل بھی صحیح ہوتا ہے۔ اس لئے جو حقیقتاً اللہ کے ولی ہوں اُن کی زیارت بھی ثواب، اُن کی صحبت میں بیٹھنا بھی بہت بڑی سعادت اور اُن کے ساتھ محبت، یہ بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اس سلسلے میں میں نے آپ کے سامنے مختصر سی روایت پڑھی۔

حدیث کا شانِ ورود

المرءُ مع من احب......

اس کا شانِ ورود۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کب فرمایا تھا حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ ایک آدمی کو کسی شخص سے محبت ہے۔ لیکن

لم یلحق بہٖ

وہ اُس کے ساتھ ملا نہیں۔ **لاحق** کے شارحین نے دو معنی کئے ہیں ایک یہ کہ وقت نہیں پایا ایک دوسرے کا زمانہ نہیں پایا اور آپس میں ملاقات نہیں ہوئی تو حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ تم نے محبت لگالی اگر اُس کے ساتھ لحوق نہیں ہوا، اُس کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی تو بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اکٹھا کردے گا۔ محبت والے کی معیت نصیب ہو جائے گی۔ اور ایک معنی یہ ذکر کیا کہ عمل کے اعتبار سے انسان اُس کے ساتھ لاحق نہیں، وہ بڑے نیک، بہت متقی، بڑے عبادت گزار، بہت قرآن کریم پڑھنے والے، اور دوسرا شخص اُن سے محبت رکھتا ہے لیکن اُس کا عمل اُس معیار کا نہیں۔ اور عملی زندگی میں وہ اُن کے ساتھ لاحق نہیں ہے بلکہ بہت نیچے ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بات نہیں جس وقت تمہارا محبوب اللہ کا ولی ہوگا، اُس کا جو درجہ اور مرتبہ ہے محبت کے نتیجہ میں اللہ قیامت کے دن تمہیں اُن کے ساتھ ملا دے گا۔ گویا کہ محبت سے عملی کمی کی تلافی ہو جائے گی۔ لاحق کا یہ دوسرا معنی زیادہ واضح ہے۔

ایمان کے بعد سب سے زیادہ خوشی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان کی تھی تو اُس وقت جو لوگ وہاں موجود تھے اُن کو ایمان کے بعد سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور قیامت کے دن ہمیں اُن کی معیت مل جائے گی۔ اور صحابہ کو تو سب سے زیادہ محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی یا صحابہ کو آپس میں ایک دوسرے سے محبت تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے بہت محبت ہے۔ ان شاء اللہ قیامت کے دن میں اُنہیں کے ساتھ ہوں گا۔

محبت کی پہچان کا طریقہ

محبت دل میں ہوتی ہے۔ آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ تو سوال یہ ہے کہ محبت کی پہچان کیسے ہوگی؟ کہ آپ کو اُس سے محبت ہے۔ اُس کا کوئی معیار ہے یا نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو

بیٹا کہہ کر بلاتے تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا بُنَّی ......اے بیٹے......

ان استطعت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبك غش لاحدٍ

بیٹے اگر ایسا ہوسکتا ہے کہ صبح تو اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کینہ بغض نہ ہواور شام تو اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کینہ بغض نہ ہو۔اگر تو ایسا کرسکتا ہے تو ایسے ہی کیا کر۔ پھر فرمایا۔

ھذا من سنتی......

یہ میرا طریقہ ہے۔ کہ میں اپنے دل میں کسی سے حسد بغض نہیں رکھتا۔غش نہیں رکھتا۔

من احب سنتی فقد احبنی......

جس نے میری سنت سے پیار کیا اُس نے میرے سے پیار کیا۔

ومن احبنی کان معی فی الجنة......

اور جو میرے سے محبت کرے گا۔ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔اس روایت کو آپ کے سامنے پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں محبت ہے یانہیں۔اُس کا معیار اتباع سنت ہے۔ کہ سرور کائنات کے طریقے کو ہم دل و جان سے سب سے اچھا طریقہ سمجھیں۔ جیسا کہ حضرت نفیس شاہ صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ اپنی نظم میں فرماتے ہیں۔اے رسول امین تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ کائنات میں سب سے ممتاز ہیں۔تو آپ ﷺ کا طریقہ بھی کائنات میں سب سے زیادہ ممتاز ہے۔کوئی دوسرا شخص نہیں کہ جس کے طریقے کو ہم کہہ سکیں کہ اس کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اچھا ہے۔اگرکسی کا یہ عقیدہ ہے تو وہ ایمان سے خالی ہے۔

✵ رسول اللہ کا طریقہ سب سے بہتر۔

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا سب سے بہتر۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں سب سے اچھے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول، اُولوالعزم رسول، صاحب کتاب رسول، وہ فرعون وقت کے مقابلے میں آ گئے اور وقت کا فرعون اپنے آپ کو رب بنائے بیٹھا تھا۔ اور کہتا تھا۔

انا ربکم الاعلیٰ

میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ قرآن نے اُس کا تذکرہ کیا ہے۔ مشرک تھا، بت پرست تھا، شرک پھیلاتا تھا۔ ایک تو اس فرعون کا طریقہ تھا اور ایک مقابلے میں آنے والی شخصیت موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ تھا۔ اب جو شخص موسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے اُس نے اُنہیں کا طریقہ اپنانا تھا۔ مصر میں ایک تہذیب فرعون کی تھی اور دوسری تہذیب موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔ تو وہ فرعونِ وقت اپنی قوم کو موسیٰ سے مشتعل کرنے کے لئے بتاتا ہے کہ۔

انی اخاف ان یبدل دینکم

مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ تمہارا دین نہ خراب کر دے اور ایک جگہ لفظ ہے۔

وان یذھب بطریقتکم المثلیٰ

تمہارا بہترین طریقہ جس کے مطابق تم زندگی گزار رہے ہو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے اس طریقے کو ختم کر کے تمہاری تہذیب کو خراب نہ کر دے۔

تاریخ خود کو دہراتی ہے

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ آج وقت کا فرعون بھی یہی کہتا ہے کہ ہماری تہذیب سب سے اچھی ہے۔ اور اسلام سے خطرہ ہے کہ کہیں ہماری تہذیب کو ختم نہ کر دے۔ یہ وہی فرعونی نعرہ ہے۔ جو اس وقت فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لگایا تھا۔ آج کا فرعون محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں یہی نعرہ لگاتا

ہے گویا اُن کا طریقہ اچھا نہیں اور ہمارا طریقہ اچھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اسلام پھیل کر کہیں ہماری تہذیب کو ادل بدل نہ کرے۔

اب ایک طرف تو بش ملعون کی تہذیب ہے اور ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ آپ درمیان میں کھڑے ہیں۔ تو اگر آپ نے اس بش ملعون کے طریقے کو اختیار کیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کے طریقے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مقابلے میں اچھا سمجھ لیا۔ تو جو اس عیسائی تہذیب کو، اس بش ملعون کے طور طریقے کو اچھا سمجھ کر اختیار کرے اور وہ کہے کہ واقعی یہ لباس اچھا ہے یہ رہنا سہنا اچھا ہے۔ اس طرح زندگی گزارنی اچھی ہے۔ تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔

سنت کی پابندی ہی میں نجات ہے

جب مقابلہ آ جائے تہذیبوں کا۔ تو آپ ایک ایک سنت پر پابند ہو جائیں۔

- آپ کے نزدیک شکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے اچھی ہو۔
- آپ کے نزدیک لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اچھا ہو۔
- آپ کے نزدیک کھانے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اچھا ہو۔
- آپ کے نزدیک زندگی کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اچھا ہو۔

اور ہم اس بش ملعون کی تہذیب پر لعنت بھیجتے ہیں۔ تو پھر اس کا اظہار ہوگا کہ آپ کو واقعتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ اور اُن کے دشمن سے آپ کو نفرت ہے۔ اپنے دل میں غور کرو کہ تمہارے اندر کون سی تہذیب رچی ہوئی ہے اور کس تہذیب کو تم ترجیح دیتے ہو۔؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مقابلے میں کوئی دوسرا طریقہ ہے جس کو آپ اپنائیں۔؟ لیکن تم اپناؤ تو عیسائی تہذیب، طور طریقہ تمہارا کافروں والا ہو۔ تو اس بارے میں علامہ اقبال کا فتویٰ ہے۔

وضع میں ہو تم نصاریٰ تو تمدن میں یہود
تم مسلماں ہو جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

وضع میں تم نصاریٰ

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری شکل دیکھو تو عیسائیوں والی۔ رسم و رواج دیکھو تو ہندوؤں والے۔ کیا تم مسلمان ہو جن کو دیکھ کے شرمائیں یہود۔ تو علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے کہ ان سب کاموں کے باوجود تم کہو کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں۔ یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ جس کا انسان عاشق ہوتا ہے اُس کے طور طریقے بھی انسان کو اچھے لگتے ہیں۔ سکھ کسی جگہ کھڑا ہو اپنی تہذیب کے اعتبار سے وہ پہچانا جاتا ہے کہ یہ سکھ ہے اور ہمارے مسلمان قائدین جو اُن کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کوئی پہچان سکتا ہے کہ یہ کون ہیں؟

دہلی میں ایک شاعر تھا آغا صاحب کے نام سے لوگ اُس کو بلاتے تھے۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت عاشقانہ نظم لکھی۔ اور وہ نظم فارسی زبان میں تھی۔ اُس کی نظم کا بہت چرچا ہوا۔ حتیٰ کہ وہ نظم ایران میں پہنچ گئی۔ تو وہاں بیچارہ ایک سادہ دل آدمی تھا۔ یہ نظم پڑھ کے اُس کے دل میں آیا کہ یہ شخص جس نے یہ نظم لکھی ہے کس قدر عاشق رسول ہے۔ میں نے سنا ہے کہ پاکپتن کے سجادہ نشین کسی میلاد کے جلسے میں شریک تھے۔ اور وہاں پر کسی نعت خواں نے حضرت نفیس شاہ صاحب مدظلہ کی نظم:

اے رسولِ امیں خاتم المرسلین
تجھ سا کوئی نہیں ! تجھ سا کوئی نہیں

پڑھی تو اُس سجادہ نشین نے پوچھا یہ نظم کس کی ہے تو اُس کو بتایا گیا کہ ایک دیوبندی بزرگ کی ہے۔ تو اُس نے برملا بھرے مجمع میں کہا کہ اگر یہ نظم کسی دیوبندی بزرگ کی ہے تو میں آج کے بعد دیوبندی ہوں۔ ہے کسی میں ہمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اس طرح کی نظم کہنے کی۔؟ تو اب اُس ایرانی آدمی کو نظم پڑھ کر

اُس شاعر کو دیکھنے کا شوق ہوا۔تو وہ دہلی اُس شاعر کی زیارت کیلئے آ گیا۔دہلی میں آ کر اُس کا پتہ معلوم کرنا چاہا تو کسی نے کہا کہ وہ فلاں حجام کی دکان پر بیٹھے ہوئے حجامت بنوا رہے ہیں۔ وہ وہاں پہنچا۔تو اُس نے دیکھا کہ آغا صاحب داڑھی منڈوا رہے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر اُس کے تو ہوش گم ہو گئے۔ پریشان ہو کر کہنے لگا آغا صاحب۔

آغا ریش می تراشی؟......آغا داڑھی منڈاتے ہو۔؟ تو آغا صاحب نے جواباً کہا

بلے ریش می تراشم ولیکن دلے کس نمی خراشم

ٹھیک ہے کہ داڑھی منڈاتا ہوں لیکن میری عادت ہے کہ میں کسی کا دل نہیں دکھاتا۔تو وہ آدمی کہنے لگا آغا!......دلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) می تراشی......

آغا کیا بات کرتے ہو۔تمہاری اس حرکت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے کہ کلمہ میرا پڑھتے ہیں اور تہذیب عیسائیوں کی۔تو لکھا ہے کہ اُس آغا نے چیخ ماری اور وہیں پر بے ہوش ہو گیا۔اور جب ہوش میں آیا تو کہنے لگا

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی

کہ مرا بہ جانِ جاں ہمراز کردی

اللہ تجھے بدلہ دے تو نے میری آنکھیں کھول دیں۔اور واقعہ ہے کہ سنت کے خلاف کرنے کی وجہ سے جس وقت ہمارے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے یا جب ہم یہ شکل صورت لے کر روضۂ اقدس پر جاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے کہ میرا یہ اُمتی کہاں بھٹکا ہوا ہے۔؟ اس لئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح محبت کرنی ہے تو اتباع سنت کرو۔اور اتباع سنت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہوگی جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اللہ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

❀❀❀

سنت و بدعت میں فرق

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!!

اما بعد!

فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
کل مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِیْ النَّار
اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (نسائی ص[ع] ج[ط] مشکوٰۃ ص[۲۷]
ج[ط])
صَدَقَ رَسُوْلُنَا الْکَرِیْم وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔
للّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ
وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی
اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

محرم کا مہینہ اوراس کے ابتدائی ایام ہیں۔ ان تاریخوں میں کچھ تاریخی واقعات بھی ہیں اور کچھ لوگوں نے رسم و رواج اختیار کرر کھے ہیں جن کے متعلق ضروری ہے کہ شریعت حقہ کی روشنی میں اُن کی وضاحت کردی جائے کہ اُن میں سے کون سا طرز عمل درست ہے اور کون سا درست نہیں ہے۔

مجمع چونکہ طلباء کا ہوتا ہے اور مقصد بھی طلباء کے خیالات کی اصلاح ہے۔ بار ہا ذکر کر چکا ہوں کہ اس ہفتہ وار بیان میں زورِ بیان دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ بات سمجھانا مقصود ہوتا ہے گویا یہ بھی باقاعدہ ایک تعلیم کا شعبہ ہے۔

- جس میں آپ حضرات کے خیالات......
- جس میں آپ حضرات کے عقائد......
- جس میں آپ حضرات کے اعمال......

کے متعلق آپ کو اصلاحی ہدایات دی جاتی ہیں۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا مختصر سے وقت میں دو چار اہم باتیں آپ کے ذہن میں ڈالوں گا۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے سمجھانے کی توفیق دے۔ اللہ کی سب سے بڑی عنایت اور رحمت یہ ہے کہ اُس پر عمل کی بھی توفیق دے۔

ہماری نسبت علماء دیوبند کی طرف ہے

پہلی بات یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں اور بچہ بچہ جانتا ہے کہ ہماری نسبت علماء دیوبند کی طرف ہے۔ علماء دیوبند کی خصوصیت جو سب سے زیادہ ممتاز ہے وہ سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب ہے۔ یاد رکھنا ان الفاظ کو۔ اس لئے ہم بدعتی نہیں ہیں سنی ہیں۔ سنت کی اتباع کرتے ہیں۔ بدعت سے بچتے ہیں۔

بدعت کسے کہتے ہیں

مختصر سے الفاظ میں بدعت کی وضاحت کرتا ہوں تا کہ آپ کے ذہن میں

آ جائے۔ یہ روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی۔ یہ باب الاعتصام میں مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بدعة و كل بدعة ضلالة...... (مشکوٰۃ ص ۲۷)

اور ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد...... (بخاری ص ۳۷۱ ج ۱، مسلم ص ۷۷ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۲۷ ج ۱)

احداث نئی چیز پیدا کر لینا۔ ہر نئی پیدا کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور پھر گمراہی جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔

نئی چیز سے کیا مراد ہے

نئی پیدا کی ہوئی چیز سے کیا مراد ہے؟ جس کو ہم بدعت کہتے ہیں۔ آپ سے اگر کوئی بات کرتا ہے تو آپ جلدی سے کہہ دیں گے کہ بدعت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی اور اَب ہونے لگ گئی۔ تو جاہل آدمی بھی اس پر فوراً اعتراض کر دیتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں گھڑی نہیں تھی، آپ گھڑی کیوں استعمال کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ریل نہیں تھی، آپ ریل پر سفر کرتے ہیں، اُن کا اعتراض درست ہوتا ہے، آپ کی تعریف غلط ہوتی ہے۔ اگر آپ نے صحیح تعریف کی ہوتی تو وہ یہ اعتراض نہ کرتے۔

بدعت کی درست تعریف

بدعت کی صحیح تعریف سمجھو۔ ایک دفعہ کسی شخص نے ہمارے کسی کام پر اعتراض کرتے ہوئے میرے سامنے کہا کہ یہ کام حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔ آپ کیوں کرتے ہیں یہ بدعت ہے۔ میں نے کہا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تُو بھی نہیں تھا پھر تُو بھی بدعت ہے۔ بات صاف ہے کہ اگر بدعت کی یہی نشانی ہے کہ جو حضور ﷺ کے زمانے میں نہ ہو تو آپ لوگ حضور ﷺ کے زمانے میں تھے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ

سر سے لے کر پاؤں تک مجسمہ بدعت ہیں۔اس لئے بدعت کی یہ تعریف درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دین جسے اللہ نے ہم تک پہنچایا۔اس کا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے اہل سنت والجماعت کے نزدیک چار دلائل ہیں۔جن کے ساتھ دین کا مسئلہ ثابت ہو حق ہے۔

کتاب اللہ...... سے ثابت ہو حق ہے۔سنتِ رسول اللہ، سرور کائنات ﷺ کی سنت ...... سے ثابت ہو حق ہے۔ اجماع اُمت......اس میں خاص طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ جو مسئلہ اُن کے نزدیک دین ہو وہ دین ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ اور جس پر اُمت جمع ہوجائے وہ ہدایت ہے ضلالت نہیں۔اس لئے کسی مسئلے کے حق ہونے کے لئے تعاملِ اُمت مستقل دلیل ہے اور چوتھے نمبر پر ہے قیاسِ صحیح، ہمارا سب دین اور ہمارے مسائل ان چار دلیلوں میں سے کسی سے ثابت ہوتے ہیں:

- کتاب اللہ......
- سنتِ رسول اللہ......
- اجماع اُمت......
- قیاسِ صحیح......

پھر قیاسِ صحیح کے چار رکن ہیں۔۱۔ اصل ہو......۲۔فرع ہو......۳۔علت ہو...... ۴۔حکم ہو...... پھر اس کا تعدیہ ہوتا ہے اس لئے قیاس معمولی بات نہیں ہے بلکہ اُصول فقہ میں یہ بہت مشکل بحث ہے۔ دین کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے تو ان چار دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے۔معلوم ہوا ایسی ہر بات جو آپ نے دین اور شریعت کا مسئلہ سمجھ کر کی اور اُسے آپ نے ثواب سمجھا لیکن وہ ان چار دلیلوں میں سے کسی سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے۔ میں یہ گھڑی اگر باندھتا ہوں تو دین سمجھ کر نہیں باندھتا۔اس لئے اس پر بدعت کی تعریف سچی نہ آتی...... میں ریل پر سوار ہوتا ہوں تو اُس کو دین کا مسئلہ نہیں سمجھتا کہ قرآن میں آتا ہے یا حدیث میں آتا ہے کہ ریل پر چڑھا کرو، بس یا کار پر سفر نہ کرو یہ

ثواب ہے۔ ایسا کہتا ہے کوئی۔؟ اس لئے کہ یہ دین کے مسائل نہیں ہیں اور جب یہ دین کے مسائل نہیں ہیں تو ان کے لئے بدعت کا لفظ بھی نہیں بولیں گے...... لاؤڈ سپیکر ہم دین سمجھ کر استعمال نہیں کرتے بلکہ ضرورت کی وجہ سے استعمال کرتے ہیں کیونکہ مجمع کی زیادتی کی بنا پر دُور تک آواز نہیں پہنچتی اور یہ ایک ذریعہ ہے جس سے آواز اُونچی ہوتی ہے، اس لئے اگر کوئی اُسے استعمال کرتا ہے تو ہم اُس کو ثواب نہیں کہتے۔ نہیں استعمال کرتا تو ہم اُس کو گناہ نہیں کہتے۔ میری جگہ کسی ایسے شخص کو بٹھا دو جس کی آواز اُونچی ہو تو سپیکر کو ایک طرف کر کے رکھ دو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال بدعت نہیں ہے کیونکہ کہ ہم اس کو دین کا مسئلہ سمجھ کے استعمال نہیں کرتے...... یہ موٹی سی بات سادے الفاظ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ آپ دین سمجھ کر کام کریں، اُس کے کرنے کو باعث ثواب سمجھیں، نہ کرنے کو بُرا کہیں، اور اُس کام کا دین ہونا ان چار دلیلوں میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے...... اُس کو بدعت کہتے ہیں۔

اللہ کی منشاء بیان کرنا منصب نبوت ہے

جس طرح توحید کے مقابلے میں شرک ہے اُسی طرح سنت کے مقابلے میں بدعت ہے۔ بدعت سنت سے بغاوت ہے۔ اللہ کے نزدیک کون سی چیز پسندیدہ ہے کون سی پسندیدہ نہیں اللہ کا منشاء کیا ہے؟ اِس کو بیان کرنا رسول کا منصب ہے۔ جو اللہ نے نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک طریقہ بتایا کہ دین کا مسئلہ یوں سمجھا کرو کہ کتاب اللہ میں دیکھو، میرے قول وفعل میں دیکھو، میری تیار کردہ جماعت کے قول وفعل وغیرہ میں دیکھو۔

یہ دین کے سمجھنے کا طریقہ ہے اب ہم اس طریقے کے مطابق سمجھیں گے تو پتہ چلے گا کہ اللہ کے احکام کیا ہیں اور اللہ کیا چاہتا ہے؟ کیا نہیں چاہتا؟ جو آدمی ان واسطوں کو چھوڑ کر از خود کہے کہ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا براہ راست اللہ سے تعلق ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے یہ اصل میں درپردہ

دعویٰ نبوت ہے۔اس لئے یہ بہت مذموم چیز ہے اور یہ شریعت کے مقابلے میں بغاوت ہے۔اس لئے بدعت بہت بُری چیز ہے اللہ کے دین میں ایک نیا دین بنانے والی بات ہے۔اللہ نے دین سمجھنے کا جو طریقہ بتایا ہے اُس کے مقابلے میں ایک نئ ایجاد ہے۔

بدعت سنت سے بغاوت ہے

ایسے اعمال جاری کرنا جن کا دین ہونا اللہ کے بیان، اللہ کے رسول کے بیان کے مطابق ثابت نہ ہو۔ یہ جعلی سکہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اس دینی سلطنت کے اندر چلایا جاتا ہے۔چاہے اُس میں ظاہری طور پر کتنی ہی رونق ہو۔ چاہے وہ ظاہری طور پر کتنا ہی خوشنما ہو۔لیکن یہ بغاوت ہے۔ اللہ کی فرمانبرداری نہیں ہے۔ اس لئے اس پر ثواب نہیں ہوگا چاہے تم جتنا مال خرچ کرلو۔ جتنا وقت لگالو، کتنی محنت کرلو، یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص پاکستان میں رہتے ہوئے مشرق کی طرف منہ کرکے ساری رات نوافل پڑھتا رہے۔محنت اُس شخص نے بہت کی ہے لیکن جتنے زیادہ نفل پڑے گا اُتنے جوتے زیادہ کھائے گا۔(یہ بات ہے یا نہیں؟) یہ بدعت کا مفہوم ہے۔

بدعت جعلی سکہ ہے

اگر آپ مزید اچھی طرح سمجھنا چاہئیں تو ایک مثال عرض کرتا ہوں۔آپ کے ہاں کرنسی نوٹ چلتا ہے سو کا ہے، پانچ سو کا ہے، ہزار کا ہے۔ یہ سرکاری ضمانت کے ساتھ چلتا ہے۔اس کے اُوپر وزیر خزانہ کے دستخط ہوتے ہیں۔ یہ نیا ہو تو بھی اُس کی مالیت ہے۔ پرانا ہو تو بھی اُس کی مالیت ہے۔حتیٰ کہ پھٹ جائے تو بھی اُس کی مالیت ہے۔اور آپ میں سے ایک آدمی اُٹھتا ہے، اس سے بہترین کاغذ لیتا ہے اور اُس پر خوبصورت رنگ روغن استعمال کرتا ہے،اور اُس پر نسبتاً سرکاری نوٹ سے زیادہ اچھے پھول بوٹے بناتا ہے اور اُس نوٹ کو بازار میں لاکر کہتا ہے کہ دیکھو میں نے نوٹ بنایا ہے، اس نوٹ سے اس کا کاغذ بھی اچھا ہے۔ پھول بوٹے بھی اچھے ہیں۔ رنگ و روغن بھی اچھا ہے۔ اس لئے تم یہ نوٹ لے لو۔تو آپ جانتے ہیں کہ وہ نوٹ بازار میں

قیمت نہیں پائے گا بلکہ ایسا نوٹ بنانے والا حکومت کا مجرم ہوگا۔ ہتھکڑی لگ جائے گی۔ جیل میں چلا جائے گا۔ اُس کا یہ کاغذ کا نوٹ چاہے خوبصورت ہے لیکن مارکیٹ میں اُس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اسی طرح بدعت جعلی سکہ ہے اور سنت کے مطابق عمل اصلی سکہ ہے جو سرکاری ضمانت سے جاری ہوا ہے وہ اگر سادی سی بھی ہوگی تو بھی اللہ کے ہاں قبول ہے۔ اجر پائے گی۔ اور بدعت روشنی کرکے، قمقمے لگا کے، سائبان لگا کے، پھول لگا کے، چاہے اُس کو کتنا پُر رونق کرلو لیکن اُس کے مقابلے میں سادی سنت اللہ کے ہاں قبول ہے اور یہ روشنیوں سے بھری ہوئی بدعت اللہ کے ہاں مردود ہے...... یہ بدعت کا مفہوم ہے۔ اس لئے کام کرنے سے پہلے مومن کا کام ہے کہ سوچ لے کہ جو کچھ میں کرنے لگا ہوں اور اس کو دین سمجھ کر کر رہا ہوں۔ کیا اس کا دین ہونا ثابت بھی ہے یا نہیں؟ اگر دین ہونا ثابت ہو تو خوشی سے کیجئے اور اگر دلیل کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو پھر اُس کو ترک کردیں۔ پھر اُس پر نہ اپنا مال ضائع کریں، نہ وقت ضائع کریں، اُس سے فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے بدعت کی نفرت اپنے دل میں بٹھا لیجئے اور سنت کی محبت دل میں بٹھا لیجئے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من احب سنتی...... جو میری سنت کے ساتھ محبت کرے......

فقد احبنی...... اُس نے میرے ساتھ محبت کی......

ومن احبنی کان معی فی الجنة

اور جو میرے ساتھ محبت کرے گا میرے ساتھ جنت میں جائے گا۔ اس لئے سنت کی محبت سے اللہ کے رسول کی رفاقت ملے گی اور بدعت سے اللہ اور اللہ کا رسول ناراض ہوتا ہے۔

مسئلہ ایصال ثواب

اس تمہید کو ذہن میں رکھنے کے بعد دوسرا مسئلہ ایصال ثواب کا بیان کرنا چاہتا

ہوں۔ تاکہ آپ کو بتا دوں کہ ایصال ثواب میں سنت طریقہ کیا ہے؟ اور اُس سنت طریقے کے خلاف ہم کیا طریقہ اپناتے ہیں؟ جو سنت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنا سرمایہ بھی ضائع کرتے ہیں۔ وقت بھی ضائع کرتے ہیں، اس سے ہمیں کچھ نہیں ملتا تو آگے مردوں کو کیا بھیجنا ہے۔؟

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا مسلک

اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ایصال ثواب حق ہے، صحیح ہے۔ مرنے والے کو بھی بھیجا جاسکتا ہے اور زندہ کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ کام آپ کریں اور میرے نامۂ اعمال میں درج کروادیں۔ ایسا ہوسکتا ہے۔ دو نفل پڑھیں اور اُس کے بعد آپ کہہ دیں کہ اے اللہ میرے نفل قبول فرما اور اس کا ثواب میرے اُستاد کو دے دے تو آپ کے نامۂ اعمال میں بھی وہ نیکی رہے گی کیونکہ آپ نے ایک مسلمان سے خیر خواہی کی ہے اور جس کو آپ نے دینا چاہا ہے اُس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھی جائے گی۔

مسئلہ ایصال ثواب پر معتزلہ کا اعتراض

اس پر اعتراض صرف معتزلہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ کرے کوئی اور ثواب کسی کو پہنچ جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔؟ اس سلسلے میں وہ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے ہیں۔

لیس للانسان الا ما سعٰی......

انسان کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کوشش کرے۔ کسی دوسرے کی کوشش سے انسان فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب قرآن میں صاف آ گیا ہے تو پھر آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ثواب کسی اور کو دیا جاسکتا ہے۔؟ یہ اُن کی دلیل ہے۔

آیت لیس للانسان کا مطلب

پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے دیوبند کے اساتذہ اور بزرگوں میں دیوبند کے پہلے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہیں، فتاویٰ عزیزیہ اُنہیں کا ہے۔ طالب علموں کو اپنے اَکابر کے حالات اور اُن کے نام یاد رکھنے چاہئیں۔ یہ شیخ الاسلام

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے والد کی طرف سے بڑے بھائی ہیں...... ماں علیحدہ ہے...... اور ہمارے جتنے علماء دیوبند مشہور ہیں اُن سب کے پیر اور اُستاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جس طرح دیوبند ایک قصبے کا نام ہے اسی طرح گنگوہ بھی ایک قصبے کا نام ہے......اور یہ میرے خیال کے مطابق دیوبند سے 25 میل کے فاصلے پر ہے۔ میں دیوبند سے گنگوہ گیا ہوں لیکن چونکہ سواری پر گئے تھے اس لئے صحیح سفر کا اندازہ نہیں...... دیوبند سے نانوتہ اور پھر گنگوہ آتا ہے...... یہ سب شہر آپس میں قریب قریب ہیں...... تھانہ بھون نانوتہ سے 6 میل کے فاصلے پر ہے...... جلال آباد 4 میل کے فاصلے پر ہے......مَیں **الحمدللہ** ان سب علاقوں میں گھوما ہوں......میرا یہ سفر 1980ء میں ہوا تھا۔ یہ یاد رکھئے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علماء دیوبند کے بڑے ہیں اور دیوبندی نسبت اصل کے اعتبار سے گنگوہی نسبت ہے...... اگرچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سینئر ہیں لیکن اُن کے ساتھ بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ...... حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بہت جلد ہوگئی تھی ۔ غالباً 1297ھ میں جبکہ 1283ھ میں دیوبند کے بنیاد رکھی گئی تھی تو دیوبند کی بنیاد رکھنے کے چودہ سال بعد مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وفات ہوگئی تھی اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ 1322 یا 1323ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ گویا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بعد تقریباً 26 سال تک حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ العلوم دیوبند کے سرپرست رہے ہیں...... اس لئے اصل دیوبند کی نسبت نسبتِ گنگوہی ہے اور یہ تمام حضرات:

- حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ۔
- حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ۔ حضرت کے مرید تھے اور
- حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ مرید نہیں تھے ......درخواست بیعت اُنہوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی لیکن حضرت نے فرمایا تھا کہ ابھی پڑھ رہے ہو پڑھ کے جب

فارغ ہو جاؤ گے پھر دیکھا جائے گا...... جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گئے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے طالب علمی کے زمانے میں ہی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیا حاجی امداد اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے نام اور وہ اُس وقت مکہ معظّمہ میں تھے اور اُس میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ للہ علیہ کی شکایت لکھی کہ میں نے اُن کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی تھی اُنہوں نے قبول نہیں کی جب حاجی صاحب نے وہ رقعہ کھولا تو ہنس پڑے کہ آپ کی شکایت لکھی ہے اور آپ ہی رقعہ لے کر آئے ہیں۔

فرمایا کہ اشرف علی نے آپ کی شکایت کی ہے کہ میں نے بیعت کی درخواست کی تھی مولانا نے مجھے بیعت نہیں کیا تو آپ اُس کو کہہ دینا کہ میں نے تجھے بیعت کرلیا۔

تو حاجی امداد اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خط کے ذریعہ سے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو بیعت کرلیا تھا۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ساتھ وہی نیاز مندی کا تعلق رکھا ہے جس طرح ایک مرید کا پیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیعت میں پوری طرح دخیل ہیں۔ تو حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سب علماء دیوبند کے بڑے تھے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اشکال

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک رات جلالین کا مطالعہ کر رہے تھے اور سورۂ نجم مطالعے میں تھی ...... جب مطالعہ کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے۔

لیس للانسان الا ما سعٰی......

تو فوراً دل کے اندر اشکال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کوشش کا ذکر کیا ہے کہ انسان کو صرف وہی ملے گا جو وہ کوشش کرے تو پھر ایصال ثواب کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہی معتزلہ کا استدلال وسوسے کے طور پر ذہن میں آیا...... خیال آنا ہی تھا کہ یکدم خوف کی کیفیت طاری ہوئی کہ قرآن کریم کی ایک آیت اور حدیث شریف کی روایت جس میں ایصال ثواب کا ذکر ہے اگر مجھے اِن دونوں کے درمیان تطبیق کا پتہ نہ چلا اور میں

اسی صورت میں مر گیا تو یہ بڑے نقص کی بات ہوگی.....فوراً اُسی وقت رات کو اُٹھ کر گنگوہ چل دیئے کہ حضرت کے پاس چلتے ہیں وہاں جا کر شبہ کا ازالہ ہوگا ......راتوں رات چلے اور گنگوہ پہونچ گئے ......حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے تھے جب آپ نے مولانا عزیز الرحمٰن دیکھا تو فرمایا کہ مولانا رات کو کیسے؟ تو عرض کیا کہ حضرت یہ اشکال پیش آیا ہے اس کے متعلق ذہن میں کوئی تسلی بخش بات نہیں آئی ۔ایک طرف تو ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں اور دوسری طرف قرآن کریم میں آتا ہے کہ انسان کو صرف اُس کی کوشش ملے گی ۔تو پھر ایصال ثواب کا کیا مطلب ہوا؟ ان دونوں باتوں کا جوڑ کس طرح لگے گا؟ آپ نے وضو کرتے کرتے ہی فرمایا...... واہ مولانا! آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہاں پر سعی...... سے سعی ایمانی مراد ہے اور یہ آخرت کا مسئلہ ہے کہ دنیا سے کوئی ایمان ساتھ لے کر نہیں جائے گا تو وہاں کسی کا ایمان اُس کے کام نہیں آئے گا۔ پھر تم کہو کہ میرے پاس ایمان ہے اپنے باپ کو دے دو۔ ایمان والی کوشش کسی کی دوسرے کے کام نہیں آئے گی۔ ایمان یہاں سے لے کر جائیں گے...... باقی اگر انسان محنت کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اپنی محنت کا ثمرہ کسی کو دینا چاہتا ہے تو کون روکتا ہے۔لیکن ایمان کے بارے میں پابندی ہے۔ باپ مشرک ہے بیٹا نبی بھی ہوگا تو باپ کے کام نہیں آ سکے گا۔ ایمان کے درجے میں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔اس آیت کا یہ مطلب ہے۔

باقی جب ایمان محفوظ ہو۔مومن آدمی ہو تو اپنی محنت جس طرح دنیا میں ہم کسی کو کھلائیں پلائیں کوئی نہیں روک سکتا ،اسی طرح آخرت کے معاملے میں محنت ہم کریں ثواب دوسرے کو دیں کوئی نہیں روک سکتا ہے۔

قبر میں جاتے وقت مردے کی حالت

حدیث میں آتا ہے جب انسان قبر کے اندر جاتا ہے تو اُس کی حالت ایسے ہوتی ہے جس طرح ڈوبتا ہوا انسان مدد کو پکارتا ہے۔ **کالغریق المتغوث......** (شعب الایمان ص ۶ ج ۷،ص ۲ ج ۳ ،میزان الاعتدال

ص ج)

مدد کا طالب، ڈوبنے والا جس طرح جھانکتا ہے کہ میری کوئی دستگیری کرے اور مجھے پکڑے اُس وقت انسان اس طرح ہوتا ہے اور جب اپنے پچھلوں کی طرف سے اُسے ثواب پہنچتا ہے تو اُس کے لئے انتہائی خوشی کی بات ہوتی ہے، کسی نے اُس کے لئے استغفار کرلیا کسی نے اُس کے لئے دعا کرلی۔ اللہ تعالیٰ اُس سے اُس کی برزخ کی تکلیف کو دور کرتے ہیں اور درجات بلند کرتے ہیں۔

دعاء کے ساتھ فائدہ پہنچتا ہے۔ مالی صدقے کے ساتھ فائدہ پہنچتا ہے۔ بے شمار روایات ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ مال خرچ کریں اور دل میں نیت کریں اور اگر زبان سے بھی ساتھ کہہ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ یا اللہ یہ چیز قبول فرما۔ کسی غریب کو آپ نے کپڑے دے دیئے اور دل میں نیت کرلی کہ یہ میں اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لئے دے رہا ہوں۔ پس اللہ کے علم میں یہ بات آ گئی آپ کے دل کی نیت ہے وہ کپڑے جو آپ نے دیئے ہیں اُس کا ثواب آپ کی والدہ کے کھاتے میں چلا جائے گا اور اُس کو ثواب پہنچ جائے گا۔ زبان سے کہہ لو یا اللہ اس کو قبول فرما اور اس کا ثواب میری والدہ کو دے دے بالکل پہنچے گا۔ کسی کو کھانا کھلا دو، عمارت بنا دو کوئی نیکی کا کام کرلو وہ پہنچتا ہے۔ بدنی عبادت! آپ نفل پڑھ کر کہیں کہ یہ ثواب فلاں کو پہنچ جائے آپ تلاوت کرکے کہیں کے ثواب فلاں کو پہنچ جائے پہنچ جائے گا۔ اس ثواب کے پہنچانے کے لئے کسی مولوی، کسی ملاں کسی حافظ کا واسطہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ (یہ بات یاد رکھنا) آپ براہ راست اللہ تعالیٰ سے معاملہ رکھیں خرچ کریں اور دل میں نیت کرلیں زبان سے کہیں یا نہ کہیں۔ کہ یہ کام میں اپنے والد کے ایصال ثواب کے لئے کرتا ہوں۔ یہ کام میں اپنے شیخ و اُستاد کے ایصال ثواب کے لئے کرتا ہوں۔ یہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایصال ثواب کے لئے کرتا ہوں۔ تابعین کیلئے کرتا ہوں، حتیٰ کہ انبیاء کے لئے کرتا ہوں ثواب پہنچ جائے گا۔ آپ کا معاملہ آپ کے اللہ کے ساتھ ہے۔

میں آپ کو اپنی بات بتاتا ہوں کہ ایک دفعہ میں عصر کے وقت کھیتوں کی سیر کے

لئے نکل گیا۔ایک جاٹ اپنے کھیت میں کام کررہا تھا مجھے دیکھا تو اُٹھ کر میری طرف آیا اور کہنے لگا کہ مولوی جی ۔ایک مسئلہ تو بتادو؟ میں نے کہا کیا؟ کہنے لگا کہ گیارہویں اگر غیر سید کو دے دیں تو بھی ہوجاتی ہے؟ میں نے کہا کہ تُو پوچھنا کیا چاہتا ہے؟ کہنے لگا کہ ہم تو پہلے جو کوئی پڑھا لکھا مل جاتا ختم دلوا کر اُس کو دے دیتے تھے۔اب ایک شاہ صاحب آیا تھا وہ کہتا تھا کہ جب تک سید کو نہ دو یہ ہوتی ہی نہیں۔اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کیا گیارہویں سید کو کھلانا ضروری ہے؟ میں نے کہا ہاں۔سید ہی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے لیٹر بکس ہیں۔ وہاں تک خط بھیجنے کے لئے انہی لیٹر بکسوں میں ڈاک ڈالیں گے تو آگے جائے گی ورنہ نہیں جائے گی۔ میں نے کہا تم اُسے کھانے کے لئے ویسے ہی کچھ دے دیتے تو اُس کو یہ مسئلہ بتانے کی کیوں ضرورت پیش آتی۔؟ آخر وہ اپنے پیٹ کو پالنے کے لئے کوئی نہ کوئی حربہ تو لازماً کرے گا۔ارے بات سمجھے۔؟

علماء کی دو قسمیں

کہتے ہیں کہ علماء دو قسم کے ہیں ا۔علماءِ سُوء۔ ......۲۔ علماءِ حق ......علماءِ سُوء کا مطلب بدعمل عالم نہیں ہے کیونکہ ایک عالم ہو گناہ گار ہو وہ علماءِ سُوء میں سے نہیں ہے اُس کی عملی کوتاہیوں کے لئے تو:

- فرشتے استغفار کرتے ہیں۔
- مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔
- چیونٹیاں استغفار کرتی ہیں۔
- ہوا میں پرندے استغفار کرتے ہیں۔
- پوری کائنات استغفار کرتی ہے۔ (مشکوٰۃ ۳۴/ا۔ابن کثیر ۱/۲۰۱)

کہ یا اللہ یہ تیرا عالم بندہ ہے اس کے گناہ معاف کردے اُس کے لئے تو ساری کائنات دعائیں کرتی ہے اور علماءِ سُوء کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے۔

یلعنھم اللٰعنون......لعنت کرنے والے اُن پر لعنت کرتے ہیں اور علماءِ سُوء پر پوری کائنات لعنت کرتی ہے۔تو علماءِ سُوء وہ ہوتے ہیں جو کتمانِ حق کریں اور حق مسئلہ

نہ بتائیں اور دنیا کمانے کے لئے اپنے علم کو خرچ کریں۔ اور یہ لوگوں کے لئے گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ تو علماءِ سُو وُہ ہوتے ہیں۔

الذین یکتمون ما انزلنا...... اللہ نے جو دین اُتارا اُس کو چھپاتے ہیں اور لوگوں کی صحیح رہنمائی نہیں کرتے۔ اور دنیاوی مفاد کے لئے اپنے علم کو صرف کرتے ہیں۔ اور اس علم کے پردے میں لوگوں کو لوٹتے ہیں وہ علماءِ سوء ہوتے ہیں اس لئے صحیح بات بتاؤ چاہے اُس میں اپنا مالی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ بات کو خوب اچھی طرح یاد کرلو۔

ایصال ثواب کا طریقہ

ایصال ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ حلال کمائی میں سے خلوص کے ساتھ اپنا معاملہ براہ راست اللہ سے رکھو۔ اور اگر آپ نے یوں کہہ لیا کہ مرنے کے تیسرے دن ہی ایصال ثواب کرنا ہے اور یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ نویں دن ہی ایصال ثواب کرنا ہے یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ بیسویں دن ایصال ثواب کرنا ہے یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ چالیسویں دن ثواب پہنچانا ہے یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ اور یہ اسلامی طریقہ ہے۔ مسلمانوں کا طریقہ ہے، ایسا کرنا چاہئے ایسا کرنے سے ثواب پہنچتا ہے۔ اسی کو بدعت کہتے ہیں۔ اب چاہے آپ اس میں چالیس من گوشت پکا کر بڑے بڑے فقیروں میں تقسیم کردو وہ اُس کو کھائیں اور چلے جائیں۔ تو سرمایہ برباد کیا، وقت ضائع کیا۔ جو کچھ کیا اپنی شہرت کے لئے کیا۔ نہ کہ رضاء الٰہی کے لئے۔ اگر اللہ کی رضاء کے لئے کیا ہوتا تو کسی سے پوچھ لیا ہوتا کہ اللہ راضی کس طرح ہوتا ہے۔؟ تو وہ آپ کو بتاتا کہ خلوص نیت سے اللہ کے راستے میں خرچ کئے ہوئے پانچ روپے، پانچ لاکھ کے مقابلے میں وزنی ہیں۔ اگر تم نہ سمجھو تو میں کیا کروں۔؟ خرچ کرتے رہو جتنا چاہو کرو۔ لیکن وہ شہرت کے لئے ہے۔ اس کو میں برادری ٹیکس کہا کرتا ہوں۔ کہ چونکہ اُن کا بوڑھا کھایا تھا اس لئے اپنا بوڑھا بھی کھلانا ہے۔ اس لئے یہ دین کا مسئلہ نہیں ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

بموقع: سالانہ جلسہ

بمقام: جامعہ خیر العلوم خیر پور ٹامے والی

وقت: بعد نماز جمعہ

تاریخ: ۲۴ مارچ ۲۰۰۶ء

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن!۔۔۔۔۔ اَمَابَعْد !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْااتَّقُوْ اللّٰہ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْن۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُم اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُو بُکُمْ فَا َصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَا ناً وَّکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنَ اللّٰہ لَکُمْ آیٰاتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْن۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلَّمَ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی۔۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہ۔

تمہید

قرآن کریم کے جو الفاظ آپ کے سامنے پڑھے ہیں۔اُن کا ترجمہ یہ ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُسۡلِمُوۡنَ۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جس طرح اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسلام کی حالت میں......یعنی موت تک اسلام کے اُوپر جمے رہو۔ یہ ہوا اس کا حاصل۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً......

سب اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔......

ولا تفرقوا......

آپس میں جدا جدا نہ ہوو۔......

واذکرو نعمۃ اللہ علیکم......

اور اللہ کا احسان یاد کرو جو اللہ نے تم پر کیا۔......

اذ کنتم اعداءً......

جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔......

فالف بین قلوبکم......

اللہ نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو۔

فاصبحتم بنعمتہ اخواناً......

اللہ کے احسان کے ساتھ تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔......

و کنتم علٰی شفا حفرۃ من النار......

اور جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔......

فانقذکم منھا کَذٰلِکَ یُبَیِّنَ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَھۡتَدُوۡنَ۔

اللہ نے تمہیں اُس سے چھڑایا، نجات دلائی۔ اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ تم سیدھی راہ پالو۔ یہ ان آیات کا ترجمہ ہے جو آپ کے سامنے پڑھی تھیں۔اوران آیات کا ذکر چوتھے پارے کی ابتداء میں ہے۔

دو لفظ ایسے ہیں کہ جن کو ہر آدمی سمجھتا ہے ایک لفظ صحت ہے اور ایک لفظ بیماری ہے۔ پڑھے لکھے بھی جانتے ہیں کہ صحت کیا ہوتی ہے؟...... اَن پڑھ بھی جانتے ہیں صحت کسے کہتے ہیں؟اور بیماری کو بھی سب جانتے ہیں۔ ہر آدمی کو صحت اور بیماری سے واسطہ پڑتا ہے تو صحت اور بیماری جس طرح انفرادی طور پر شخصی وجود...... اور افراد......میں ہوتی ہے ایسے ہی اجتماعی وجود......اور معاشرے......میں بھی ہوتی ہے۔

شخصی صحت کیا ہے؟

ہماری شخصی صحت کیا ہے؟ اللہ نے ہمیں کچھ ظاہری اعضاء دیئے ہیں اور کچھ باطنی اعضاء دیئے ہیں......ظاہری اعضاء میں ہاتھ، پاؤں آنکھیں، کان وغیرہ ہیں...... ہمارا چلنا پھرنا ان اعضاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے...... یہ اعضاء سب کے سب آپس میں موافقت کرتے ہیں ......اگر یہ اپنی اپنی سپرد کی ہوئی ڈیوٹی کو سرانجام دیتے ہوں تو یہ علامت ہے کہ ہمارا ظاہر صحت مند ہے...... پاؤں کا کام چلنا ہے، وہ ٹھیک چلتے ہیں۔ ہاتھ ٹھیک کام کررہے ہیں، آنکھ اپنا کام ٹھیک دے رہی ہے، کان اپنا کام ٹھیک کررہے ہیں، ناک اپنا فرض ادا کررہا ہے، زبان صحیح طور پر بول رہی ہے، جب یہ سب اعضاء صحیح طرح کام کررہے ہوں تو ہمیں ظاہری صحت حاصل ہے۔

اور ہمارے باطنی اعضاء! معدہ ٹھیک کام کررہا ہے، کھانا ہضم کررہا ہے، جگر ٹھیک کام کررہا ہے،خون بنارہا ہے،اور ہمارا دل ٹھیک دھڑک رہا ہے،اپنا فرض سرانجام دے رہا ہے، ہمارا دماغ صحیح کام کررہا ہے،تو جب یہ اندر کا سب کا سب نظام ٹھیک چل رہا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ظاہراً و باطناً مکمل صحت حاصل ہے۔

بیماری کیا ہے؟

بیماری کیا ہے؟ ان اعضاء کا اپنے کام کو سرانجام دینے سے رُک جانا یا غفلت کرنا۔ مثلاً ہاتھ پکڑتے نہیں، آنکھ دیکھتی نہیں، کان سنتے نہیں، معدہ ہضم نہیں کرتا، جگر خون نہیں بناتا، دماغ صحیح سوچتا نہیں، حافظہ بات یاد نہیں رکھتا۔ جب اعضاء میں یہ صورت حال شروع ہوجائے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم بیمار ہیں اور اس کو بیماری کہتے ہیں۔

موت کی تعریف

ہمارے شخصی وجود میں ظاہر اور باطن کو کنٹرول کرنے کے لئے اور ہماری بدنی مشین کو سنبھالنے کے لئے اللہ نے ایک روح رکھی ہے، جو ہماری ساری مشینری کو سنبھالے ہوئے ہے......اور ان بیماریوں کے نتیجہ میں جب یہ روح اور بدن کا آپس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے تو اُس کو موت کہتے ہیں...... جب تک یہ تعلق کسی درجے میں بھی قائم ہے ہم زندہ ہیں...... اور بیماریوں کے نتیجہ میں جب یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے تو ہم مرجاتے ہیں...... یہ موت ہے جس وقت شخصی موت آجاتی ہے تو اُس وقت ہاتھ کام دیتے ہیں نہ پاؤں، بلکہ اُن کے جڑے رہنے کی جو کیفیت تھی وہ بھی ختم ہوجاتی ہے، آہستہ آہستہ اعضاء بکھر جاتے ہیں۔

- پاؤں علیحدہ ہوجاتے ہیں۔
- ہاتھ علیحدہ ہوجاتے ہیں۔
- گوشت علیحدہ ہوجاتے ہیں۔
- ہڈیاں علیحدہ ہوجاتی ہیں۔

اور ذرات کی شکل میں انسان بکھر جاتا ہے......موت آجانے کے بعد بدن کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بدن جڑا نہیں رہتا...... پھر یہ منتشر ہوجاتا ہے......یہ تو شخصی موت وحیات کا قصہ ہے۔ اور انفرادی صحت اور بیماری کی بات ہے۔

معاشرے کی صحت

اسی طرح ایک اجتماعی زندگی ہم گزار رہے ہیں جس کو ہم معاشرہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ معاشرہ صحت مند بھی ہوتا ہے اور بیمار بھی ہوتا ہے۔ اُس کو بھی صحت اور بیماری لاحق ہوتی ہے...... اُس کی صحت یہ ہے کہ سب کا سب معاشرہ آپس میں جڑا ہوا ہو، ہر ایک اپنا فرض صحیح طور پر ادا کر رہا ہو حتیٰ کہ جمعدار کی ذمہ داری ہے سڑکیں، نالیاں صاف کرنا، وہ اپنا کام وقت پر کرتا ہے...... کاشتکار کا کام ہے فصل اُگانا وہ پوری محنت کرتا ہے اور مخلوق کے لئے غلہ پیدا کرتا ہے...... اور حاکم کا کام ہے افراد کے درمیان انصاف کو قائم رکھنا تا کہ کوئی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے...... افسر دفتر میں بیٹھا اپنا کام صحیح سرانجام دے رہا ہے۔...... باپ کو باپ ہونے کا احساس ہے کہ میں باپ ہوں، اولاد کے میرے ذمے کچھ حقوق ہیں اور اولاد کو، اولاد ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ ہم کسی کی اولاد ہیں، اور ہمارے باپ کے ہمارے ذمے کچھ حقوق ہیں...... اولاد اولاد والے حقوق ادا کرتی ہے، والدین اپنے حقوق ادا کرتے ہیں، بیوی کو احساس ہے کہ میں کسی کی بیوی ہوں اور میرے ذمے خاوند کے کچھ حقوق ہیں۔ وہ بیوی ہر وقت اُن کا خیال رکھتی ہے...... خاوند کو احساس ہے کہ میں خاوند ہوں میرے ذمے بیوی کے کچھ حقوق ہیں وہ اُن حقوق کا خیال رکھتا ہے...... گویا معاشرے کا ہر فرد اپنے اپنے کام کو ذمہ داری کے ساتھ ادا کرے تو آپ دیکھیں گے کہ سارا معاشرہ صحت مند ہو جائے گا...... آپ آرام سے زندگی گزاریں گے کوئی خوف و خطرہ نہیں ہوگا...... اطمینان کے ساتھ سوئیں گے، اطمینان کے ساتھ جاگیں گے اور بالکل ایسے جیسے بدن صحت مند ہوتا ہے یہ معاشرہ بھی صحت مند ہو جائے گا۔

معاشرے کی بیماری

جب معاشرے کو بیماری لگتی ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ معاشرے کی بیماری کیا ہے؟ مال میرا ہے ناجائز آپ نے چرا لیا...... فصل میری تھی اور آپ نے دھوکے کے

ساتھ یا چوری چھپے کاٹ لی...... ملازم دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنے فرائض ادا نہیں کرتا...... بیوی خاوند سے باغی ہوئی پھر رہی ہے اُس کو خاوند کے حقوق کا خیال نہیں...... اور خاوند بیوی کی پرواہ نہیں کرتا، اُس کے حقوق ادا نہیں کرتا...... اولاد کو احساس تک ختم ہوگیا کہ ہمارا باپ ہے؟ اور ہمارے ذمے اُس کے کچھ حقوق ہیں، وہ باپ سے باغی ہوئے پھر رہے ہیں...... ماں باپ اولاد سے تنگ پھر رہے ہیں اور وہ اولاد کی پرواہ نہیں کرتے...... حاکم اپنی عیاشی میں لگ گیا ہے، کھانے پینے میں لگ گیا ہے اور کوئی کسی پر ظلم وستم کر رہا ہے اُس کو کوئی پرواہ نہیں...... جب یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو اُس وقت کہتے ہیں کہ معاشرہ بیمار ہوگیا، اجتماعی زندگی خراب ہوگئی...... جب اجتماعی زندگی خراب ہوتو اُس خرابی کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسے صحت کی خرابی کا نتیجہ کہ وہ انسانی اعضاء کو بکھیر دیتا ہے...... اسی طرح معاشرے کا بگاڑ نتیجتاً پورے معاشرے کو تباہ کر دیتا ہے۔ جسے ہم قیامت قائم ہونا کہتے ہیں۔ قیامت قائم ہوگی تو کیا ہوگا:

- معاشرہ ریزہ ریزہ ہوجائے گا۔
- پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔
- سمندر اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔

اور ساری کائنات جو ایک نظم کے تحت چل رہی تھی وہ قیامت کے وقت ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جائے گی...... یہ اس بگاڑ کا آخری نتیجہ ہوگا۔ اس لئے معاشرہ بگڑتا بھی ہے معاشرہ صحت مند بھی ہوتا ہے۔ اور انسان صحت مند بھی ہوتا ہے اور انسان بگڑتا بھی ہے گویا صحت اور بیماری اجتماعی بھی ہوتی ہے اور صحت اور بیماری شخصی بھی ہوتی ہے۔

یہ آیات جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہیں ان میں اللہ نے اُس بیماری اور صحت کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن مجید کا موضوع

قرآن مجید کا موضوع روحانی ہے، جسمانی نہیں ہے......قرآن کریم روحانی

صحت اور بیماری سے بحث کرتا ہے، جسمانی سے نہیں کرتا......اللہ فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے...... یہ تقویٰ جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے یہ تقویٰ انفرادی اور اجتماعی دونوں صحتوں کا ضامن ہے......تقویٰ کے ساتھ انفرادی صحت ہے اور تقویٰ ہی کے ساتھ اجتماعی صحت ہے۔......تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ آپ سنتے ہیں کہ تقویٰ کہتے ہیں، اللہ سے ڈرنے کو۔ یہ تقویٰ کا حاصل ترجمہ ہے۔ ورنہ تقویٰ کا اصل مفہوم ہے بچ بچ کر چلنا...... جیسے کانٹے دار وادی میں چلتے وقت انسان اپنے دامن کو سنبھال کر چلتا ہے، اپنے پاؤں کو بچا کے رکھتا ہے، بہت سوچ سوچ کر چلتا ہے، اس سوچ سوچ کر چلنے کو تقویٰ کہتے ہیں...... جب انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اُس کا اَثر یہ ہوا کرتا ہے کہ انسان سے اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی۔ تو جب یہ تقویٰ حاصل ہوگا تو اُس کے ساتھ آپ کو شخصی صحت حاصل ہوگی، آپ گناہ سے بچ جائیں گے اور نیکی کریں گے اور آپ کی روحانیت دن بدن رُوبہ ترقی ہوگی، یہ آپ کی شخصی صحتمندی اس تقویٰ کی بنا پر ہوگی۔ دنیا میں کامیابی بھی اسی کے ساتھ اور آخرت کی کامیابی بھی اسی کے ساتھ۔

تقویٰ کا اَثر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نمونہ دکھایا ہے۔ تقویٰ کا یہ اَثر ہے کہ انسان ایک دوسرے کے حقوق تلف نہیں کرتا...... سب کے سب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ جب آپ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے، اللہ سے ڈریں گیا ور اس کی نافرمانیوں سے بچیں گے تو اُس کا اَثر اجتماعی زندگی پر بھی پڑے گا، اور سب کا سب معاشرہ اُس کی برکت سے درست ہوجائے گا۔

قرآن کی طرف سے یاددہانی

اللہ تعالیٰ تمہیں یاددہانی کرواتے ہیں کہ میرا ایک احسان یاد کرلو۔ خطاب بظاہر صحابہ کرام کو ہے...... کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے جو زندگی گزاری تھی اُسکو ہم جاہلیت کا دور کہتے ہیں...... یہ جو ہم

لفظ جاہلیت بولتے ہیں اس سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ابھی تعلیم شروع نہیں ہوئی تھی۔ وہ دور جاہلیت کا دور کہلاتا ہے۔

دور جاہلیت کی حالت

جاہلیت کے دور کا کیا حال تھا؟...... **واذکروا نعمته اللہ علیکم**...... اللہ کا احسان یاد کرو جو اللہ نے تم پر کیا ہے۔ وہ کیا احسان ہے؟

اذ کنتم اعداءً......

جب تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس ایک لفظ کے اندر جاہلیت کے معاشرے کی تصویر ہے۔ کہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ دشمن ہونے کا معنی یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق تلف کرتے تھے۔ جس کو دیکھا قتل کر دیا، جس کو دیکھا لوٹ لیا۔ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے یتیموں کا بھی گوشت کھاتے تھے۔ اپنی پیاس بجھانے کے لئے اپنے بھائیوں کا خون پیتے تھے۔ پورے کا پورا معاشرہ بگڑا ہوا تھا۔

- بددیانتی تھی۔
- چوری تھی۔
- ڈاکہ تھا۔
- بدمعاشی تھی۔
- عیاشی تھی۔
- اغواء تھے۔
- قتل تھے۔

اور یہ سب کچھ لفظ اعداء کے مفہوم میں داخل ہے۔ تم آپس میں دشمن تھے ایک دوسرے کے...... کوئی آپس میں ہمدردی نہیں تھی، کوئی آپس میں خیرخواہی نہیں تھی۔ سب کے سب اغراض کے بندے تھے، اپنے مطلب کی خاطر دوسرے کا گلا کاٹ دینا، اپنے مطلب کی خاطر دوسرے کے مال کو لوٹ لینا، اور اپنے مطلب کی خاطر دوسرے کو نیست و نابود کر دینا...... یہ سب کی سب جاہلیت تمہارے اندر موجود تھی۔ اور یہ تمہاری

آپس کی دُشمنی کا نتیجہ تھا۔

اللہ کا احسان

فالف بین قلوبکم......

اللہ نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، دشمنی ختم ہوگئی، آپس میں محبت ہوگئی، عداوت والی بیماری ختم ہوگئی، محبت والی صحت آ گئی، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے لگ گئے۔

فاصبحتم بنعمته اخوانًا......

اللہ کا احسان ایسا ہوا کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔تو یہ معاشرے کو صحت حاصل ہوگئی۔ جو اجتماعی طور پر بیمار معاشرہ تھا اُس کو اجتماعی صحت حاصل ہوگئی۔

و کنتم علٰی شفا حفرة من النار......

یہ شخصی بگاڑ ہے۔تم اپنے آپ کو اس طرح تباہ کرنے کیلئے تیار بیٹھے تھے، اللہ کی معصیت اور نافرمانی میں اس طرح غرق تھے کہ یوں سمجھو کہ جہنم کے کنارے پر کھڑے تھے۔آگ کے گڑھے کے کنارے پر تم کھڑے تھے۔

- تمہارا اخلاق تباہ تھا......
- تمہارا کردار تباہ تھا......
- تم اپنے نفس کے بندے تھے......
- اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے تھے......

اللہ یاد تھا نہ اللہ کے احکام یاد تھے۔جہنم میں جانے میں صرف موت مانع تھی۔ ادھر مرے اور اُدھر جہنم میں گرے۔ یہ تمہاری کیفیت تھی۔ شخصی بگاڑ تم میں اس قدر تھا۔

فانقذکم منہا......

پس اللہ نے تمہیں اُس سے چھڑایا اور تمہیں ایسے راستے پر چلایا جو جنت کا راستہ ہے۔ اور جہنم کے گڑھے میں گرنے سے اللہ نے تمہیں بچالیا۔ یہ شخصی صحت حاصل

ہوگئی۔ تو گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے پہلے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے پہلے، معاشرہ بھی بگڑا ہوا تھا اور شخصی اخلاق بھی بگڑے ہوئے تھے۔۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو تقویٰ کا حکم دیا اور اللہ کی طرف سے ہمیں جو ہدایات آئیں اس پر تاریخ شاہد ہے کہ اُس کے آنے کے بعد ایسی شخصی صحت حاصل ہوئی جو پہلے کسی نے دیکھی نہیں تھی...... اور معاشرے کی ایسی بہتری پیدا ہوگئی جو پہلے کبھی آئی نہیں تھی...... تو بیماری بھی آپ کے سامنے آگئی اور بیماری کا علاج بھی آپ کے سامنے آگیا...... اور اُس علاج کی کامیابی بھی آپ کے سامنے آگئی...... کہ واقعی بیمار ایسا تھا اور جب اُس کا علاج ہوا تو اُس کو صحت حاصل ہوگئی۔ یہ سرور کائنات ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے کے دور کا نقشہ ہے۔

اجتماعی حالات کی صورتحال

اور اس وقت اگر ہم اپنے ملک کو دیکھیں، اپنے شہر کو دیکھیں، اپنے محلے کو دیکھیں، اور پھر اپنے ملک سے باہر عالمی سطح پر انسانی برادری کو دیکھیں تو...... **کنتم اعداء**...... کی مکمل تصویر اس وقت ہمارے سامنے ہے...... تم سب آپس میں ایک دوسرے کے دُشمن ہو کوئی ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے...... جتنا جس کے بس میں ہے وہ دوسرے کو لوٹتا ہے...... جتنا جس کے بس میں ہے وہ دوسرے پر ظلم و جبر کرتا ہے...... اور جتنا جس کے بس میں ہے وہ اپنی خواہشات پوری کرتا اور دوسرے کی خواہشات کو رُوندتا ہے...... آپ اپنے محلے سے شروع ہو کر شہر پر نظر ڈال لیں، شہر سے آگے ملک پر نظر ڈال لیں اور ملک سے بڑھ کر آپ دنیا کے حالات پر نظر ڈال لیں۔ اس وقت ہماری وہی کیفیت ہے کہ جس کو ہم کہیں...... **کنتم اعداءً**۔

شخصی حالات کی کیفیت

جہاں تک شخصی حالات کا تعلق ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہیں کہ کتنی اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے اور کتنی فرمانبرداری ہو رہی ہے۔؟ چوبیس گھنٹے کے اوقات کا اگر ہم جائزہ لیں

کہ ہمارا وقت کس طرح گزرتا ہے؟ اور ہم کس ڈگر پر چل رہے ہیں؟ اللہ کی اطاعت و نافرمانی کس قدر ہے؟ تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ کی اطاعت، اللہ کی بات، اُس کے حقوق کو پہچاننے والے بہت کم رہ گئے...... زیرو پوائنٹ پر پہنچنے والی بات ہے ۔ جدھر دیکھو ہر طرف اللہ کی نافرمانی کے مظاہرے ہیں۔ راتیں فلمیں دیکھتے ہوئے ، ڈرامے دیکھتے ہوئے، فحش سے فحش تماشے دیکھتے ہوئے گزرتی ہیں......اور دن بد معاشیوں اور عیاشیوں میں گزرتے ہیں...... کوئی رشوت لے رہا ہے، کوئی چوری کررہا ہے، کوئی ڈاکے ڈال رہا ہے، کوئی بلیک مارکیٹنگ کررہا ہے۔ کوئی ملاوٹ کررہا ہے...... یعنی اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے انسان بالکل پرواہ نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے کیا نہیں ہے؟ تو ہم میں یہ شخصی بگاڑ بھی اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ جیسے اجتماعی زندگی میں...... کنتم اعداءً...... دشمنی والی بات مکمل آگئی اس طرح شخصی زندگی کے اندر بدکرداری والی بات بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے آج ساری دنیا انتہائی پریشان ہے۔

انفرادی اور اجتماعی بیماری کا علاج

وہ یہی بیماری عود کرآئی جو پہلے ماحول میں تھی۔ آپ یقین کرلیں کہ یہ بیماری اگر زائل ہوسکتی ہے تو اُسی نسخے کے ساتھ زائل ہوسکتی ہے جس نسخے کے ساتھ یہ پہلے زائل ہوئی تھی۔ وہی نسخہ استعمال کروگے تو یہ بیماری زائل ہوگی اور اُس کے بغیر یہ زائل نہیں ہوسکتی...... شخصی طور پر تقویٰ اور اللہ کی فرمانبرداری، یہ آپ کو شخصی طور پر صحت دے گی۔ اور اجتماعی طور پر اللہ کا خوف دل میں آجائے تو اجتماعی معاشرے کو صحت حاصل ہوجائے گی۔ جاہلیت بھی وہی عود کرآئی اور اب اس کا علاج بھی وہی ہے۔ اس لئے آج اگر امن، اطمینان، سکون ،انفرادی ، معاشرتی اور عالمی سطح پر آسکتا ہے تو تقویٰ کے ساتھ ہی آسکتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔

ایک غلط فہمی

بد نصیبی ہماری یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ بہت پڑھا لکھا دور آگیا لیکن یہ سمجھنا

ہماری غلط فہمی ہے...... یہ جاہلیت کا بدترین قسم کا دور ہے...... شاید ہمارا معاشرہ پہلی جاہلیت کو بھی مات کرگیا ہے...... انسانیت کو جتنا ذلیل اس تہذیب نے کیا ہے شاید انسانیت کی اتنی تذلیل پچھلی جاہلیت میں بھی نہیں ہوئی...... اب ایک ایک بات ایسی ہے کہ اُس کو اگر آپ کے سامنے کروں تو اُس کے لئے بہت وقت درکار ہے۔ میڈیا کے اَثرات آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ حیا باختہ تہذیب کس قدر انسانیت کو ذلیل کررہی ہے۔؟ اب اسلامی اور جاہلیت کی تہذیب کا آپس میں مقابلہ ہے۔ اور ہم اسی جاہلیت کی تہذیب میں آنکھیں بند کرکے بھاگے جارہے ہیں۔ اور جہاں عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ آجاتا ہے تو ہم میں اتنی غیرت ہونی چاہئے کہ ہم نصرانی تہذیب سے خود کو اور اپنے معاشرے اور گھربار کو بچائیں۔ اور اسلامی تہذیب کو اپنانے کی کوشش کریں۔ تو انشاء اللہ العزیز اس میں شخصی صحت بھی ہے۔

اور اگر اجتماعی طور پر لوگ اس کو تسلیم کرلیں اور ایک دن اُنہیں تسلیم کرنا ہی ہوگا کہ اسلام ہی اس اصلاح کا ضامن ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس بات کا ضامن نہیں ہے ......نصرانیت اور یہودیت کا ظلم وستم انتہا کو پہنچا ہوا ہے......اَب ان شاء اللہ العزیز دماغ ادھر متوجہ ہوتے جارہے ہیں...... جتنا آپ اسلام کو اپنائیں گے اُتنا ہی فائدے میں رہیں گے۔ اور اس اسلامی تہذیب کو نمایاں کرنے کا ذریعہ صرف یہ مدارس ہیں جن کے اندر اللہ کا قانون، اللہ کی کتاب اور سرور کائنات ﷺ کی تعلیمات دی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کا وجود آئندہ وقت میں عالمی صحت کا باعث ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

❀❀❀❀

شان صحابہ

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی بیان

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

وقت: بعد نماز عشاء

تاریخ: ۶ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن!

اَمَابَعْد !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَقَدْ قَالَ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

اَللّٰہ اَللّٰہ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِنْ بَّعْدِیْ غَرَضًا فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذیَ اللّٰہ وَمَنْ اٰذیَ اللّٰہ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذْ

(ترمذی صؔ جؔ مشکوٰۃ صؔ جؔ)

اَوْکَمَال قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

صَدَقَ النَّبِیُّ الْکَرِیْم وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْن

وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

یہ روایت جمعہ کے خطبہ میں ہر خطیب پڑھتا ہے جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہے۔

سرورِ کائناتﷺ فرماتے ہیں

اَللہ اَللہ فِیْ اَصْحَابِی ......

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔

لاتتخذوھم من بعدی غرضًا......

میرے بعد میرے صحابہ کو تنقید کا نشانہ نہ بنالینا...... **غرض** اُس چیز کو کہتے ہیں جس کو نشانے کے طور پر گاڑا جائے اور تیر کے ساتھ اُس کے اُوپر نشان لگائے جائیں۔ پہلے زمانے میں لوگ تیراندازی کیا کرتے تھے، تیروں کا مقابلہ کرتے تھے اور آج کل رائفلوں کے ساتھ نشانہ بازی ہوتی ہے......فوج کرے یا دوسرے مجاہدین کریں اُس کو غرض کہتے ہیں۔ میرے بعد میرے صحابہ کو غرض نہ بنالینا یعنی اُن کو تنقید کا نشانہ نہ بنالینا۔

من احبھم......

جو میرے صحابہ سے محبت کرے گا۔

فبحبی احبھم......

وہ میری محبت کی وجہ سے کرے گا مجھ سے محبت ہوگی تو میرے صحابہ سے محبت کرے گا۔

ومن ابغضھم......

اور جو میرے صحابہ سے بغض رکھے گا۔

فببغضی ابغضھم......

وہ میرے بغض کی وجہ سے کرے گا۔ یعنی اصل بغض میرے ساتھ ہوگا اور پھر

میرے واسطے سے صحابہ سے بغض ہوگا۔ گویا صحابہ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔ اور صحابہ سے بغض حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی علامت ہے۔

من اٰذا ھم فقد اٰذانی......

جس نے میرے صحابہ کو تکلیف پہنچائی اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔

وَمَنْ اٰذانی فقد اٰذیٰ اللہ......

اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اُس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی۔

ومن اذیٰ اللہ فَیُوْشك ان یاخذ......

اور جو اللہ کو تکلیف پہنچاتا ہے اللہ اُس کو بہت جلدی پکڑ لیتا ہے۔

باتیں ساری آپ کی سنی ہوئی ہیں۔ ان دنوں ویسے ہی صحابہ کا تذکرہ محبت کے ساتھ کرنے کو جی چاہتا ہے...... چونکہ ان دنوں میں جگہ بجگہ اُن پر تنقید ہوتی ہے اس لئے ہمت تو بالکل نہیں تھی لیکن آپ حضرات کا شوق دیکھ کر کرسی پر بیٹھ ہی گیا ہوں۔ اس لئے اللہ کی توفیق سے دوچار باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ صرف اُن محبوبوں کے تذکرے کی نیت سے۔

صحابی کی تعریف

پہلے تو چھوٹے بڑے یہ یاد رکھیں کہ صحابی کسے کہتے ہیں؟ صحابی کا لفظ صحب یصحب سے لیا گیا ہے اس کا معنی ہے ساتھ دینا، ساتھ رہنا، صحبت اختیار کرنا...... اہل اسلام کی اصطلاح میں صحابی ہر اُس نیک بخت کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر سے دیکھ لیا اور پھر ایمان پر ہی اُس کا خاتمہ ہوا۔

حضور ﷺ کے چہرے پر پڑنے والی نظر کی قیمت

بظاہر یہ ایک نظر ہی ہے لیکن چونکہ یہ نظر سرور کائنات ﷺ کے چہرے پر پڑتی ہے اس لئے یہ نظر انتہائی قیمتی بلکہ انمول ہے...... اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ

ہے کہ جس کو یہ ایک نظر نصیب ہوگئی یا ایک لمحہ کے لئے آپ کی صحبت میسر آ گئی...... یہ لفظ بھی یاد رکھنا تا کہ نابینا صحابی بھی اُس میں آ جائیں ......اُس شخص کا درجہ اتنا بلند ہو گیا کہ ساری دنیا کے صوفیاء اوراولیاء ایک طرف اور صحابی رسول ایک طرف ......پھر بھی برابری نہیں ہوسکتی ہے۔اب جنہوں نے 23 سال تک سرور کائنات ﷺ کی صحبت اُٹھائی اُن کے تو خیر کہنے ہی کیا؟...... ایک صحابی ہیں جس کا نام سیدنا وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ ہے اورزمانہ جاہلیت میں غزوۂ اُحد کے موقع پر اُن کے نیزے کا نشانہ سرور کائنات ﷺ کے چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بنے ۔اور سرور کائنات ﷺ کے حقیقی چچا کی المناک شہادت واقع ہوئی اور جو صدمہ رسول اللہ ﷺ کو ہوا ہوگا وہ آپ کے سامنے ہے۔ (بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اُس نظر کی کیا قیمت ہے؟)

لیکن سیدنا وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ جب آپ ﷺ کے سامنے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا ایمان قبول ہے اور تجھے امن بھی ہے...... (بخاری ص۵۸۲ ج۲) صدمے کی سنگینی دیکھیں اور رسالتِ مآب ﷺ کی کشادہ ظرفی بھی...... کہ زمانہ جاہلیت میں سرزد ہوجانے والا بڑے سے بڑا جرم معاف ہوجاتا ہے اور قبولیتِ اسلام کی برکت سے شرف صحابیت کے عظیم مرتبے پر فائز بھی کر دیئے گئے ......سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ جن کو اتنے سخت حالات پیش آ جانے کے باوجود ایک لمحہ حضور ﷺ کی مجلس کا نصیب ہوگیا آپؓ بھی دنیا بھر کے اولیاء اللہ سے افضل ہیں۔

اس سے ایک تو آپ کو صحابی کی تعریف معلوم ہوگئی اور آپ کو صحابی کا مقام بھی معلوم ہوگیا۔ کہ تم جتنی ریاضت عبادت کر کے اپنے آپ کو جہاں تک پہنچا لو صحابی کے درجے کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

صحابہ کو بُرا بھلا کہنے کا حکم

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا تسبوا اصحابی** (بخاری ص۵۱۸

ج ا مسلم ص ۳۰۹ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۵۵۳ ج ۱) (یہ بعد والوں کو کہا ہے) کہ میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہنا...... میرے صحابہ تو اللہ کے اس قدر مقبول بندے ہیں کہ تم اللہ کے راستے میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو اور اُحد پہاڑ

مدینہ منورہ کے پہاڑوں میں سے سب سے بڑا پہاڑ ہے تقریباً 12 کلو میٹر لمبا ہے۔ اور چوڑائی بھی اچھی خاصی ہے جیسے پہاڑوں کی ہوتی ہے میں اس کے گرد پانچ چھ مرتبہ گھوما ہوں میں نے چاروں طرف سے اُس کو دیکھا ہے۔ آپ اندازہ کریں اُحد پہاڑ کے برابر سونا تولا جاسکتا ہے؟ کسی اندازے میں آ سکتا ہے؟ تم اُحد پہاڑ کے برابر اللہ کے راستے میں سونا خرچ کرو اور میرے صحابی نے ایک مُد یا نصف مُد جو اللہ کے راستے میں خرچ کئے ہوں وہ زیادہ بھاری ہیں۔

مُدُ کی مقدار

مُد تقریباً بارہ چھٹانک کا ہوتا ہے پورا مُد ہو تو بارہ چھٹانک بنتا ہے یعنی تین پاؤ سے کچھ کم و بیش۔ کیونکہ چار مُد کا ایک صاع ہوتا ہے اور چار مُد پرانے وزن کے حساب سے تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے، اور تین سیر دس چھٹانک کا آپ چوتھا حصہ لے لیں تقریباً چودہ چھٹانک بنتا ہے۔ اور نصف سات چھٹانک ہوگا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے کسی صحابی نے سات چھٹانک جو اللہ کے راستہ میں خرچ کئے ہیں وہ تمہارے اُحد پہاڑ کے برابر اللہ کے راستے میں سونا خرچ سے زیادہ بھاری ہیں۔ اللہ کے نزدیک اُن کی نیکی کی اتنی قدر ہے اسلئے کبھی بھی کسی صحابی کو بُرا بھلا نہ کہنا۔

صحابہ کو بُرا کہنے والوں پر لعنت کا حکم ہے

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنته اللہ علی شرکم......(ترمذی ص ۲۲۶ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۵۵۴ ج ۲)

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو کہا کرو کہ تمہارے اس بُرے عمل پر خدا کی لعنت ہو......اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کو بُرا بھلا کہنے والوں سے حضور ﷺ نے کس قدر بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ یہ تو عام صحابی کی بات ہے۔ اور بعض صحابہ کو جو بعض خصوصیات حاصل ہیں اُن سے روایات بھری پڑی ہیں۔ سب سے اول آپ یہ عقیدہ یاد رکھئے انبیاء علیہ السلام کے بعد اولادِ آدم میں سب سے اعلیٰ درجہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، کیونکہ نبی کے ساتھ غیر نبی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام حضور ﷺ کے نزدیک کیسا تھا۔؟ ایک روایت لے لیجئے بخاری میں سورۂ اعراف کی تفسیر میں یہ روایت موجود ہے۔

حَدَّثَنِی بُسْرُ بْنُ عُبَیْدِاللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِی اَبُوْ اِدْرِیْسَ الْخَوْلَانِیْ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ یَقُوْلُ کَانَتْ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ محاورة فاغضب ابوبکر عمر فانصرف عمر عنه مغضبا فاتبعه ابوبکر یسئله ان یستغفرله فلم یفعل حتی اغلق بابه فی وجهه فاقبل ابوبکر الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ابوالدرداء ونحن عنده فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما صاحبکم هذا فقد غامر قال وندم عمر علیٰ ماکان منه فاقبل حتیٰ سلم وجلس الی النبی صلی الله علیه وسلم (بخاری ص ج)

حضور ﷺ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آتے ہوئے نظر آئے اور اُن کے چہرے پر اس قسم کے آثار تھے کہ حضور ﷺ نے دیکھ کر پہچان لیا کہ ابوبکر صدیق کسی سے جھگڑا کر کے آرہے ہیں...... واقعہ یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کسی بات پر جھگڑا ہوگیا اور اتفاق ایسا ہے کہ غلطی ابوبکرؓ کی تھی ......حضرت

عمر رضی اللہ عنہ ٹھیک تھے۔ جھگڑے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ غلطی میں نے کی ہے تو اُنہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے معافی مانگنا چاہی......اس پر عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر آگے چل دیئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے تھے......عمر رضی اللہ عنہ نے گھر جا کر دروازہ بند کر دیا......اس ناراضگی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بولے نہیں......اب ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی طرف آئے تو آپ ﷺ نے چہرے کے آثار دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ کسی سے جھگڑ کر آیا ہے......اُدھر ابوبکرؓ جب واپس آئے تو عمر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ مجھے دروازہ بند نہیں کرنا چاہئے تھا، وہ میرے بزرگ تھے، بڑے تھے...... چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ گھر سے نکل کر اُن کے پیچھے چل دیئے ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچے اور اُس کے تھوڑی دیر بعد عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے...... ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو بتا رہے ہیں کہ میرا عمرؓ کے ساتھ کسی بات پر اختلاف ہو گیا میں اُس کے پیچھے پیچھے گیا لیکن اُس نے گھر داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا......اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے غصے کا اظہار کیا ناراض ہونے لگے عمرؓ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرؓ پر ناراضگی دیکھ کر ابوبکرؓ کہتے ہیں:

یا رسول اللہ کنت اظلم......

یا رسول اللہ قصور میرا ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیقؓ کی بات کی طرف توجہ ہی نہیں فرما رہے اور حضرت عمرؓ کو ڈانٹ رہے ہیں تمہیں خیال نہیں آتا؟ میرے دوست کا تم خیال نہیں رکھ سکتے؟ جب میں نے کہا تھا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم سب نے کہا تھا تو جھوٹ بولتا ہے اور اِس نے کہا تھا کہ تو سچ کہتا ہے...... کیا میری وجہ سے تم میرے دوست کو چھوڑ نہیں سکتے؟ جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار کہہ رہے تھے کہ:

یا رسول اللہ کنت اظلم......

یعنی مطلب یہ ہے کہ قصور ابوبکرؓ کا ہو پھر بھی تمہیں اجازت نہیں کہ تم ابوبکرؓ کے

ساتھ ایسا سلوک کرو۔

کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد صحابہ ابوبکر صدیقؓ کا اتنا لحاظ کرنے لگ گئے کہ قصور ہمارا ہوا پھر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراض ہونا ہی ہونا ہے...... قصور ابوبکرؓ کا ہوا تو بھی ڈانٹ ہمیں پڑے گی۔ اور کوئی ابوبکر صدیقؓ کے سامنے بولتا نہیں تھا۔ اس سے اندازہ کریں آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کا۔ اس طرح ہر صحابی کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں **باب المناقب** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صحابی کی خصوصیات بیان فرمائیں!!!

خلفاء راشدین کی امتیازی خصوصیات

جس طرح یہ خصوصی نسبتیں حاصل ہوئیں اسی طرح اُن چار صحابہ خلفاء راشدین کو سب کے مقابلے میں امتیاز بھی حاصل ہوا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خلفاء راشدین میں جو خلافت کی ترتیب ہے وہی ترتیب اُن حضرات کی فضیلت میں ہے۔ پہلے نمبر پر ابوبکر رضی اللہ عنہ...... دوسرے پر عمر رضی اللہ عنہ...... تیسرے پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ...... چوتھے پر علی رضی اللہ عنہ ہیں...... خلفاء راشدین کا مصداق اُنہیں کو قرار دیا جاتا ہے اور اُن کے بعد جو بھی خلفاء آئے ذاتی حیثیت اُن کی کچھ بھی ہو وہ لمبا موضوع ہے اُس کی طرف میں زیادہ جانا نہیں چاہتا ...... صرف یہ بتاتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اُن چار کو سب صحابہ میں فوقیت حاصل ہے۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ حاصل ہے۔

خلفاء راشدین کی خلافت متفق علیہ تھی

جس ترتیب کے ساتھ ان کو خلافت ملی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ متفق ہیں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ اُن کی خدمت میں مصروف رہے، وہ عام اجتماعات میں آتے نہیں تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی...... بخاری میں جس طرح واقعہ ہے۔ اور متفق علیہ خلیفہ ابوبکرؓ ہو گئے کوئی اختلاف نہیں تھا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت متفق علیہ تھی کوئی اختلاف نہیں تھا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی کوئی اختلاف نہیں تھا...... آخر دور میں اُن کے خلاف سازش اُٹھی، ایک یہودی عبداللہ بن سباء کی شرارت سے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑے صبر وتحمل کے ساتھ وقت گزارا۔ اُس وقت جو لوگ وہاں پر موجود تھے۔ اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی کہ ہمیں ان باغیوں کے خلاف جہاد کی اجازت دیجیے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت نہیں دی اور وقت کے امام کی اجازت کے بغیر جہاد ہو نہیں سکتا تھا...... جو آپ کے پاس آئے تھے آپ نے اُن کی تلواریں پکڑ کر توڑ دیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اُمت کی آپس میں تلوار نکل پڑے گی۔ تو پھر قیامت تک نیام میں نہیں جائے گی۔ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں اس کا سبب نہیں بننا چاہتا۔ جہاد کی اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جا کے اختلاف ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اہل مدینہ نے جو بھی وہاں موجود تھے سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق میں تھے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر رہے۔ اُنہوں نے اختلاف کیا کہ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اس کے بعد ہم خلافت کو تسلیم کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تقریباً ساڑھے چار سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت رہی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت سے لوگ صحابہ میں سے بھی ایسے تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عملاً بیعت نہیں کی۔

اس اختلاف میں علماءِ دیوبند کا مسلک

میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا اور ہمارے اَکابر کا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے؟ دونوں طرف صحابی ہیں......اور مسئلہ اجتہاد کا ہو گیا ہے کہ پہلے باغیوں کے ساتھ نمٹنا ہے یا پہلے خلافت کو منعقد کرنا ہے...... یہ مسئلہ درپیش تھا......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد یہ فرمایا کہ پہلے باغیوں سے نمٹنا چاہیئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا چاہیئے، اس کے بعد خلافت کی بیعت کرلیں گے......مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء کا خیال یہ تھا کہ نہیں پہلے خلافت کو مستحکم کرلیں اُس کے بعد جو ہوگا کریں گے...... دونوں طرف صحابی ہیں......دونوں طرف اجتہاد ہے......اللہ کی حکمت کے تحت اُس میں شدت پیدا ہوگئی۔اس میں میرا...... میرے اَکابر کا...... میرے اساتذہ کا......اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس اختلاف میں علی رضی اللہ عنہ اولیٰ بالحق ہیں۔ چونکہ مرتبہ صحابیت کے اعتبار سے بڑے سیدنا علی ہی ہیں......بس یہ یاد رکھنا...... اولیٰ بالحق......مگر ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حق پر جانتے ہیں۔ اسلئے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اندر خطاء بھی کر جائے تو اللہ کے ہاں معاف ہے اور اُس کی نیک نیتی پر اُس کو ثواب ملتا ہے۔ اُس کو ہم باطل قطعاً نہیں کہیں گے۔ یہ بات ذہن میں بٹھالو۔

پاکستان میں مختلف فتنے سر اُٹھا رہے ہیں جو ایسے مواقع پر زبان درازی کر کے گمراہی پھیلا رہے ہیں......بعض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لب کشائی کر کے اُن کو مجرم ٹھہرا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں اور بعض لوگ اُس کے مقابلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی ، باطل وغیرہ کہہ کر گمراہی پھیلا کر لوگوں کا ایمان خراب کر رہے ہیں...... ہمارا اور ہمارے اَکابر کا یہ عقیدہ نہیں ہے...... ہم اس اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو...... اولیٰ بالحق قرار دے کر تمام صحابہ کو برحق سمجھتے ہیں......ایک بات تو طے ہے کہ کسی بھی صحابیِ رسول کی گستاخی جہنم کا دروازہ کھول دے گی......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی جائز نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی

گستاخی دوزخ میں پہنچا دے گی ...... یہ یاد رکھیں۔ اس بارے میں ہمارا، علماء دیوبند کا، بلکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مشاجراتِ صحابہ میں دونوں طرف کے بزرگ اپنی اپنی اجتہادی رائے کی وجہ سے آمنے سامنے ہوئے جس سے اُن کے مرتبے اور مقام میں کوئی فرق نہیں آیا......اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ سارے خلجان کو دور کر دینے کیلئے کافی ہے جسے ہمارے بزرگ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ابن عساکر، منہاج السنۃ اور کنزالعمال کے حوالے سے نقل کر کے اُمت پر احسان فرمایا ہے کہ سیدنا عثمان کی شہادت کے موقع پر ہونے والے مشاجراتِ صحابہ کے نتیجے میں دونوں جانب کے مقتولین کی نمازِ جنازہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:

''ہمارے اور معاویہ کے ساتھی جو جنگِ صفین اور جنگِ جمل میں شہید ہوئے سب کے سب مسلمان تھے اور ہمارے بھائی تھے لیکن اُنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی جو اجتہادی بغاوت تھی کیونکہ......**فانهم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا**...... (تعظیم قدر الصلوٰۃ لمحمد بن نصر المروزی م۲۹۴۔ ص۵۴۴ ج ۲) اُنہوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے اُن کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم نے یہ سمجھا کہ اُنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔''

چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا معاویہ کے مقتول ساتھیوں کی سیدنا علیؓ نے تجہیز و تکفین کی اور خود اُن پر نماز جنازہ پڑھی جو اُن کے مومن ہونے پر شاہد ناطق ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنا، بدزبانی کرنا، یا اُن کا ذکر ایسے انداز میں کرنا، جس سے اُن کی تحقیر ہو یہ بھی اپنے ایمان کو غارت کرنے والی بات ہے۔ ہم ایسی غلطی کبھی نہیں کرتے۔ بات بالکل صاف ہوگی......

اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اُس تاریخی

خطبے کی روشنی میں سیدنا معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ بنالیا تھا......اس طرح سرور کائنات ﷺ کی پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی اور تکمیل پذیر ہوئی کہ میرا یہ بیٹا اُمت کا سردار ہے کہ اس کے ذریعے سے اُمت کے دو بڑے گروہوں میں صلح ہوگی...... (بخاری ۱/۳۷۱)

چنانچہ یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبردار ہوگئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق، متفق علیہ ہوگئے۔

خلفاء راشدین کی پہلی خصوصیت:

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے نزدیک خلفاء الراشدین المهديين پہلے چار صحابہ ہی ہیں۔ چونکہ اُمت میں السابقون الاولون میں یہ لوگ معیار ٹھہرے...... اور السابقون الاولون میں بھی یہی بڑے حضرات ہیں، ہر اعتبار سے یہی خلافت خلافتِ راشدہ کہلائے گی...... مگر عقیدہ کے لحاظ سے ہماری کیا اوقات ہے کہ ہم صحابہ میں درجہ بندی کر کے کسی قسم کی بدگمانی کو جنم دیں اور اپنی عاقبت خراب کریں۔؟ خلافت راشدہ کے ساتھ ساتھ خلافتِ صحابہ بھی ہمارے لئے برحق اور صراط مستقیم دِکھانے کا سبب بنتی ہے...... لہٰذا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْم کا مصداق ہے...... (مشکوٰۃ ص ۵۵۴ واخرج مسلم، حدیثاً معناہ ھٰکذا انظر المشکوٰۃ ص ۵۵۳ ج ۱) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور مومنین کے ماموں ہیں...... کیونکہ اُم المومنین، سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اُن کے بھائی ہیں اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ خال المؤ منین ہیں۔ مومنین کے ماموں ہیں...... آپ کو اللہ نے بہت عظمت دی، بہت شان والے اور اُونچے درجے کے صحابی ہیں۔ مگر سابقون الاولون میں نہیں۔

دوسری خصوصیت

دوسری خصوصیت یہ کہ پہلی خلافتِ صحابہ جسے ہم خلافتِ راشدہ کہتے ہیں وہ تمام

لوگ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ۔عشرہ مبشر والی روز رشن کی طرح واضح روایت''ابوبکر فی الجنة...... عمر فی الجنة......عثمان فی الجنة...... علی فی الجنة...... الخ'' میں ان حضرات کے اسماء مبارکہ ہیں......سیدنا حسنؓ اور سیدنا معاویہؓ عشرہ مبشرہ میں شامل نہیں ہیں......عشرہ مبشرہ میں سے یہ چار ہیں جو خلیفہ ہوئے۔ آگے جو آنے والے ہیں وہ عشرہ مبشرہ میں سے نہیں ہیں:

- نہ حسن رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔
- نہ معاویہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔
- نہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

عشرہ مبشرہ کی خصوصیت کیا ہے؟ عشرہ مبشرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اُن کو جو بشارت دی گئی تھی اُس میں کوئی عمل ملحوظ نہیں ہے۔ یاد رکھنا۔ اُس میں کوئی عمل ملحوظ نہیں یہ نامزد بشارت ہے۔

ابوبکر فی الجنة...... ○ (ابوداؤد ص ج ،ترمذی ص ج ،ابن ماجه ص ج ،مشکوٰة ص ج)

اگر ابوبکرؓ جنت میں نہیں جاتے تو یہ بشارت غلط ثابت ہوتی ہے۔ نامزد بشارت ہے۔ اگر بشارت ہو کسی عمل کی بناء پر تو اُس میں کسی کی ذات نامزد نہیں ہوتی۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولئك اصحاب الجنة......

جو لوگ ایمان لائیں گے، نیک عمل کریں گے وہ لوگ جنتی ہوں گے۔ الحمدللہ آپ سب کے سب مومن ہیں۔ سب کے سب عشاء کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہیں۔ تو

اولئك اصحاب الجنة......

تو آپ پر بھی صادق آ گیا۔ لیکن یہ آپ کی ذات کو بشارت نہیں۔ منطق پڑھتے ہو۔ آپ کیلئے بشارت ثابت ہے۔ جب تک وصف عنوانی صادق آئے۔ یعنی

جب تک وصف موجود ہے ، بشارت موجود ہے ۔ وصف ختم ،بشارت ختم۔جانتے ہو وصفِ عنوانی ؟

كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْاَصَابِعِ مَادَامَ كَاتِباً......

کاتب کی اُنگلیاں حرکت کرتی ہیں جب تک لکھتا رہے۔ جب لکھنا بند کردے گا تو اُنگلیاں بھی ساکت ہوجائیں گی۔تو آپ مومن بھی ہیں، نیک عمل بھی کررہے ہیں،خدا نخواستہ کل کو۔ **الذین اٰمنوا......** کا وصف ختم ہوجاتا ہے۔**یا عملوا الصالحات......** ختم ہوجاتا ہے۔ تو جنت کی بشارت بھی ختم ہوجائے گی......یہ وصفِ عنوانی کے ساتھ بشارت ہے۔

- اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کو بشارت ہے۔
- اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کو بشارت ہے۔
- اللہ کی خاطر نیک عمل کرنے والوں کو بشارت ہے۔

یہ بشارتیں ایسی ہیں جو موصوف بوصفِ عنوانی ہیں۔ اور اگر وصف عنوانی ختم ہوجائے تو بشارت بھی ختم ہوجائے گی۔لیکن:

- **ابوبکر فی الجنة**۔ میں کوئی وصفِ عنوانی نہیں ہے۔
- **عمر فی الجنة**۔ میں کوئی وصف عنوانی نہیں ہے۔
- **عثمان فی الجنة** ۔ میں کوئی وصف عنوانی نہیں ہے۔
- **علی فی الجنة**۔ میں کوئی وصف عنوانی نہیں ہے۔

کسی عمل پر دارومدار نہیں رکھا گیا اس بشارت کا یہ نامزد بشارت ہے۔ ارے بات سمجھے! اور بڑی صحت کے ساتھ یہ بشارت ثابت ہے۔ بہت سے صحابہ ہیں جن کے لئے بشارتیں ہیں۔لیکن یہ عشرہ مبشرہ کا عنوان بتاتا ہے کہ ایسی کوئی خصوصی فضیلت ہے جو باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل نہیں۔ اسی لئے عنوان رکھا جاتا ہے **العشرة المبشرة**۔تو اُن خلفاء میں سے پہلے چار خلفاء عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کیلئے نامزد

بشارت ہے۔ اور اُن کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے کوئی نہیں آیا۔ ٹھیک ہے؟۔

تیسری خصوصیت

اور نبی ﷺ کا ایک خاص وصف ہے **النبی المهاجر**۔

- ابوبکر رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔
- عمر رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔
- عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔
- علی رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔

لیکن آگے کوئی مہاجر خلیفہ نہیں آیا۔ نہ حسنؓ مہاجر...... نہ عبداللہ بن زبیرؓ مہاجر...... نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجر...... آگے تو صحابہ کی خلافت بھی ختم ہوگئی...... یزید صحابی نہیں تابعی تھا......

افضل زمانہ کی ترتیب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء میں **افضل زمانہ** کی ترتیب یہ رہی:

- آپ کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ، **افضل زمانہ**، اپنے زمانے کے سب سے **افضل**۔
- ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ خلیفہ، **افضل زمانہ**، اپنے زمانے کے سب سے **افضل**۔
- عمرؓ کے بعد عثمانؓ خلیفہ، **افضل زمانہ**، اپنے زمانے کے سب سے **افضل**۔
- عثمانؓ کے بعد علیؓ خلیفہ، **افضل زمانہ**، اپنے زمانے کے سب سے **افضل**۔

یہ معیار چاروں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ معیار باقی نہیں رہا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے لیکن افضل زمانہ نہیں تھے۔ کیوں؟

اس لئے کہ **افضل زمانہ** کی ترتیب یوں ہے۔ **السابقون الاولون**......

- شروع شروع میں ایمان لانے والے۔
- حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے والے۔
- غزوہِ بدر میں شریک ہونے والے۔

- غزوہِ اُحد میں شریک ہونے والے۔
- غزوہِ خندق میں شریک ہونے والے۔
- بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے۔
- فتحِ مکہ میں شریک ہونے والے۔

اُن کا اپنے مابعد کے لوگوں سے افضل ہونا قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے......آپ نے تراویح میں سورۃ حدید کی ایک آیت پڑھی تھی جس میں واضح طور پر اللہ کریم نے فرمایا کہ فتحِ مکہ سے پہلے والے فتحِ مکہ کے بعد والے لوگوں سے افضل ہیں۔ یاد رہے یہ آیت ستائیسویں پارے کی سورۃ حدید میں ہے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا و کلاً وعداللہ الحسنٰی......

ترجمہ سمجھتے ہو؟

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل۔

فتح مکہ سے پہلے جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہے اور لڑتے رہے۔

اولئك اعظم درجةمن الذین انفقوا من بعد وقاتلوا

وہ درجے کے اعتبار سے اونچے ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ کے راستے میں خرچ کیا۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ٹھیک ہے؟ آیت کہاں ہے یہ؟ سورۃ حدید میں۔کون سا رکوع ہے؟ پہلا رکوع ہے۔کونسا پارہ ہے؟ ستائیسواں پارہ ہے۔

و کلاً وعداللہ الحسنٰی......

وعدہ حسنٰی سب کے ساتھ ہے لیکن جنہوں نے پہلے خرچ کیا۔ پہلے اللہ کے راستے میں لڑے۔بعد والوں کے مقابلے میں یہ افضل ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے جو لوگ

تھے۔وہ:

السابقون الاولون......شروع میں ایمان لانے والے **افضل**...... ہجرت کرنے والے **افضل**۔ بدر والے **افضل**۔ اُحد والے **افضل**، خندق والے **افضل**، بیعت رضوان والے **افضل**، اور فتح مکہ میں جو شریک تھے وہ **افضل**۔ اور جب مکہ فتح ہوگیا تو اعلان ہوگیا۔

لا هجرة بعد الفتح...... (بخاری ع ۱/۴۵)

فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اب اگر کوئی مکے والا آدمی ایمان لا کے مدینے چلا بھی جائے تو اُس کو مہاجر نہیں کہیں گے۔ ہجرت والا قصہ ختم ہوگیا مکہ کے فتح ہونے کے بعد۔ **لا هجرة بعد الفتح**......فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے؟۔

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے نواسے ہیں۔ ہماری آنکھوں کا نور ہیں، دل کا سرور ہیں لیکن یہ پیدا ہوئے ہیں مدینہ منورہ میں۔ یہ مہاجر نہیں، مہاجروں کی اولاد ہیں...... اُن کو جہاد کا موقع ملا نہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا موقع ملا ...... اُنہوں نے جو کچھ کیا ہے فتح مکہ کے بعد کیا، فتح مکہ سے پہلے نہیں ......اس لئے وہ خلیفہ تو تھے لیکن **افضل** زمانہ نہیں تھے یقیناً اُس وقت وہ صحابہ بھی موجود تھے جو فتح مکہ سے پہلے کے ہیں۔ جنہوں نے بدر میں شرکت کی، جنہوں نے احُد میں شرکت کی۔ تو حضرت حسن **افضل** زمانہ نہیں تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی **صلح حدیبیہ** کے بعد **عمرة القضا** کے موقع اسلام کی روشنی سے منور ہوئے۔ اور اُن کے والدِ محترم سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ یہ بھی مہاجر نہیں ہیں۔ لہٰذا اُس زمانے کے یعنی عمرۃ القضا سے قبل کے جتنے صحابہ موجود تھے وہ سب کے سب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے **افضل** ہیں۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ **افضل** زمانہ نہیں ہیں۔ یہ فرق پڑ

گیا۔میری ان گذارشات کواچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

انہی خاص خاص صفات کی وجہ سے پہلی خلافتِ صحابہ کو''خلافتِ راشدہ''اور دورِ نبوت کا تتمہ سمجھا جاتا ہے۔جس طرح نبی کا فعل حجت تھا، خلافتِ راشدہ کا دور بھی اُسی طرح شریعت کا حصہ ہے......یہ اہم خصوصیات اُن چار بڑے صحابہ کرام پر ختم ہوجاتی ہیں۔اسی فرق کوملحوظ رکھنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ خصوصی خلافت، **خلافت علیٰ منهاج النبوة**، اُن چار بڑے صحابہ کرام پر ختم ہوگئی۔آگے خلافتیں صحیح آئی ہیں، بہت اچھی اچھی آئی ہیں،لغوی اعتبار سے اُن کو راشدہ بھی کہہ سکتے ہیں۔لیکن اہل سنت والجماعت کی خصوصی اصطلاح ان چار پر ختم ہوجاتی ہے......اس لئے ہم اس اختلاف میں حضرت علی کے ساتھ اختلاف کرنے کے لئے تیارنہیں......میں اگر اُس وقت موجود ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتا۔اوراب بھی ذہنی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں۔ **الحمدللہ**۔

اتنا صاف عقیدہ ہے ہمارا اس بارے میں۔ بار بار اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کسی کے مغالطہ ڈالنے سے مغالطے میں ہرگز نہ پڑنا۔

ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صبح وشام دُعا کرتے ہیں **اللھم اجعله هادیاً مهدیاً**۔ (ترمذی ۲/۲۲۴۔مشکوٰۃ ۱/۵۷۹) اُن کومسلمانوں کا ماموں، کاتبِ وحی ، جلیل القدر صحابی ،سب کچھ مانتے ہیں۔لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقابل آجائے پھر ہم حضرت علیؓ کوترجیح دیتے ہیں۔اپنے دل دماغ میں اس عقیدے کوبٹھالیجئے۔سمجھ میں آجائے تو اللہ کا شکرادا کریں۔اگرسمجھ نہ بھی آئے تو اپنے اساتذہ، اپنے اَکابر پر اعتماد کرکرتے ہوئے اس عقیدے کے الفاظ یادرکھیں......کوئی جھگڑا کرے تو کہیں کہ بھائی ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ ہمارے اکابر، اور ہمارے اساتذہ کا یہی عقیدہ ہے۔ہم تو اُن کے ساتھ ہی رہنا چاہتے ہیں، جدھر وہ جائیں گے ہم بھی ساتھ اُدھر ہی جائیں گے۔بس ہم تو اس بات کو دیکھتے ہیں۔

اہل بیت کا مصداق

اس کے بعد صحابہ کرام میں سے ایک خصوصی گروہ ہے۔جن کو ہم اھل بیت کہتے ہیں ...... اوّل مصداق اہل بیت کی، ازواجِ مطہرات ہیں...... کیونکہ یہ پوری دنیا کا ایک مسلم اُصول ہے کہ گھر والوں سے اولاً بیوی اور بچے مراد ہوتے ہیں۔آپ لوگوں کے ہاں کیا اصطلاح ہوتی ہے؟ گھر والے کن کو کہتے ہو؟ ...... جب کوئی کہے کہ گھر والے آج کل یہیں ہیں۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ بیوی بچے آج کل یہیں ہیں۔ گھر والوں میں بیویاں بھی شامل ہوتی ہیں اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں۔تو گھر والے، فیملی یا گھرانہ ،یہ اھل بیت کا لفظی ترجمہ ہے۔ لہٰذا اس کا پہلا مصداق ازواجِ مطہرات ہیں اور پھر حضور ﷺ کی اولاد ہے۔اس گروہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ صحابی بھی ہے اور اِسے اہل بیت ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔اور یہ شرف آپ اس طرح سمجھیں کہ:

ایک آپ کا اپنا بیٹا یا اپنی اولاد ہو...... اور ایک آپ کا دوست ہو جو انتہائی درجے خادم ہو۔ اُن دونوں میں سے آپ کے گھر کے اندر کون جائیگا۔؟ اسی طرح آپ کے اساتذہ ہیں اُن کے بیٹے بھی ہیں۔ اور آپ لوگ اُن کے شاگرد بھی ہیں۔آپ انتہائی درجے کے فرمانبردار، ہر وقت دست بستہ کھڑے رہنے والے، ہر وقت کہنا مانتے ہیں، پاؤں دباتے ہیں، کوئی کام ہو بھاگ کر کرتے ہیں، بہت فرمانبردار ہیں ۔ اور ایک صاجزادے ہیں وہ ذرا اکڑ فوں میں رہتے ہیں۔ کبھی باپ کی مانتے ہیں کبھی نہیں مانتے۔ لیکن ہیں صاجزادے۔اچھے ہیں یا بُرے لیکن ہیں اندر کی چیز جہاں آپ نہیں پہنچ سکتے وہ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ یہ فرق سمجھ لیں آپ۔ ضرورت کے وقت دروازے کے اندر کون جائے گا؟ جیسا کیسا بھی ہے وہی جائے گا۔ کیونکہ وہ اندر کی چیز ہے۔اور آپ کتنے ہی فرمانبردار ہوں، آپ اندر کی چیز نہیں ہیں۔ بھلا یہ خصوصیت کہاں سے لائیں گے آپ۔؟ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ **الحقنا بھم ذریتھم**......

ہم اولاد کو جنت میں والدین کے ساتھ ملا دیں گے۔تو وہ وہاں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں جائے گی تو حسنؓ وہاں ہوں گے حسینؓ وہاں ہوں گے...... آپ بہت محبوب ہیں حضور کو، اور آپ بہت محبّ ہیں حضور کے۔لیکن ملاقات خیمے سے باہر ہوگی...... اس لئے اہل بیت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا...... اُن کو جو خصوصیت اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ کسی اور کے لئے نہیں ہے...... اگر **صحابہؓ** سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت ہے تو **اهل بیت** کی محبت اُس سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔ اس لئے صحابہؓ میں سے خصوصیت کے ساتھ اہلِ بیت سے محبت رکھنا، یہ اہلِ سنت والجماعت کا شعار ہے۔

اہل بیت کی فضیلت

اور حضرت **مجدد الف ثانی** رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اہل بیت کی محبت کو حسنِ خاتمہ میں بہت دخل ہے۔ کہ جو اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں۔ بہت توقع ہے کہ اُن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ یاد رکھنا۔ اور اہل بیت سے بغض رکھنا عام صحابہ کے مقابلے میں بغض رکھنے سے زیادہ شدید ہے۔

حضرت حسینؓ و یزید کے اختلاف میں مسلک دیوبند

اس لئے ہمیشہ یہ عقیدہ ساتھ رکھیں:

- حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت۔
- حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت۔
- اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت۔

آپ کو اس دنیا کے بعد بھی کام آئے گی...... یہاں آ کر اختلاف ہوا ہے اہل بیت کے ساتھ یزید کا۔ یہاں بھی اس عقیدے کو مستحضر رکھنا۔

آج کل تحقیق و ریسرچ کے عنوان سے جہاں اور بہت سی خرافات کو فروغ دیا جا رہا ہے وہاں اہلبیت و حضرت حسینؓ کو بھی نشانہ بنایا جا رہا ہے۔اس سلسلہ میں واقعہ

کربلا کی تاریخی حقیقت کا خوشنما انکشاف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یزید حق پر تھا اور حسینؓ باغی تھا...... حسینؓ ایسا تھا ویسا تھا......حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور زبان درازی کی جا رہی ہے۔ **حاشا و کلا** اس بات سے ہمیشہ بچنا...... جہاں یزید اور حسینؓ کا اختلاف ہوگا تو ہم حُسینی ہیں، یزیدی نہیں ہیں۔ بس سیدھی سی بات ہے۔ کسی کی بات پر کان نہ دھریں۔ کوئی کہے کہ حسینؓ غلطی پر تھا اور یزید حق پر تھا یا یزید کی فوجیں برحق تھیں۔ اس قسم کی باتوں پر کان نہیں دھرنا۔ اُن سے کہیں کہ ہمارے دل میں حسینؓ کی محبت ہے اور ہم پکے حسینی ہیں۔ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں اور کسی کے بہکاوے میں ہرگز نہ آئیں۔ اللہ کریم استقامت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

❀❀❀